OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۰۴۵۹۲ Accession No. ۱۴۲۲۲

Author ناصر علی، محمد

Title موضع دو یلیاکی معاشی تحقیق

This book should be returned on or before the date last marked below.

موضع دوپلّی کی معاشی تحقیق

از

محمد ناصر علی ام اے (عثمانیہ)
لکچرار معاشیات جامعۂ عثمانیہ

قیمت دو روپیے

۵۴ف

Checked 1968

فہرست مضامین

تعارف

انجمن طیلسانیین عثمانیہ کے ترجمان، مجلۂ طیلسانیین کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کے تعلیم یافتوں اور بالخصوص طیلسانیین کے علمی کارناموں کو منظر عام پر لایا جائے اور اس طرح اُردو زبان کی خدمت بھی انجام دی جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے فی الحال ان مقالوں کے شائع کرنے کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے جو جامعۂ عثمانیہ کے مابعد طیلسان طلبہ، ام اے اور ام یس سی کے امتحانوں کے لئے تحریر کرتے اور جن کو خود جامعۂ عثمانیہ اور بیرونی جامعات کے اساتذہ تنقیدی نظر سے دیکھکر منظور کرتے ہیں۔ توقع ہے کہ ان مقالوں کی اشاعت سے صحیح معنوں میں علم و ادب کی خدمت انجام پائیگی۔

اس مقالہ کے مصنف مولوی محمد ناصر علی صاحب ام اے ہیں جو اس وقت خود جامعہ کے شعبۂ معاشیات میں محنت و سرگرمی سے معاشیات کے علم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ توقع ہے کہ یہ مقالہ آیندہ کام کرنے والوں کے لئے رہبر ثابت ہوگا۔ یہ مقالہ قسط وار ایک عرصہ دراز تک مجلۂ طیلسانیین میں طبع ہوتا رہا اس لئے اس کی کتابت میں بعض جگہ خامیاں رہگئی ہیں۔ اسی طرح مقالہ کے حاشیوں میں بعض جگہ تصاویر کا حوالہ موجود ہے لیکن اس وقت بلاک سازی میں جو مشکلات درپیش ہیں ان کے مدنظر تصاویر تیار نہ ہوسکیں ان سب باتوں کا افسوس اور ندامت ہے۔ فقط

محمد غوث
مدیر مجلۂ طیلسانیین

پیش لفظ

ہندوستان میں عموماً اور ممالک محروسہ سرکار عالی میں خصوصاً دیہاتی باشندوں کی معاشی زندگی کے حقیقی حالات و واقعات سے جو لاعلمی ہے وہ محتاج ثبوت نہیں یہ لاعلمی یوں تو کسی حالت میں درست نہیں سمجھی جا سکتی لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ مدتوں کی غفلت کے بعد دیہاتیوں کی حالت کی طرف سرکاری اور غیر سرکاری ادارے توجہ کرنے لگے ہیں اور اُن کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی مختلف اسکیمیں بنائی جانے لگی ہیں، یہ ایک ناگزیر بات ہے کہ ہمیں اُن کی معاشرت کے تمام پہلوؤں کے متعلق زیادہ سے زیادہ اور صحیح معلومات حاصل ہوں۔ اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر جب جامعۂ عثمانیہ میں پہلی مرتبہ شعبۂ معاشیات میں ام۔اے کے امتحان کے لئے نصاب مرتب کیا جانے لگا تو اس میں پہلے سال کے لئے تو حسب معمول پرچوں کے ذریعہ امتحان مقرر کیا گیا لیکن آخری سال کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ امیدوار پہلے سے مقرر کردہ خاص خاص عنوانات میں سے کسی عنوان پر مقالہ لکھے جو ذاتی تحقیقات پر مبنی ہو۔ اس سے ایک طرف تو ملک کے معاشی حالات کے متعلق مستند معلومات جمع ہوتی جائینگی اور دوسری طرف ملک میں ایسے نوجوان مہیا ہوتے جائینگے جو آگے چلکر سرکاری یا قومی اداروں کے تحت بڑے پیمانے پر معاشی تحقیقات کا کام انجام دے سکیں۔ زیر نظر مقالہ دراصل اسی کوشش کا ایک اولین اور کامیاب نتیجہ ہے جسکی بنا پر اس کے لائق مصنف محمد ناصر علی صاحب کو جامعۂ عثمانیہ سے شعبۂ معاشیات میں ام۔اے کی ڈگری عطا کی گئی اس مقالے میں ممالک محروسہ کے ایک چھوٹے سے مقام یعنی موضع ، وپلی کے باشندوں کی معاشی زندگی سے متعلق تفصیلی حالات جمع کئے گئے ہیں جو اس وجہ سے بہت زیادہ قابل قدر ہیں کہ وہ محض سنی سنائی باتوں پر مبنی نہیں ہیں بلکہ مصنف کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہیں جو کئی مہینوں تک خود اس موضع میں رہ کر اور وہاں کے باشندوں سے میل جول پیدا کرکے کی گئی ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور ایک طرح سے رہنمایانہ کام ہے۔ نیز اس میں خشک اعداد و شمار کو حتی الوسع دلچسپ پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے امید ہے کہ پبلک اس کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گی۔ مابعد جنگ تعمیر کے لئے آج کل جو بنیادی مواد اکٹھا کیا جا رہا ہے اس سلسلے میں بھی ایسی معلومات جیسی کہ اس مقالے میں مہیا کی گئی ہیں مفید ثابت ہونی چاہئیں۔ فقط

حمایت نگر - حیدرآباد دکن
دی ۵۳ ۳ ام نومبر ۱۹۴۳ء

حبیب الرحمٰن
ناظم صنعت و حرفت سرکار عالی

۱

مقدمہ

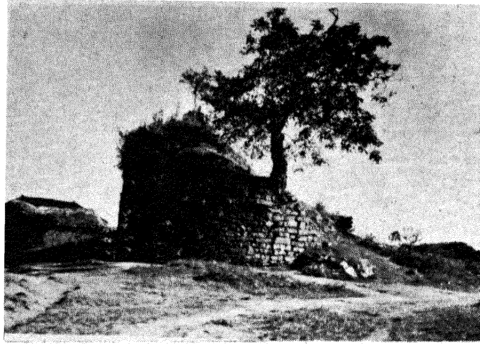
موضع ڈوپلی تعلقہ بودھن ضلع نظام آباد صوبہ میدک سمت تلنگانہ ایک قدیم آبادی ہے۔
اس کی قدامت کا اندازہ ان برجوں سے ہوسکتا ہے جو اس وقت منہدم[1] صورت میں وہاں موجود ہیں۔
یہ موضع مستقر بودھن اور ضلع نظام آباد کے تقریباً درمیان واقع ہے۔ ہر دو مقامات سے
اس کی مسافت تقریباً (۹) میل ہے بس اسٹیج پوچارم سے اس کا فاصلہ تقریباً (۲) میل ہے۔
اس موضع کے شمال میں موضع کلبا پور، جنوب میں پوچارم و جیبتاپور، مشرق میں جانکم پیٹھ وایاپور
اور مغرب میں رنجل و برہمن پلی واقع ہیں۔
اس کا جملہ رقبہ (۳۰۲۵) مربع میل ہے۔ ۱۳۴۷ف (م اکتوبر ۱۹۳۷ء) کی مردم شماری[2] کے
مطابق یہاں کی آبادی (۱۱۵۴) نفوس پر مشتمل ہے۔
آئندہ فصلوں میں ہم موضع ہذا کے معاشی حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بتائینگے کہ یہاں کے
باشندے کس معیار پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر معیار زندگی ادنیٰ ہے تو یہ دریافت کرینگے کہ آخر اس
ادنیٰ معیار کے کیا وجوہ ہیں۔ بعد ازاں ان تدابیر پر غور کرینگے جن کے ذریعہ موجودہ معیار زندگی کو
بلند کیا جاسکتا ہے۔ گویا موجودہ مقالہ کا اصلی مقصد باشندگان موضع ڈوپلی کے ادنیٰ معیار زندگی کا مطالعہ
کرنا، اس کے وجوہ معلوم کرنا، اور اس کو بلند کرنے کے لئے موزوں و مناسب تدابیر پیش کرنا ہے۔

---

[1] دیکھئے تصویر ۱ ڈوپلی کا ایک منہدم برج۔

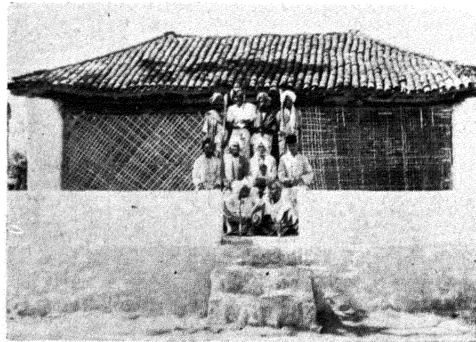
[2] مردم شماری بذات خود کی گئی ہے۔

اسی مقصد کے پیش نظر آئندہ فصل میں ہم مسئلہ آبادی (جس کو نہ صرف موضع ہذا بلکہ تمام ہندوستان میں نمایاں اہمیت حاصل ہے) کا مختلف نقاط نظر سے مطالعہ کرینگے۔ جس سے اگر ایک طرف ہمارا اصلی مقصد پورا ہوگا تو دوسری طرف موضع ہذا کی آبادی سے متعلق دیگر ضروری امور کی تشریح بھی ہو جائیگی۔



(۱) موضع دوپلی کا ایک منہدم برج





(۲) موضع دوپلی کی چاوڑی

پہلی فصل

زرعی آبادی[1]

سنہ ۱۳۲۳ف تا سنہ ۱۳۲۹ف مطابق اکٹوبر سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء تا اکٹوبر سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء

تاریخی پہلو | موضع ڈوپلی کی آبادی سے متعلق ہمیں سب سے پہلے اعداد سنہ ۱۳۲۳ف (م اکٹوبر سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء) سے ملتے ہیں۔ اس سال موضع کی جملہ آبادی (۱۰۳۲) بتلائی گئی ہے لیکن چھ سال بعد یعنے سنہ ۱۳۲۹ف (م اکٹوبر سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء) میں آبادی میں غیر معمولی تخفیف ہوگئی، اور وہ (۱۰۳۲) سے گھٹ کر (۸۸۷) ہوگئی۔ بالفاظ دیگر سنہ ۱۳۲۳ف (م ۱۴ار اکٹوبر سنہ ۱۹۱۳ء) کے مقابل سنہ ۱۳۲۹ف (م اکٹوبر سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء) میں (۱۴۵) یا ۱۴ فیصد کی کمی ہوئی۔

اس تخفیف کی اہم وجہ سنہ ۱۳۲۷ف (م اکٹوبر سنہ ۱۹۱۷-۱۸ء) سنہ ۱۳۲۸ف (م اکٹوبر سنہ ۱۹۹-۲۰ء) اور سنہ ۱۳۲۹ف (م اکٹوبر سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء) کی قحط سالی تھی۔ قلت خوراک کی وجہ سے اگر ایک طرف شرح پیدائش میں نسبتاً تخفیف ہوگئی تو دوسری طرف شرح اموات میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ زیر بحث چھ سالوں میں بحیثیت مجموعی (۵۴) نفوس پیدا ہوئے اور (۱۲۵) نفوس فوت ہوئے[2]۔ آبادی میں اگر ایک طرف شرح پیدائش کے مقابل

---

[1] موضع ہذا میں ۹۵،۴ فیصد افراد کا تعلق براہ راست یا بالواسطہ جزاً یا کلاً زراعت سے ہے لہذا اس فصل کا عنوان زرعی آبادی رکھا گیا ہے۔

[2] حالانکہ سنہ ۱۳۴۱ف تا سنہ ۱۳۴۶ف کے معمولی سالوں میں بحیثیت مجموعی ۹۸ نفوس پیدا ہوئے اور ۶۲ نفوس فوت ہوئے۔

زرعی آبادی

شرح اموات کی زیادتی کی وجہ سے تخفیف ہوئی تو دوسری طرف توطن داخلی کے مقابل توطن خارجی (گو عارضی ہی) کی زیادتی کی بنا، پرکمی ہوئی۔ قلت غذا سے مجبور ہوکر باشندگان موضع کی ایک کثیر تعداد نے تلاش معاش کے لئے ترک مقام کیا۔ لہٰذا متذکرہ دو مخالف اسباب کی بناء پر آبادی میں سرعت کے ساتھ تخفیف شروع ہوئی اور وہ ۱۳۲۳ف (م کتوبر ۱۴-۱۹۱۳ء) کے مقابل ۱۳۲۹ف (م اکتوبر ۲۰-۱۹۱۹ء) میں ۱۴ فیصد گھٹ گئی۔

۱۳۲۹ف تا ۱۳۴۰ف مطابق اکتوبر ۲۰-۱۹۱۹ء تا اکتوبر ۳۱-۱۹۳۰ء

۱۳۲۹ف (م ۲۰-۱۹۱۹ء) کے اختتام پر قحط سالی کے اثرات زائل ہونے لگے اور وہ افراد جو قحط سالی کے زمانہ میں فکر معاش کی خاطر ترک مقام کئے تھے واپس ہونا شروع ہوئے۔ نتیجتہً آبادی میں پھر اضافہ ہوگیا چنانچہ ۱۳۳۰ف (م اکتوبر ۲۱-۱۹۲۰ء) کی مردم شماری کے وقت یہاں کی جملہ آبادی (۹۷۰) تھی لیکن جب ۱۳۴۰ف (م اکتوبر ۳۱-۱۹۳۰ء) میں دوبارہ مردم شماری کیگئی تو اس وقت تک جملہ آبادی ۱۳۳۰ف (م اکتوبر ۲۱-۱۹۲۰ء) کے مقابل (۹۷۰) سے بڑھ کر (۱۴۴۰) ہوگئی گویا آبادی میں تقریباً (۴۱) فیصد کا اضافہ ہوا لیکن یہ حقیقی اضافہ نہ تھا۔

مقدمان دیہی کا بیان ہے کہ آبادی میں اس غیر معمولی اضافہ کی اہم وجہ یہ تھی کہ ۱۳۴۰ف (م اکتوبر ۳۱-۱۹۳۰ء) کی مردم شماری کے وقت نہر نظام ساگر کی تعمیر کا کام جاری تھا، اور اس کے سلسلے میں وڈروں (مزدور پیشہ افراد کی ایک ذات) کی ایک کثیر تعداد موضع کی سواد میں مقیم تھی۔ لہٰذا ان تمام وڈروں کا شمار موضع ہٰذا کی آبادی میں کرلیا گیا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس وقت وڈروں کی کوئی (۸۰) جھونپڑیاں تھیں۔ اگر ہم فی جھونپڑی ۵ نفوس فرض کرلیں تو منجملہ (۱۴۴۰) نفوس کے (۴۰۰) کی آبادی وڈروں پر مشتمل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس کا تعلق موضع کی حقیقی آبادی سے نہیں۔ اس مفروضہ کے تحت ۱۳۴۰ف (م اکتوبر ۳۱-۱۹۳۰ء) میں موضع کی حقیقی آبادی (کم و بیش) ۱۰۴۰ تھی۔ اس لحاظ سے ۱۳۳۰ف (م اکتوبر ۲۱-۱۹۲۰ء) کے مقابل ۱۳۴۰ف (م اکتوبر ۳۱-۱۹۳۰ء) میں ۴۱ فیصد کے بجائے ۷ فیصد کا اضافہ ہوا۔

۱۳۴۰ف تا ۱۳۴۷ف مطابق اکتوبر ۳۱-۱۹۳۰ء تا اکتوبر ۳۸-۱۹۳۷ء

اگر ہم ۱۳۴۰ف (م اکتوبر ۳۱-۱۹۳۰ء) کے اعداد کا مقابلہ ۱۳۴۷ف کے اعداد سے کریں تو

زرعی آبادی

آبادی میں مزید اضافہ نظر آتا ہے۔ ۱۳۴۷ف (م اکتوبر ۳۸-۱۹۳۷ء) کی مردم شماری کے مطابق موضع کی جملہ آبادی (۱۱۵۴) ہے۔ اس طرح ۱۳۴۰ف (م اکتوبر ۳۱-۱۹۳۰ء) کے مقابل موجودہ آبادی میں ۱۱۴ نفوس یا ۱۱ فیصد کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس اضافہ کے دو وجوہ ہیں۔ پہلا شرح اموات کے مقابل شرح پیدائش کی زیادتی۔ دوسرے توطن خارجی کے مقابل توطن داخلی کی زیادتی۔ جہانتک کہ اموات و پیدائش کے اعداد کا تعلق ہے وہ حسب ذیل ہیں :-

سنہ فصلی	سنہ عیسوی	پیدا شدہ	فوت شدہ	اضافہ (+) یا تخفیف (-)
۱۳۴۱	اکتوبر ۳۲-۱۹۳۱	۸	۱۲	-۴
۱۳۴۲	" ۳۳-۱۹۳۲	۵	۲	+۳
۱۳۴۳	" ۳۴-۱۹۳۳	۹	۷	+۲
۱۳۴۴	" ۳۵-۱۹۳۴	۲۰	۲	+۱۸
۱۳۴۵	" ۳۶-۱۹۳۵	۱۰	۶	+۴
۱۳۴۶	" ۳۷-۱۹۳۶	۳۰	۹	+۲۱
۱۳۴۷	" ۳۸-۱۹۳۷	۱۶	۲۴	-۸
جملہ	. . . .	۹۸	۶۲	+۳۶

مندرجہ بالا اعداد کے دیکھنے سے واضح ہے کہ سوائے ۱۳۴۱ف (م اکتوبر ۳۲-۱۹۳۱ء) و ۱۳۴۷ف (م اکتوبر ۳۸-۱۹۳۷ء) کے باقی تمام سالوں میں شرح پیدائش، شرح اموات سے کچھ نہ کچھ بڑھی رہی خصوصاً ۱۳۴۴ف و ۱۳۴۶ف (م اکتوبر ۳۵-۱۹۳۴ء، اکتوبر ۳۷-۱۹۳۶ء) میں شرح اموات کے مقابل شرح پیدائش میں غیرمعمولی زیادتی کی وجہ سے علی الترتیب (۱۸) اور (۲۱) نفوس کا اضافہ ہوا۔ بحیثیت مجموعی گذشتہ سات سالوں میں جملہ ۹۸ نفوس پیدا ہوئے اور ۶۲ نفوس فوت ہوئے اس طرح شرح اموات کے مقابل شرح پیدائش کی زیادتی کی وجہ سے جملہ ۳۶ نفوس یا ۳ فیصد سے کچھ زاید اضافہ ہوا لیکن اب یہ دیکھنا ہے کہ توطن خارجی کے مقابل توطن داخلی کی وجہ سے کس قدر زیادتی ہوئی۔

توطن داخلی و خارجی سے متعلق ہمیں کسی قسم کے اعداد نہیں ملتے، لہٰذا اس دقت کو رفع کرنے کے لئے

زرعی آبادی ہر بزرگ خاندان سے یہ دریافت کیا گیا کہ گذشتہ سات سالوں میں کتنے افراد ان کے مکان سے دیگر بیرونی مقامات کو مستقلاً منتقل ہوئے۔ اس منتقلی کی کیا وجہ تھی۔ اسی طرح یہ بھی دریافت کیا گیا کہ گذشتہ سات سالوں میں کتنے افراد دیگر بیرونی مقامات سے ان کے مکان کو دائماً منتقل ہوئے۔ اس منتقلی کی کیا وجہ تھی۔

مذکورہ سوالات کی بناء پر گذشتہ سات سالوں میں توطن داخلی و خارجی کے متعلق ہمیں حسب ذیل معلومات فراہم ہوئے :-

۱۔ وہ افراد جو موضع ہذا سے گذشتہ سات سالوں میں تلاش معاش کی خاطر دیگر بیرونی مقامات کو مستقلاً منتقل ہوئے .... (۴)

۲۔ وہ افراد جو موضع ہذا سے گذشتہ سات سالوں میں شادی بیاہ کی وجہ سے دیگر بیرونی مقامات کو مستقلاً منتقل ہوئے .... (۲۸)

جملہ منتقل شدہ افراد .... (۳۲)

۱۔ وہ افراد جو گذشتہ سات سالوں میں تلاش معاش کی خاطر دیگر بیرونی مقامات سے آکر موضع ہذا میں مستقلاً قیام پذیر ہوئے .... (۳۸)

۲۔ وہ افراد جو گذشتہ سات سالوں میں شادی بیاہ کی وجہ سے دیگر بیرونی مقامات سے آکر موضع ہذا میں مستقلاً مقیم ہوئے .... (۳۵)

جملہ واردین .... (۷۳)

مندرجہ صدر تشریح سے ظاہر ہو رہا ہے کہ گذشتہ سات سالوں میں توطن خارجی کے مقابل توطن داخلی کی زیادتی (۷۳-۳۲) کی وجہ سے ۱۳۴۰ف (م ۳۱-۱۹۳۰ء) کے مقابل موضع ہذا کی موجودہ آبادی میں ۴۱ یا تقریباً ۴ فیصد (نفوس) کی زیادتی ہوئی۔

بحیثیت مجموعی شرح پیدائش و شرح اموات، توطن داخلی و توطن خارجی کے باہمی فرق کی بناء پر (۳۶ + ۴۱) ۷۷ یا (۳ + ۴) ۷ فیصد کی زیادتی ہوئی لیکن فی نفسہ اضافہ ۱۱۴ نفوس یا تقریباً ۱۱ فیصد کا ہے۔ گویا مزید ۳۷ افراد یا تقریباً ۴ فیصد اضافہ کے وجوہ دریافت طلب ہیں۔ اس اضافہ کو ہم اضافہ بوجہ نامعلوم قرار دے سکتے ہیں اس لئے کہ اس کے کوئی وجوہ معلوم نہ ہو سکے۔

زرعی آبادی

یہاں تک تو ہم نے یہ معلوم کیا کہ ۱۳۴۰ف (م اکتوبر ۳۱-۱۹۳۰ء) کے مقابل ۱۳۲۴ف (م اکتوبر ۱۵-۱۹۱۴ء) میں آبادی میں جو اضافہ ہوا اس کے کیا وجوہ تھے لیکن اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی ۱۳۲۳ف (م اکتوبر ۱۴-۱۹۱۳ء) کے مقابل موجودہ آبادی کس قدر زائد ہے۔ واضح رہے کہ ۱۳۲۳ف (م اکتوبر ۱۴-۱۹۱۳ء) میں جملہ آبادی (۱۰۳۲) تھی۔ لیکن اب (۱۱۵۴) ہوگئی ہے۔ گویا گذشتہ ۲۴ سال میں (۱۱۵۴-۱۰۳۲) ۱۲۲ نفوس یا ۱۱٫۸۲ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ بالفاظ دیگر فی سال اوسطاً ۵٫۰۸ نفوس کی زیادتی ہوئی۔ اس ادنیٰ رفتار اضافہ کی اہم وجہ ۱۳۴۰ف (م اکتوبر ۳۱-۱۹۳۰ء) اور اس سے قبل کے قحط سالیاں اور وبائیں ہیں جب کہ نہ صرف شرح پیدائش کے مقابل شرح اموات بالعموم غیر معمولی طور پر بڑھی رہتی تھی بلکہ توطن داخلی کے مقابل توطن خارجی (گو عارضی سہی) زیادہ ہوتا تھا۔ اور یہ دونوں اثرات سرعت کے ساتھ آبادی کو گھٹا دیتے تھے۔ اعلیٰ شرح پیدائش کی وجہ سے اگر آبادی میں اضافہ کا امکان ہوتا ہے تو اعلیٰ شرح اموات کی بدولت یہ امکان بالعموم تقریباً معدوم ہوتا رہتا ہے، لہٰذا آبادی کا حقیقی اضافہ موثر طور پر رونما نہیں ہونے پاتا۔ نتیجہ یہ کہ آبادی کی رفتار ترقی بہت سست رہتی ہے۔[1]

۲۔ موجودہ نوعیت آبادی کے تاریخی پہلو پر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم اس کی موجودہ نوعیت معلوم کریں گے۔

تقسیم آبادی بلحاظ مذہب:۔ موضع ہذا میں جملہ چار مذہب کے لوگ آباد ہیں:۔ ۱۔ ہندو ۲۔ اچھوت، ۳۔ مسلمان، ۴۔ عیسائی۔ ان مذاہب کے خاندانوں اور افراد کی تقسیم حسب ذیل ہے:۔

تفصیل مذہب	تعداد خاندان	فیصد	تعداد نفوس	فیصد
۱۔ ہندو	۱۷۳	۷۰٫۳	۸۴۷	۷۳٫۴
۲۔ اچھوت	۶۵	۲۶٫۴	۲۶۷	۲۳٫۱
۳۔ مسلمان	۷	۲٫۹	۳۶	۳٫۱
۴۔ عیسائی	۱	۰٫۴	۴	۰٫۴
جملہ	۲۴۶	۱۰۰٫۰	۱۱۵۴	۱۰۰٫۰

[1] ۱۳۲۳ف (م ۱۴-۱۹۱۳ء) کے مقابل موجودہ آبادی میں جس قدر زیادتی ہوئی وہ بیشتر ۱۳۴۰ف (۳۱-۱۹۳۰ء) کے بعد عمل میں آئی ہے ورنہ اس سے قبل بالعموم شرح پیدائش شرح اموات سے بڑھی ہوئی رہتی تھی۔

اصلی آبادی

مندرجہ صدر اعداد سے ظاہر ہے کہ بلحاظ خاندان اور بلحاظ افراد ہندو مذہب کے لوگ سب سے زیادہ ہیں۔ واضح رہے کہ ہندو مذہب میں مختلف فرقوں :۔ کولی، دھنگر، جلاہے، موٹرواڑ، بھوئی، دیمرواڑ، دھوبی، حجام، برہمن، کومٹی، بڑھئی، سنار، لوہار، کلال، درزی، منورواڑ، ایاوار، بڑوڑ، اور کمار، کے شامل ہیں۔ ان میں سے بیشتر فرقے ایک دوسرے کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے۔ خصوصاً برہمن کسی کے ہاتھ کی پکی ہوئی غذا نہیں استعمال کرتے۔ البتہ برہمنوں کی دی ہوئی غذا سب لوگ استعمال کرتے ہیں۔

اچھوت افراد میں دھیڑ اور مانگ شامل ہیں۔ سماجی نکتہ نظر سے مانگوں کو سب سے ادنیٰ تصور کیا جاتا ہے۔ برعکس اس کے دھیڑوں کا رتبہ مانگوں سے بہتر ہے۔ لیکن جہانتک کہ چھوت کا مسئلہ ہے ان دونوں فرقوں کو بالکل علٰحدہ رکھا جاتا ہے۔

تقسیم آبادی بلحاظ جنس :۔۔۔۔ بلحاظ جنس آبادی کو دو طرح پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مذکر اور مونث۔ (۱۱۵۴) افراد میں سے (۵۶۷) ذکور، اور (۵۸۷) اناث ہیں۔ گویا فی ہزار ذکور، اناث کی تعداد (۱۰۳۵) ہے۔ مندرجہ ذیل اعداد میں بعض اہم فرقوں میں ذکور و اناث کی تعداد دی گئی ہے۔ نیز یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ ہر فرقے میں ذکور اور اناث کا کیا تناسب ہے :۔

نام فرقہ	جملہ تعداد نفوس	ذکور	اناث	فی ہزار ذکور و اناث کی تعداد
دھیڑ	۱۸۲	۸۴	۹۸	۱۱۶۷
کولی	۱۵۶	۸۰	۷۶	۹۸۰
دھنگر	۱۱۵	۵۵	۶۰	۱۰۹۱
جلاہے	۹۸	۵۱	۴۷	۹۲۳
موٹرواڑ	۱۰۱	۵۰	۵۱	۱۰۲۰
بھوئی	۹۰	۴۴	۴۶	۱۰۴۶
مانگ	۷۹	۳۹	۴۰	۱۰۲۶
دیمرواڑ	۸۴	۳۹	۴۵	۱۱۵۴
دھوبی	۴۴	۲۸	۱۶	۵۷۱

زرعی آبادی

۱ حجام	۳۲	۱۴	۱۸	۱۲۸۵
منفرق[1]	۱۷۳	۸۳	۹۰	۱۰۸۴

مندرجہ بالا اعداد سے واضح ہے کہ سوائے چند فرقوں کے باقی تمام فرقوں میں ذکور کے مقابل اناث کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن جب ہم عمر کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہر دو کا باہمی تناسب بتدریج گھٹتا جاتا ہے۔ (جوں جوں عمر کے مدارج بڑھتے جاتے ہیں) چنانچہ ذیل کے اعداد سے اس بیان کی تشریح ہوتی ہے:۔

سال	ذکور	اناث	فی ہزار ذکور، اناث کی تعداد
۰ تا ۵	۶۶	۷۲	۱۰۹۲
۵ تا ۱۰	۶۹	۷۸	۱۱۳۰
۱۰ تا ۱۵	۵۹	۵۵	۹۳۲
۱۵ تا ۲۰	۴۴	۴۴	۱۰۰۰
۲۰ تا ۲۵	۳۲	۵۷	۱۷۸۱
۲۵ تا ۳۰	۸۰	۹۷	۱۲۸۱
۳۰ تا ۳۵	۵۳	۵۴	۱۰۱۹
۳۵ تا ۴۰	۴۶	۲۵	۵۴۴
۴۰ تا ۴۵	۴۸	۴۳	۸۹۶
۴۵ تا ۵۰	۳۱	۱۱	۳۵۵
۵۰ تا ۶۰	۲۶	۲۶	۱۰۰۰
۶۰ تا ۷۰	۱۱	۱۴	۱۲۷۳
۷۰ تا ۸۰	۲	۱۱	۵۵۰۰

مندرجہ صدر اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ۲۰ تا ۲۵ سال کے بعد سے ۵۰ تا ۶۰ سال فی ہزار مرد کے مقابل عورتوں کی تعداد بالعموم گھٹتی جاتی ہے۔ ۲۰، اور ۲۵ سال کے درمیان فی ہزار مرد

---

[1] منفرق فرقوں میں مسلمان ۔ عیسائی ۔ برہمن ۔ کومٹی ۔ کلال ۔ سنار ۔ درزی وغیرہ شامل ہیں ۔

نزدی آبادی عورتوں کی تعداد ۱۰۸۷ ہے لیکن ۲۵، اور ۳۰ سال کے درمیان یہ تعداد گھٹ کر ۱۸۲ ہو جاتی ہے۔ خصوصاً ۳۵، اور ۴۰ سال کے درمیان فی ہزار مرد عورتوں کی تعداد میں غیر معمولی کمی ہو جاتی ہے اور اب وہ صرف ۵۴۴ رہ جاتی ہے۔ ۴۵ تا ۵۰ سال کے درمیان اس تعداد کا تناسب بہت ہی کم ہو جاتا ہے یعنے یہ کہ فی ہزار مرد، عورتوں کی تعداد صرف ۵۵۳ رہتی ہے۔

اس تخفیف کی اہم وجہ یہ ہے کہ آغاز شباب (۱۲ تا ۱۴ سال) کے بعد سے موضع ہذا کی عورتوں کو مختلف تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے چونکہ عام طور پر بچپن ہی میں شادی ہو جاتی ہے لہٰذا آغاز شباب کے ساتھ ہی زن و شوہر میں ازدواجی تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً نہ صرف مرد کمسنی میں باپ بن جاتے ہیں بلکہ عورتوں کو بھی کمسنی میں (۱۴ تا ۲۰ سال) ماں کا رتبہ ملجاتا ہے۔ جلد جلد زچگیوں کی وجہ سے عورتوں کے قویٰ سرعت کے ساتھ مضمحل ہونے لگتے ہیں۔ ایک طرف تو انھیں دودھ پلانا پڑتا ہے اور دوسری طرف تمام دن محنت شاقہ کرنی پڑتی ہے۔ ان دو حالتوں کی موجودگی میں قلت غذا اُن کے لئے اور مضر ثابت ہوتی ہے۔ ان ہی واقعات کی بناء پر ترقی عمر کے مدارج جوں جوں بڑھتے جاتے ہیں ایک عمر معینہ (۴۵ تا ۵۰) تک فی ہزار مرد عورتوں کی تعداد گھٹتی جاتی ہے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ۵۰ تا ۶۰ سال کے بعد سے فی ہزار مرد عورتوں کی تعداد میں پھر غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ ۶۰، اور ۷۰ سال کے درمیان فی ہزار مرد عورتوں کی تعداد ۱۲۷۳ رہی ہے۔ ۷۰، اور ۸۰ سال کے درمیان فی ہزار مرد عورتوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ عمر کے اس درجے میں فی ہزار مرد عورتوں کی تعداد ۵۵۰۰ ہے۔

اس زیادتی کی وجہ یہ ہونی چاہیئے کہ عورتوں کے آرام کا زمانہ ۴۵ سال کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے۔ امور خانہ داری سے یوں سبکدوشی ہو جاتی ہے کہ گھر کی بہو بیٹی اس کو انجام دینے لگتی ہیں۔ جہاں تک کہ مزدوری کو جانے کا تعلق ہے اس میں بھی پہلی سی پابندی باقی نہیں رہتی۔ ۵۰ سال کے بعد سے مزدوری کا کام کلیتاً بند ہو جاتا ہے۔ البتہ بچوں کی سنبھال کا کام ان کے سپرد ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس آرام کی وجہ سے ان کی شرح اموات میں کمی ہو جاتی ہے، اور اس طرح عمر کے آخری مدارج میں فی ہزار مرد عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔

تقسیم آبادی بلحاظ شادیاں وغیرہ :———— آبادی کی ایک اور تقسیم شادی بیاہ کے لحاظ سے

زرعی آبادی

کیجاسکتی ہے۔ ۱۱۵۴، افراد میں سے ۶۷۰ شادی شدہ۔ ۳۰۷ غیرشادی شدہ اور ۱۷۷ بیوہ اور بے زن ہیں۔ بالفاظ دیگر مجموعی آبادی کا لحاظ کرتے ہوئے ۵۸ فیصد افراد شادی شدہ اور ۱۵ فیصد بیوہ و بے زن ہیں۔ ذیل میں شادی شدہ اور بیوہ و بے زن افراد کا تجزیہ بلحاظ تذکیر وتانیث دیا گیا ہے :۔

	تعداد ذکور	فیصد	تعداد اناث	فیصد
۱۔ شادی شدہ	۳۴۰	۶۰٫۰	۳۳۰	۵۶٫۲
۲۔ غیرشادی شدہ	۱۶۰	۲۸٫۲	۱۴۷	۲۵٫۱
۳۔ بے زن وبیوہ	۶۷	۱۱٫۸	۱۱۰	۱۸٫۷
جملہ	۵۶۷	۱۰۰٫۰	۵۸۷	۱۰۰٫۰

ان اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ۵۶۷ ذکور میں سے ۳۴۰ یا ۶۰ فیصد اور ۵۸۷، اناث میں سے ۳۳۰ یا ۵۶٫۲ فیصد شادی شدہ ہیں۔ بالفاظ دیگر فی ہزار ذکور تقریباً ۶۰۰ شادی شدہ ہیں اور فی ہزار اناث شادی شدہ نفوس کی تعداد تقریباً ۵۸۰ ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موضع زیر بحث میں شادی بیاہ کو کس قدر عمومیت حاصل ہے۔ ذیل میں شادی شدہ ذکور و اناث کا عمروار تجزیہ پیش کیا گیا ہے جس کے ذریعہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مختلف مدارج عمر میں شادی شدہ افراد کی تعداد کیا ہے :۔

عمر	شادی شدہ ذکور کی تعداد	فیصد	شادی شدہ اناث کی تعداد	فیصد
۰ تا ۵	۳		۲	۹
۵ تا ۱۰	۷	۹	۲۷	
۱۰ تا ۱۵	۲۱		۴۱	۱۲
۱۵ تا ۲۰	۴۱	۱۲	۴۱	
۲۰ تا ۲۵	۳۳	۳۰	۴۹	۴۹
۲۵ تا ۳۰	۷۲		۷۲	
۳۰ تا ۳۵	۳۹		۴۶	

زرگری آبادی

۳۵ تا ۴۰	۳۹	۳۵	۲۳	
۴۰ تا ۴۵	۳۷		۲۲	۲۸
۴۵ تا ۵۰	۲۸		۲	
۵۰ تا ۶۰	۱۲	۱۴	۴	۲
۶۰ تا ۷۰	۸		۱	
جملہ	۲۴۰	۱۰۰	۳۲۰	۱۰۰

مندرجہ صدر اعداد سے واضح ہے کہ ۲۴۰ شادی شدہ ذکور میں سے ۹ فیصد افراد کی شادی ۱۵ سال سے کم عمر میں کیگئی ہے اسی طرح ۹ فیصد اناث کی شادیاں ۱۰ سال سے کم عمر میں کیگئی ہیں۔ بچپن اور کمسنی کی شادی سے اس میں شک نہیں کہ والدین کی آرزو پوری ہوتی ہے لیکن قرض کی بدولت ان کی حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے۔ مزید برآں آغاز شباب کے ساتھ ہی زن وشوہر میں ازدواجی تعلقات قائم ہو جانے کی بدولت ہر دو میں وقت مقررہ سے قبل آثار اضمحلال پیدا ہو جاتے ہیں خصوصاً کمسنی کی زچگیوں کی بدولت اناث کی حالت سرعت کے ساتھ خراب ہونے لگتی ہے۔

تقسیم آبادی بلحاظ پیشہ :۔۔۔۔۔ آبادی کی ایک دوسری تقسیم پیشوں کے لحاظ سے کیجاسکتی ہے پیشہ کے لحاظ سے موضع زیر بحث کے افراد کو دو طرح پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ۱۔ غیر زراعت پیشہ۔ ۲۔ زراعت پیشہ۔ اولاً ہم غیر زراعت پیشہ افراد کی تشریح کرینگے :۔

تفصیل غیر زراعت پیشہ	خاندان	فیصد بلحاظ مجموعی خاندان	نفوس	فیصد بلحاظ مجموعی آبادی
۱۔ خالص دستکار	۱۰	۴،۱	۴۵	۳،۹
۲۔ خالص ملازم سرکار	۲	۰،۸	۴	۰،۳
۳۔ خالص تجار	۲	۰،۸	۶	۰،۵
۴۔ بھیک منگے[1]	۴	۱،۶	۱۰	۰،۹
جملہ	۱۸	۷،۳	۶۵	۵،۶

---

[1] بنظر سہولت بھیک منگے خاندانوں کو غیر زراعت پیشہ میں شامل کیا گیا ہے۔

سابقہ اعداد سے واضح ہے کہ غیر زراعت پیشہ افراد ۸۱ خاندانوں یا ۵۲۶ نفوس پر مشتمل ہیں مجموعی خاندانوں کا لحاظ کرتے زرعی آبادی ہوئے غیر زراعت پیشہ خاندان ۳ء ۲۰ فیصد ہیں۔ بلحاظ مجموعی آبادی ان افراد کا فیصد صرف ۶ء ۵ ہے۔

جہانتک کہ زراعت پیشہ آبادی کا تعلق ہے مجموعی آبادی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا فیصد ۴ء۹۴ ہے۔

ذیل میں جملہ زراعت پیشہ خاندانوں کی تفصیل دیگئی ہے:-

تفصیل زراعت پیشہ	خاندان	فیصد بلحاظ مجموعی خاندان	نفوس	فیصد بلحاظ مجموعی آبادی
۱۔ خالص زراعت پیشہ	۷۱	۲۸ء۹	۲۹۰	۳۱ء۲
۲۔ اصل پیشہ زراعت ذیلی طور پر دیگر پیشے	۷۲	۲۹ء۳	۲۷۵	۴۲ء۵
۳۔ اصلی طور پر دیگر پیشے ذیلی طور پر زراعت	۴۹	۱۹ء۹	۲۲۸	۱۹ء۸
۴۔ خالص زرعی مزدور	۳۶	۱۴ء۶	۱۲۶	۱۰ء۹
جملہ	۲۲۸	۹۲ء۷	۱۰۸۹	۹۴ء۴

کارگذار و غیر کارگذار آبادی:- بلحاظ پیشہ آبادی کا تجزیہ پیش کرنے کے بعد اب ہم یہ دریافت کرینگے کہ موضع زیر بحث میں کارگذار[1] و غیر کارگذار افراد کی کیا تعداد ہے۔

کارگذار آبادی کو ہم دو طرح پر تقسیم کرینگے (الف) مذکر کارگذار آبادی (ب) مونث کارگذار آبادی۔

(الف) مذکر کارگذار آبادی کو معلوم کرنے کے لئے ہم نے ان تمام افراد خاندان کو جنکی عمر ۱۰ سال سے کم ہے غیر کارگذار قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض فرقوں میں اور خصوصاً اچھوت خاندانوں کی اکثریت میں مذکر افراد خاندان ۸ سال ہی کی عمر سے کچھ نہ کچھ کمانے لگتے ہیں لیکن ہم اس آمدنی کو نظر انداز کر دینگے۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ سب اچھوت خاندانوں کے لڑکے ۸ برس سے کمانے نہیں لگتے۔ دوسرے یہ کہ جن خاندانوں میں اس عمر کے لڑکے اگر ملازمت کرتے بھی ہیں تو ان کی ملازمت مستقل اور مسلسل نہیں ہوتی تیسرے یہ کہ اپنی محنت سے جو آمدنی کہ وہ حاصل کرتے ہیں بہت ہی قلیل ہوتی ہے جو حقیقتاً نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔

جہانتک دس اور پندرہ سال کے درمیانی عمر کے افراد کا تعلق ہے ہم نے انھیں نیم کارگذار قرار دیا ہے۔ ۱۰ / ۱۱ ورہ ۱۰ برس کے بعد اس موضع میں شاید ہی کوئی ایسا لڑکا ہو جو اپنا پورا وقت کھیل کود میں گذارے اگر دل سے نہیں تو مجبوراً والدین کے ڈر سے اپنے طفلانہ کھیلوں کو خیرباد کہہ کر کام کی طرف راغب ہونا پڑتا ہے۔ ۱۱ تا ۱۵ سال کے

[1] کسی کارگذار فرد سے ہماری مراد وہ فرد ہے جو کہ عمل پیدائش میں مشغول رہ کر کم از کم اتنی آمدنی حاصل کر سکتا ہو جو کہ اس کی بقا کے لئے عموماً کافی ہو سکے۔

ہری آبادی لڑکے عموماً جانور چراتے ہیں۔ جانور یا تو ذاتی ہوتے ہیں یا کسی مالک کے۔ جو لڑکے دوسروں کے ہاں ملازم ہوتے ہیں وہ بحیثیت مجموعی اتنی آمدنی حاصل کرتے ہیں کہ جس کے ذریعہ موجودہ معیار زندگی پر کم از کم نصف ضروریات پوری ہوسکتی ہیں۔ اس لئے ہم نے ان کو نیم کارگذار افراد میں شامل کیا ہے۔ جب کہ ان لڑکوں کو جو دوسروں کے ہاں ملازم ہیں نیم کارگذار قرار دیا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں جوان ہی کے ہم عمر لڑکوں کو جو کہ ذاتی جانور چراتے ہیں اس زمرے میں شامل نہ کیا جائے۔

۱۵ تا ۵۰ سال کے درمیان جملہ افراد کو (بہ استثنائے معذورین وگداگران) کارگذار قرار دیا گیا ہے۔ پندرہ سال کے بعد لڑکے کو اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ وہ کسب معاش میں کلی طور پر بزرگ خاندان کا ہاتھ بٹائے۔ پچاس سال کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اس عمر تک قوائے جسمانی مضمحل ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ جانداری باقی نہیں رہتی جو کہ ایک ۳۰ تا ۳۵ سالہ شخص میں پائی جاتی ہے۔

۱۵ تا ۵۰ سال کے درمیانی عمر والے افراد کو کارگذار قرار دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ افراد جنکی عمر ۵۰ سال سے تجاوز کرگئی ہے کارگذار نہیں ہیں۔ کارگذار ضرور کہلائے جاسکتے ہیں لیکن کلی معنی میں نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ۵۰ سال کے بعد اعضا سرعت کے ساتھ کمزور ہونے لگتے ہیں حتیٰ کہ ۷۰ سال بعد وہ بالکل ہی از کار رفتہ ہوجاتے ہیں اس لئے ہم نے ۵۰ اور ۶۰ سال کے درمیانی عمر والے افراد کو نیم کارگذار قرار دیا ہے۔

۶۰ اور ۶۰ سال سے زاید عمر والے افراد کو غیر کارگذار قرار دیا گیا ہے، اس لئے کہ ۶۰ سال بعد قویٰ بہت ہی مضمحل ہوجاتے ہیں اور کام کرنے کی قوت بالعموم مطلق باقی نہیں رہتی۔

مندرجہ بالا مفروضات کے تحت موضع ہذا کی ذکور کارگذار، نیم کارگذار اور غیر کارگذار آبادی حسب ذیل ہے:-

	تعداد	فیصد
۱۔ ذکور کارگذار افراد	۳۲۹	۵۸
۲۔ ذکور نیم کارگذار افراد	۸۵	۱۵
۳۔ ذکور غیر کارگذار افراد	۱۵۳	۲۷
جملہ	۵۶۷	۱۰۰

(ب) مونث کارگذار آبادی:۔۔۔۔ مذکر کارگذار آبادی کو معلوم کرنے کے بعد اب ہم مونث کارگذار آبادی کی نوعیت دریافت کرینگے۔

مونث کارگذار آبادی کو معلوم کرنے کے لئے اُن تمام بچیوں اور لڑکیوں کو غیر کارگذار قرار دیا گیا ہے

زرعی آبادی

جنکی عمر ۱۳ سال سے کم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ۸ سال سے کم عمر والی جننی بچیاں ہیں عام طور پر اپنا پورا وقت کھیل کود میں گذارتی ہیں ۸ تا ۱۳ سال کی عمر والی لڑکیاں خانہ داری کا مفید کام ضرور انجام دیتی ہیں لیکن مقامی حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ہم ان کی محنت کا اندازہ زر کی شکل میں نہیں لگا سکتے۔ تھوڑی دیر کے لئے اگر اس کا اندازہ لگا بھی لیا جائے تو جو آمدنی کہ وہ اس عمر میں حاصل کرسکتی ہیں وہ بہت ہی قلیل ہوتی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی پرورش کلیتہً ماں باپ کی کمائی پر ہوتی ہے۔ لہٰذا تیرہ سال سے کم عمر والی تمام لڑکیوں اور بچیوں کو غیر کارگذار قرار دیا گیا ہے۔

۱۳ تا ۵۴ سال کے درمیان تمام عورتوں کو (سوائے معذورین۔ نقرا اور خالص خانہ دار عورتوں کے) کارگذار قرار دیا گیا ہے۔

۵۴ تا ۶۰ سال کی درمیانی عمر والی عورتیں نیم کارگذار قرار دی گئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ناکافی خوراک۔ غیر اصولی طریقۂ رہائش کمسنی کی زچگیوں اور کثرت کار کی وجہ سے اس عمر تک ان کی قوت کارگذاری بہت کچھ کم ہو جاتی ہے۔

۶۰ سال کے بعد جملہ عورتوں کو غیر کارگذار تصور کیا گیا ہے جس کی وجہ صاف ظاہر ہے۔

مذکورہ مفروضات کے تحت موضع ہذا کی کارگذار، نیم کارگذار اور غیر کارگذار مونث آبادی کا تجزیہ حسب ذیل ہے:-

	تعداد	فیصد
۱۔ مونث کارگذار آبادی	۲۳۵	۴۰
۲۔ مونث نیم کارگذار آبادی	۱۱	۲
۳۔ مونث غیر کارگذار آبادی	۳۴۱	۵۸
جملہ	۵۸۷	۱۰۰

اس سلسلہ میں مونث اور مذکر کارگذار آبادی کا مقابلہ بھی ضروری ہے چنانچہ مندرجہ ذیل اعداد کے ذریعہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر صنف آبادی میں کتنے کارگذار، کتنے نیم کارگذار اور کس قدر غیر کارگذار افراد ہیں:-

	مذکر	فیصد	مونث	فیصد
۱۔ کارگذار افراد	۳۲۹	۵۸	۲۳۵	۴۰
۲۔ نیم کارگذار افراد	۸۵	۱۵	۱۱	۲
۳۔ غیر کارگذار افراد	۱۵۳	۲۷	۳۴۱	۵۸
جملہ	۵۶۷	۱۰۰	۵۸۷	۱۰۰

مندرجہ بالا اعداد کے تقابلی مطالعہ سے ظاہر ہے کہ مونث کارگذار آبادی کے مقابل مذکر کارگذار آبادی زیادہ ہے۔ فیصد ۵۸ مذکر کارگذار ہیں تو مونث کارگذار افراد کی تعداد ۴۰ فیصد ہے۔ گویا مذکر کارگذار آبادی کے مقابل مونث کارگذار آبادی ۱۸ فیصد کم ہے! اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ موضع ہذا میں کوئی ۱۴ فیصد عورتیں صرف خانہ داری کا کام انجام دیتی ہیں اور انھیں غیر کارگذار مونث آبادی میں شامل کیا گیا ہے۔ دیگر عورتوں کی طرح

مزروعی آبادی — اگر یہ عورتیں بھی خانہ داری کے علاوہ کھیتوں پر کام کریں تو مونث کارگذار آبادی کا فیصد ۴۳ سے بڑھ کر ۴۵ ہوجاتا۔

جہاں تک کہ نیم کارگذار مونث آبادی کا تعلق ہے وہ بھی مذکر نیم کارگذار آبادی کے مقابل کم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تیرہ سال سے کم عمر والی جملہ بچیوں اور لڑکیوں کو غیر کارگذار قرار دیا گیا ہے، حالانکہ دس سال کی عمر والے لڑکے نیم کارگذار تصور کئے گئے ہیں۔ مونث نیم کارگذار آبادی اس لئے بھی کم ہے کہ ۵۴ اور ۶۰ سال کے درمیانی عمر والی عورتوں کی تعداد کم ہے اور اسی عمر والی عورتوں کو نیم کارگذار قرار دیا گیا ہے۔

جب ہم غیر کارگذار آبادی کا مقابلہ کرتے ہیں تو اس میں مونث غیر کارگذار آبادی زیادہ نظر آتی ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ۱۳ سال سے کم عمر والی لڑکیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور یہ تمام لڑکیاں غیر کارگذار قرار دی گئی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عمر کے آخری دو درجوں میں مذکر کے مقابل مونث زیادہ ہیں جو کہ ہمارے مفروضہ کے تحت غیر کارگذار آبادی میں شامل ہیں۔

اگر بلحاظ مجموعی موضع ہذا کی کارگذار، نیم کارگذار اور غیر کارگذار آبادی کا حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ جملہ ۴۹ فیصد کارگذار، ۸ فیصد نیم کارگذار اور ۴۳ فیصد غیر کارگذار ہیں۔

اگر ہم دو نیم کارگذار افراد کو ایک کارگذار فرد کے مساوی تصور کرلیں تو موضع کی جملہ کارگذار آبادی ۵۳ فیصد اور غیر کارگذار آبادی ۴۷ فیصد ہوجاتی ہے۔

موضع زیر بحث میں کارگذار آبادی کا فیصد اس لئے زاید ہے کہ یہاں کے باشندوں کی قوت پیدا آوری بحیثیت مجموعی بہت محدود ہے۔ یہاں کا ایک کارگذار فرد زیادہ سے زیادہ اس قدر آمدنی حاصل کرسکتا ہے جو اس کی شدید ضروریات زندگی کے لئے مکتفی ہوسکے۔ قوت پیدا آوری کی تحدید افراد خاندان کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ جہاں تک ہوسکے جلد کمانے کے قابل بنیں اور حتی الامکان زیادہ سے زیادہ عمر تک کام کرتے رہیں۔

کارگذار آبادی کی اس زیادتی کی بناء پر اگر ایک طرف یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ بحیثیت مجموعی باشندوں کی قوت پیدا آوری محدود ہے تو دوسری طرف یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہاں کا معیار زندگی بحیثیت مجموعی پست ہے۔ کیوں کہ پست معیار زندگی کی ایک اہم نشانی یہ ہے کہ افراد خاندان بہت جلد کمانے کے قابل ہوتے ہیں اور اپنی کمائی سے نہایت ہی ادنیٰ معیار پر اپنا اور اپنے چند متعلقین کا پیٹ پال سکتے ہیں۔

معیار زندگی کا مسئلہ چونکہ بہت اہم ہے اس لئے اس کا مفصل حال دوسری فصل میں بیان کیا جائیگا۔

دوسری فصل

زرعی آبادی (بہ سلسلۂ سابق)

ادنیٰ معیار زندگی اور اس کا مفہوم

سابقہ فصل کے آخری پارے میں لکھا گیا ہے کہ موضع ہٰذا کے باشندوں کا معیار زندگی بہ حیثیت مجموعی ادنیٰ ہے لیکن اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس ادنیٰ معیار زندگی سے کیا مراد ہے اور اس کو جانچنے کا ہمارے ہاں کیا معیار ہے۔

ادنیٰ معیار زندگی سے ہماری مراد ایسا معیار زندگی ہے جو کہ ایک کارگذار، متمدن اور مہذب جماعت یا قوم کے شایانِ شان نہ ہو۔ پھر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وہ کونسا معیار زندگی ہے جو کہ کارگذار، متمدن اور مہذب جماعت یا قوم کے شایانِ شان ہو سکتا ہے اس قسم کے معیار سے ہماری مراد ایسا معیار رہائش ہے جس پر زندگی بسر کرنے سے وہ تمام ضروریات اور چند واجبی تعیشات پوری ہوتی ہیں جو کسی جماعت یا قوم کی قوت کارگذاری، معیار تہذیب، معیار تمدن اور معیار آرام کو بڑھانے یا برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ اسی معیار رہائش کو ایک "کارگذار معیار زندگی" کے نام سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ موضع ہٰذا کے باشندوں کا معیار زندگی بحیثیت مجموعی ادنیٰ ہے تو اس وقت ہمارا یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہاں کے باشندے ایک "کارگذار معیار رہائش" (جس کی ہم نے ابھی تعریف کی ہے) کے مقابل بہت ہی گرے ہوئے معیار پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

زرعی آبادی

معیار زندگی کو جانچنے کے ذرائع

ذیل میں ہم موضع زیر بحث کے باشندوں کی (الف) غذا (ب) لباس (ج) مکان اور (د) نوعیت تعلیم کے حالات دریافت کریں گے کیونکہ یہی چار اہم ذرایع ہیں جن کی بدولت کسی جماعت یا قوم کے معیار زندگی کو جانچا جا سکتا ہے۔

(الف) غذا:— صحت اور قوت کارگذاری کو بڑھانے یا برقرار رکھنے کے لئے متوازن قسم کی غذا کا استعمال ضروری ہے۔ "متوازن غذا" سے روزمرہ کی وہ مستعملہ غذا مراد ہے جس میں صحت اور قوت کارگذاری کو بڑھانے یا برقرار رکھنے والے جملہ اجزائے غذائیت ایک موزوں تناسب میں پائے جاتے ہیں۔ پریسیڈنسی بے بی اینڈ ہلتھ ویک اسیوسیشن" نے اپنے جاری کردہ پمفلٹ[۱] میں بتلایا ہے کہ کمترین مصارف[۲] کے ساتھ ایک شخص کی ماہانہ یا روزانہ غذا حسب ذیل جدول کے مطابق ہو سکتی ہے :—

نمبر شمار	اجناس	تفصیل اجناس	ایک شخص کی ماہانہ مقدار خوراک: پونڈ	ایک شخص کی ماہانہ مقدار خوراک: اونس	ایک شخص کی روزانہ غذا کا حساب: فی کس روزانہ مقدار خوراک (اونس)	پروٹینس (گراموں میں): اچھا	پروٹینس (گراموں میں): ٹھیک	پروٹینس (گراموں میں): کم	چربی (گراموں میں): اچھا	چربی (گراموں میں): کم	کاربوہیڈریٹ (گراموں میں)	کیلوریز
۱	چاول	صاف چاول	۳	۱۲	۲	-	۳٫۵۸	-	۰٫۲۶	-	۵۲٫۱۸	۲۲۶
		غیر صاف چاول	۷	۸	۴	-	۹٫۲۰	-	-	۰٫۴۴	۸۹٫۲۰	۳۹۶
		رائس پالشنگس	۱	۶	۰٫۷۵	-	۲٫۹۷	-	۴٫۲۰	-	-	۵۱
۲	دیگر	گیہوں، باجرا، جوار	۲۱	۴	۱۱	-	-	۳۵٫۱۱	-	۷٫۸۸	۲۳۲٫۳۷	۱۱۴۴
۳	دالیں	مسور، تور وغیرہ	۲	۴	۲٫۱	-	۴٫۵۰	-	-	۲٫۰۰	۳۲٫۴۰	۲۰۰
		ثابت چنے	۱	۸	۰٫۸	-	-	-	-	-	-	-
۴		سویا بینس	-	۱۵	۰٫۵	-	-	-	-	۱۴٫۰۰	-	۱۲۶
۵	نباتیاتی تیل	......	۱	۱۴	۱	-	۹٫۲۰	-	۴٫۲۰	-	۹٫۵۰	۱۱۲
۶	چربی جانور	......	۱	۱۴	۱	-	-	-	۲۸	-	-	۲۵۲

[۱] پمفلٹ نمبر ۸ صفحہ ۱۲ — [۲] پانچ روپیہ کلدار

نشان	اجناس	[illegible]	ایک شخص کی ماہانہ مقدار خوراک: پونڈ	ایک شخص کی ماہانہ مقدار خوراک: اونس	فی کس روزانہ مقدار خوراک: اونس	ایک شخص کی روزانہ غذا کا حساب — پروٹینس (گراموں میں): اچھا	پروٹینس: ٹھیک	پروٹینس: کم	چربی (گراموں میں): اچھا	چربی: کم	کاربوہیڈریٹ (گرامس)	کیلوریز
		گھی یا مسکہ	–	۱۵	۰٫۵	–	–	–	۱۴٫۰۰	–	–	۱۲۶
۷	دودھ	......	۷	۸	۴	۴٫۵	–	–	۸٫۷	–	۴٫۹۰	۱۲۰
۸	کھلی	ولایتی مونگ	۱۵	۰٫۵	۰٫۵	–	۶٫۶۰	–	–	۵٫۸۰	۶٫۶۰	۶۰
		ملک پوڈر	–	۱۵	۰٫۵	۴٫۸۰	–	–	۰٫۷۵	–	۷٫۲۵	۵۵
۹	غذا از قسم گوشت	گوشت مچھلی	۳	۱۲	۳٫۰	۱۴٫۹۱	–	–	۶٫۰۰	–	–	۱۲۵
۱۰	شکر	شکر یا گڑ	۲	۱۲	۱٫۵	–	–	–	–	–	۳۸٫۲۵	۱۵۰
۱۱	غذا جو کہ جڑوں یا میوے کی قسم سے ہو	پیاز یا آلو یا گاجر	۱۱	۴	۶٫۰	۱٫۹۵	–	–	۰٫۱۹	–	۱۸٫۹۰	۲
۱۲	پتے دار سبزیاں	پالک۔ گوبھی	۱۱	۴	۶٫۰	۲٫۴۰	–	–	۰٫۱۹	–	۷٫۲۰	۴۲
۱۳	مسالہ جات	مرچ۔ ادرک لہسن	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–
۱۴	نمک	......	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–

جملہ – – ۴۸٫۷۵ (۳۲٫۴۶ ۴۷٫۴۵ ۳۵٫۱۱) (۶۶٫۸۹ ۲۵) ۴۹۸٫۷۵ ۳۲۶۱

دس فی صد تخفیف برائے خرابی ۴٫۸۷ ۱۱٫۱۵ ۹٫۱۹ ۴۹٫۸۵ ۳۲۶

باقی ...... ۴۳٫۸۸ ۱۰۳٫۵۲ ۸۲٫۷۲ ۴۴۸٫۸۸ ۲۹۳۵

مندرجہ صدر تختہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اگر حسب صراحت روزانہ مختلف قسم کی اشیا بطور غذا استعمال کی جائیں تو ۱۰۳٫۵۲ گرام پروٹینس۔ ۸۲٫۷۲ گرام چربی۔ ۴۴۸٫۸۸ گرام کاربوہیڈریٹ اور ۲۹۳۵ کیلوریز حاصل ہو سکتے ہیں جن کی بدولت ضروری گرمی اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موضع ہذا کے باشندوں کو اس نوعیت کی غذا دستیاب نہیں ہوتی۔

زرعی آبادی

عام طور پر چاول استعمال کئے جاتے ہیں، اس لئے کہ چاول یہاں کی سب سے اہم پیداوار ہے۔ جوار بھی استعمال کی جاتی ہے لیکن محدود مقدار میں۔ البتہ خستہ حال خاندان بیشتر جوار و کمتر چاول استعمال کرتے ہیں۔ گیہوں کا استعمال صرف عیدین کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ گیہوں ایک قیمتی پیداوار ہے۔

دالوں میں سب سے زیادہ عمومیت اڑد کو حاصل ہے کیونکہ اور دالوں کے مقابل یہی ارزاں دال ہے۔ مونگ، چنے اور تور کا استعمال صرف چند خاندانوں تک محدود ہے۔ اس لئے کہ یہ دالیں نسبتاً گراں ہوتی ہیں۔

چاول اور جوار کی طرح یہاں کی عام استعمال کی اشیاء، نمک، مرچ، پیاز اور راملی ہیں انھیں اشیاء کے ذریعہ معمولی قسم کے ساگ سالن تیار کئے جاتے ہیں۔ ادرک اور لہسن جس کو شہری آبادی کی اکثریت ذائقہ کی افزایش کے لئے ناگزیر طور پر استعمال کرتی ہے، دیہاتی افراد کی اکثریت عیدین کے موقع پر بھی ان کا استعمال نہیں کرسکتی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں گراں ہوتی ہیں۔ مزید برآں دیہاتی ان کے استعمال کے عادی بھی نہیں ہوتے۔

سبزیوں میں جنگلی بھاجیوں کا استعمال عام ہے خصوصاً موسم باراں میں اس قسم کی سبزیاں زیادہ مقدار میں استعمال کی جاتی ہیں (واضح رہے کہ یہ سبزیاں مفت حاصل کی جاتی ہیں)، دیگر قسم کی سبزیوں (مثلاً پالک وغیرہ) کا استعمال بالکل مفقود ہے۔ اول تو یہ سبزیاں بہت کم دستیاب ہوتی ہیں۔ دوسرے ان کی قیمت بھی گراں ہوتی ہے۔ خوش حال طبقہ میں بیگن، ترئی، آلو وغیرہ کی ایک محدود مقدار استعمال کی جاتی ہے۔

انڈے۔ مرغی اور گوشت کا روزمرہ استعمال بالکل مفقود ہے۔ انڈے عام طور پر فروخت کرلئے جاتے ہیں۔ گوشت عموماً عیدین کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ خوش حال افراد ہر آٹھویں دن (جبکہ بازار لگتا ہے) گوشت کا استعمال کرتے ہیں۔ مچھلی کا استعمال عام ہے کیونکہ مچھلی مقامی طور پر ارزاں دستیاب ہوسکتی ہے۔

روغنیات میں صرف تیل استعمال کیا جاتا ہے۔ روزمرہ کی غذا میں گھی کا استعمال بالکل مفقود ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ گھی بہت ہی گراں شے ہے۔ جن لوگوں کے ہاں دودھ دینے والے جانور ہیں وہ بھی گھی فروخت کردیتے ہیں۔ چونکہ دودھ عام طور پر گھی بنانے کی خاطر دہی میں تبدیل کردیا جاتا ہے

اس لئے دودھ کا استعمال بھی محدود ہے۔ البتہ چھاچھ ضرور استعمال کی جاتی ہے۔ دیہات کے خستہ حال زرعی آبادی خاندانوں کو دہی تو کجا چھاچ بھی استعمال کے لئے نہیں ملتی (حالانکہ دیہات میں دودھ اور دہی کی بہتات ہونی چاہیئے تھی)۔

میٹھے کھانے عام طور پر عیدین کے وقت استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ کھانے عموماً گڑ سے تیار کئے جاتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس موضع کے ایک متوسط الحال دیہاتی کی غذا کا جدول پیش کریں گے جس میں بتلایا گیا ہے کہ فی ماہ مختلف قسم کے اشیا کن مقداروں میں صرف کی جاتی ہیں۔ ان اشیا کا روزانہ اوسط کیا ہے اس اوسط کا لحاظ کرتے ہوئے ایک متوسط الحال شخص کو روزانہ اوسطاً کس قدر اجزائے غذایت حاصل ہوتے ہیں:۔

نشان	اقسام اشیا	ماہانہ مقداریں		اوسط مقدار روزانہ			ایک متوسط الحال دیہاتی کی روزانہ غذا اور اس کے اجزائے غذایت				
		سیر	چھٹانک	چھٹانک	تولہ	ماشہ	وزن (اونس)	پروٹینس (گرامس)	چربی (گرامس)	کاربوہیڈریٹ (گرامس)	کیلوریز
۱	چاول	۳۰	–	۱	۱۴	–	۱۶	۳۸٫۵۵	۳٫۶۹	۳۵۲٫۰۸	۱۵۷۰٫۵۲
۲	جوار	۱۵	–	–	۹	۳	۸	۲۳٫۵۶	۹٫۲۹	۱۸۰٫۳۰	۸۰۸٫۷۰
۳	دال اڑد	۱	۱۴	–	۲	–	۱	۰۶٫۸۲	۰٫۳۶	۱۷٫۱۵	۱۱۸٫۱۷
۴	دہی	–	۱۵	–	–	۸	۰٫۵	۰٫۱۱	۰٫۱۵	۰٫۱۹	۲٫۶۵
۵	چھاچ	۱	۱۴	–	–	۴	۱٫۰	۰٫۷۹	۰٫۸۳	۱٫۵۰	۱۲٫۷۸
۶	مچھلی	۱	۱۴	–	۱	۱۰	۱٫۰	۶٫۱۰	۰٫۴۶	–	۲۸٫۵۷
۷	سبزیاں	۱	۱۴	مفت			۱٫۰	۱٫۷۳	۰٫۲۹	۴٫۵۴	۲۷٫۷۷
۸	مرچ	۱	۱۴	–	۵	۴	۱٫۰	۴٫۵۴	۱٫۷۶	۸٫۹۴	۶۹٫۵۹
۹	املی	۱	۱۴	–	۱	۷	۱٫۰	۰٫۸۵	۰٫۰۴	۱۹٫۱۷	۸۰٫۳۷
۱۰	پیاز	۳	۱۲	–	۲	۴	۲٫۰	۱٫۲۰	۰٫۰۴	۷٫۵۲	۳۴٫۵۰
۱۱	تیل	۱	۱۴	–	۵	۴	۱٫۰	–	–	–	–
۱۲	نمک	۱	۱۴	–	۲	–	۱٫۰	–	–	–	–
	جملہ	۶۲	۱۳	۳	۱۲	۸	۳۳٫۵	۸۴٫۰۷	۱۶٫۹۱	۵۹۱٫۳۹	۲۷۶۴٫۹۲
	دس فی صد کمی برائے خرابی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔						۳٫۵	۸٫۴۱	۱٫۷۰	۵۹٫۱۴	۲۷۶٫۵۰
	باقی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔						۳۰٫۰	۷۵٫۶۶	۱۵٫۲۱	۵۳۲٫۲۵	۲۴۸۸٫۴۲

زرعی آبادی

مندرجہ بالا تجزیہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ توازنی نقطۂ نظر سے ایک شخص کو جس قدر مقدار غذا ملنی چاہیئے وہ موضع ہذا کے متوسط الحال افراد کو نہیں ملتی چنانچہ ذیل کے تقابلی مطالعہ سے یہ امر بخوبی واضح ہوجائے گا:۔

تفصیل	مقدار غذا	پروٹینس	چربی	کاربوہیڈریٹ	کیلوریز
معیاری غذا جوکہ روزانہ ملنی چاہیئے	۴۳٫۸۸	۱۰۳٫۵۲	۸۲٫۷۲	۴۴۸٫۸۸	۲۹۳۵
وہ غذا جو روزانہ ملتی ہے	۳۰٫۰	۷۵٫۶۶	۱۵٫۲۱	۵۳۲٫۲۵	۲۴۸۸
معیاری غذا کے مقابل مستعملہ غذا کی کمی	(-)	(-)	(-)	(+)	(-)
(-) یا زیادتی (+)	۱۳٫۸۸	۲۷٫۸۶	۶۷٫۵۱	۸۳٫۳۷	۴۴۷

ان اعداد کے دیکھنے سے واضح ہے کہ ایک شخص کی روزانہ معیاری غذا کی مقدار ۴۳٫۸۸ اونس قرار دی گئی ہے لیکن وہ صرف (۳۰٫۰) اونس یا تقریباً ۳۲ فی صد کم ہے اسی طرح کاربوہیڈریٹ کے سوائے دیگر تمام اجزائے غذائیت کم مقداروں میں حاصل ہوتے ہیں۔

پروٹینس جن کو غالباً تمام اجزائے غذائیت میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے تقریباً ۲۷ فی صد کم ملتی ہے۔ چربی جس میں اہم حیاتین (وٹامنس) پائے جاتے ہیں تقریباً ۸۲ فی صد کم ملتی ہے۔ مانا کہ مستعملہ تیل کا حساب (اعداد نہ ملنے کی وجہ سے) نہیں لگایا گیا ہے لیکن اس کے باوجود چربی کی غیر معمولی کمی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کاربوہیڈریٹ (جس کی وجہ سے جسم کو قوت حاصل ہوتی ہے) اس میں شک نہیں کہ تقریباً ۱۹ فی صد زاید مقدار میں ملتا ہے لیکن زیادتی کی بنا پر غذا غیر متوازن ہوجاتی ہے۔ جہاں تک کہ کیلوریز کا تعلق ہے وہ بھی معیاری مقدار کے مقابل ۱۵ فی صد کم ملتے ہیں۔ کیلوریز کی کمی سے جسم کو کافی گرمی نہیں ملتی اور انسان سست و کاہل رہتا ہے۔

اس تشریح کے بعد اب ہم یہ رائے قائم کرسکتے ہیں کہ موضع ہذا کے متوسط الحال خاندانوں (جوکہ جملہ خاندانوں کا لحاظ کرتے ہوئے ۵۰ فی صد ہیں) کے افراد کو اس میں شک نہیں کہ پیٹ بھر غذا

دیہی آبادی

ضرور ملتی ہے لیکن معیاری نقطہ نظر سے وہ ایک صحت بخش غذا نہیں ۔

متوسط الحال خاندانوں کے علاوہ ۶۰ فی صد خاندان ایسے ہیں جن کو مقامی حالات کا لحاظ کرتے ہوئے خوش حال کہا جا سکتا ہے ۔ باقی ۳۷ فی صد خاندان خستہ حال ہیں ۔ یعنے یہ کہ ان کی معاشی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ ہے ۔

خوش حال خاندانوں میں متوسط الحال خاندانوں کے مقابل کسی قدر اچھی غذا استعمال کی جاتی ہے ۔ مچھلی زائد مقدار میں صرف کی جاتی ہے ۔ دہی کا استعمال بھی زیادہ ہوتا ہے ۔ ہر آٹھویں دن (جبکہ بازار لگتا ہے) عموماً گوشت بھی استعمال کیا جاتا ہے ۔ اڑد کے علاوہ دال مونگ اور تور بھی استعمال کیے جاتے ہیں ۔ ذیل کی جدول میں ایک خوش حال شخص کی غذا کا ماہانہ حساب پیش کرتے ہوئے بتلایا گیا ہے کہ روزآنہ مقدار غذا کا اوسط کیا ہے ۔ معیاری غذا کے مقابل اس غذا کا کیا حال ہے :-

نمبر	اجناس	ماہانہ مقداریں: پونڈ	اونس	قیمت: روپیہ	آنے	پائی	ایک خوش حال دیہاتی کی روزانہ غذا اور اس کے اجزائے غذایت: فی کس روزانہ اوسط مقدار غذا	پروٹینس (گرامس)	چربی (گرامس)	کاربوہیڈریٹ (گرامس)	کیلوریز
۱	چاول	۳۰	-	۱	۱۴	-	۱۶	۳۸،۵۵	۳،۶۹	۳۵۲،۰۸	۱۵۷۸،۵۲
۲	جوار	۱۵	-	-	۹	۳	۸	۲۳،۵۶	۹،۲۹	۱۸۰،۳۰	۸۰۸،۰۰
۳	دال اڑد وغیرہ	۳	۱۲	-	۴	-	۲	۱۳،۶۴	۰،۷۲	۳۴،۳۰	۲۳۶،۳۴
۴	دہی	۳	۱۲	-	۲	۸	۲	۰۰،۴۴	۰،۶۰	۰۰،۷۶	۱۰،۶۰
۵	چھاچ	۱	۱۴	-	-	۴	۱،۰	۰۰،۷۹	۰،۸۳	۰۱،۵۰	۱۶،۷۸
۶	مچھلی	۳	۱۲	-	۲	۸	۲	۱۲،۲۰	۰،۹۲	-	۵۷،۱۴
۷	گوشت	-	۸	-	۱	۸	،۲۶	۸،۲۳	۷،۳۸	-	۸،۵۸
۸	سبزیاں	۱	۱۴	-	۱	-	۱،۰۰	۱،۷۳	۰،۲۹	۴،۵۴	۲۷،۷۷
۹	مرچ	۱	۱۴	-	۵	۴	۱،۰	۴،۵۴	۱،۷۶	۸،۹۴	۶۹،۵۹
۱۰	املی	۱	۱۴	-	۱	۷	۱،۰	۰،۸۵	۰،۰۴	۱۹،۱۷	۸۰،۳۷
۱۱	پیاز	۳	۱۲	-	۲	۴	۲،۰	۱،۲۰	۰،۰۴	۷،۵۲	۳۴،۵۰
۱۲	تیل	۱	۱۴	-	۵	۴	۱،۰	=	=	=	=
۱۳	نمک	۱	۱۴	-	۲	-	۱،۰	-	-	-	-
	جملہ ..	۷۱	۱۲	۴	۴	۲	۳۸،۲۶	۱۰۵،۷۳	۲۵،۵۶	۶۰۹،۱۱	۲۹۳۶،۷۷
	دس فی صد کمی برائے خرابی						۳،۸۳	۱۰،۵۸	۲،۵۶	۶۰،۹۲	۲۹۳،۶۸
	وہ غذا جو روزانہ ملنی چاہیئے						۳۴،۴۳	۹۵،۱۵	۲۳،۰۰	۵۴۸،۱۹	۲۶۴۳،۰۹
	معیاری غذا جو ملنی چاہیئے						۴۳،۸۸	۱۰۳،۵۲	۸۲،۷۲	۲۴۸،۸۸	۲۹۳۵،۰۰
	مستقلہ غذا کی کمی (-) یا زیادتی (+)						۹،۴۵ (-)	۸،۳۷ (-)	۵۹،۷۲ (+)	۹۹،۳۱ (+)	۲۹۱،۹۱ (-)

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ خوش حال خاندانوں کی غذا بھی معیاری غذا کے مطابق نہیں۔ ہمارے معیار کے مطابق فی کس روزانہ تقریباً ۴۴ ۱ونس غذا ملنی چاہیئے لیکن صرف ۳۴ ۱ونس ملتی ہے۔ گویا روزانہ تقریباً (۱۰) اونس کم غذا ملتی ہے۔ اس لحاظ سے پروٹینس۔ چربی اور کیلوریز کی مقداریں بھی کم ہیں۔ مانا کہ کاربوہیڈریٹ معیار سے زائد مقداریں ملتا ہے لیکن اس کی وجہ سے غذا کی نوعیت اور زیادہ غیر متوازن ہو جاتی ہے۔

متوسط الحال اور خوش حال اشخاص کی غذا کا حساب پیش کرنے کے بعد اب ہم ایک خستہ حال شخص کی غذا کا حال معلوم کریں گے:۔

نمبر	اجناس مستعملہ	ماہانہ مقداریں: پونڈ	اونس	قیمت: روپیہ	آنے	پائی	روزانہ مقدار: فی کس روزانہ اوسط مقدار خوراک	پروٹینس (گرامس)	چربی (گرامس)	کاربوہیڈریٹ (گرامس)	کیلوریز
۱	چاول	۷	۸	-	۷	۶	۴	۹٫۶۲	۰۰٫۹۲	۸۸٫۰۲	۳۹۴٫۶۵
۲	جوار	۳۰	-	۱	۲	۵	۱۶	۴۷٫۱۲	۱۸٫۵۸	۳۶۰٫۶۰	۱۶۱۶٫۰۰
۳	دال	—	۱۵	-	۱	-	۰٫۵	۳٫۴۱	۰٫۱۸	۸٫۵۷	۵۴٫۰۸
۴	مچھلی[۱]	۳	۱۲	-	۱	۶	۲٫۰	۱۲٫۲۰	۰٫۹۲	-	۵۷٫۱۴
۵	سبزیاں[۲]	۱	۱۴	مفت			۱٫۰	۱٫۷۳	٫۲۹	۴٫۵۴	۲۷٫۷۷
۶	مرچ	۱	۱۴	-	۵	۴	۱	۴٫۵۴	۱٫۷۶	۸٫۹۴	۶۹٫۵۹
۷	املی	۱	۱۴	-	۱	۷	۱	۰٫۸۵	۰٫۰۴	۱۹٫۱۷	۸۰٫۳۷
۸	پیاز	۳	۱۲	-	۲	۴	۲	۱٫۲۰	۰٫۰۴	۷٫۵۲	۳۴٫۵۰
۹	تیل	۱	۱۴	-	۵	۴	۱	-	-	-	-
۱۰	نمک	۱	۱۴	-	۲	-	۱	-	-	-	-
	جملہ			۲	۱٫۳۰ ...		۲۹٫۵	۸۰٫۶۸	۲۲٫۷۳	۴۹۷٫۳۶	۲۳۳۴٫۱۰
	دس فی صد کمی برائے خرابی						۳٫۰	۸٫۰۷	۲٫۲۸	۴۹٫۷۴	۲۳۳٫۴۱
	وہ غذا جو روزانہ ملتی ہے						۲۶٫۵	۷۲٫۶۱	۲۰٫۴۵	۴۴۷٫۶۲	۲۱۰۰٫۶۹
	معیاری غذا جو ملنی چاہیئے						۴۳٫۸۸	۱۰۳٫۵۲	۸۲٫۷۲	۴۴۸٫۸۸	۲۹۳۵٫۰۰
	مستعملہ غذا کی کمی (–) یا زیادتی (+) ..						۱۷٫۳۸ (–)	۳۰٫۹۱ (–)	۶۲٫۲۷ (–)	۰٫۶۵ (–)	۸۳۴٫۳۱ (–)

[۱] مچھلی ہاتھ سے پکڑ کر بھی صرف کی جاتی ہے۔

[۲] جنگلی سبزیاں مثلاً لوٹی۔ ماٹ۔ پن گنٹہ وغیرہ مفت حاصل ہوتی ہیں۔ (نوٹ: مختلف اجناس مستعملہ میں اجزائے غذائیت پروٹینس وغیرہ کو معلوم کرنے کے لئے ان فی صدوں سے مدد لی گئی ہے جو کہ پمفلٹ ۸ جاری کردہ ٹی۔بی ایڈ ہلتھ وبک اسوسیشن“ اور ”ہلتھ بلوٹن“ ۲۳ گورنمنٹ آف انڈیا پریس میں دئے گئے ہیں۔

سابقہ صفحہ کے دیئے ہوئے اعداد کے دیکھنے سے واضح ہے کہ چاول کے مقابل جوار کا صرفہ زیادہ ہے۔ زرعی آبادی وجہ یہ ہے کہ غریب افراد کے ہاں اگر چاول ہوں تو وہ انھیں فروخت کرکے جوار خریدتے ہیں کیونکہ جوار نسبتاً ارزاں ہوتی ہے۔ قوت خرید کی کمی کی وجہ سے دال بھی نسبتاً کم صرف کی جاتی ہے۔ البتہ مچھلی زیادہ استعمال کی جاتی ہے۔ یہ مچھلی زیادہ تر لوگ خود نالابوں سے پکڑ لاتے ہیں۔

جہاں تک کہ مقدار غذا کا تعلق ہے وہ معیاری غذا کے مقابل ۳ء۱۷ اونس کم ہے۔ اسی لحاظ سے مختلف اجزائے غذائیت بھی کم پائے جاتے ہیں۔ متوسط الحال اور خوش حال اشخاص کی غذاؤں کے جدول میں ہم نے یہ دیکھا تھا کہ معیاری مقدار کے مقابل کاربوہیڈریت کی مقدار زیادہ تھی لیکن یہاں کاربوہیڈریٹ کی مقدار بھی معیاری مقدار کے مقابل ۶۵ گرامس کم ہے۔

جب ہم بحیثیت مجموعی خوش حال، متوسط الحال اور خستہ حال افراد کی غذاؤں کی نوعیت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ متذکرہ تین طبقوں کے افراد میں سے ایک کی غذا بھی ہمارے معیار کے مطابق نہیں۔ سب کی غذا غیر متوازن ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کسی کی کم غیر متوازن کسی کی زیادہ غیر متوازن تو کسی کی بہت غیر متوازن ہے۔ ذیل کے اعداد کے ذریعہ بتلایا گیا ہے کہ ایک خوش حال، متوسط الحال اور خستہ حال شخص کی غذا معیاری غذا کے مقابل کتنے فی صد کم ہے:۔

صراحت اشخاص	معیاری غذائی مقدار کے مقابل روزانہ مستعملہ اوسط غذا کی کمی (-) یا زیادتی (+)	روزانہ اوسط غذا میں پروٹینس کی کمی (-) یا زیادتی (+)	روزانہ اوسط غذا میں چربی کی کمی (-) یا زیادتی (+)	روزانہ اوسط غذا میں کاربوہیڈریٹ کی کمی (-) یا زیادتی (+)	روزانہ اوسط غذا میں کیلوریز کی کمی (-) یا زیادتی (+)
خوش حال	۲۰ فی صد (-)	۸ فی صد (-)	۷۱ فی صد (-)	۲۲ فی صد (+)	۱۰ فی صد (-)
متوسط الحال	۳۲ ″ (-)	۲۷ ″ (-)	۸۱ ″ (-)	۱۸ ″ (+)	۱۵ ″ (-)
خستہ حال	۳۶ ″ (-)	۳۰ ″ (-)	۷۵ ″ (-)	۱۴ ″ (-)	۲۸ ″ (-)

مندرجہ بالا اعداد کا بغور مطالعہ کرنے سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:۔

بی آبادی ۱۔ معیاری مقدار غذا (۸۸ د ۳۴) اونس کے مقابل ہر سہ اشخاص کی مستعملہ غذا کم ہے۔

۲۔ مقدار غذا اور ماہیت اجناس کا لحاظ کرتے ہوئے تمام اشخاص کو پروٹینس کی کم مقدار حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ ہر سہ اشخاص کو چربی کی بہت کم مقدار حاصل ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر تیل کے اعداد (جو کہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے جمع نہیں کئے گئے ہیں) جمع کرلئے جائیں تو چربی کی کمی میں کچھ تلافی ہوگی لیکن اس کے باوجود اس کی غیر معمولی کمی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا خصوصاً متوسط الحال افراد سے بھی کم چربی ملتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خستہ حال افراد بذات خود مچھلی پکڑ کر نسبتاً زیادہ مقدار میں صرف کرتے ہیں اور مچھلی میں چربی کا جزو نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ خستہ حال افراد متوسط الحال اشخاص کے مقابل جوار بہت زیادہ صرف کرتے ہیں اور جوار میں چاول کے مقابل چربی کا جزو زیادہ ہوتا ہے۔

۴۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ خوش حال اور متوسط الحال افراد کو مقدار مقررہ سے زیادہ کاربوہیڈریٹ ملتی ہے۔ برعکس اس کے خستہ حال افراد کو مقدار معینہ سے کم ملتی ہے لیکن ہر دو حالتوں میں غذا غیر متوازن ہوجاتی ہے۔

۵۔ کیلوریز سب اشخاص کو کم مقدار میں ملتے ہیں خصوصاً خستہ حال افراد کو ان کی سب سے کم مقدار ملتی ہے۔

بہ حیثیت مجموعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ موضع کے خوش حال افراد ہوں یا متوسط الحال یا خستہ حال افراد کسی کی غذا متوازن نہیں۔ گو کہ متوسط الحال اور خوش حال افراد کو (جو کہ مجموعی خاندانوں کا لحاظ کرتے ہوئے ۶۳ فی صد ہیں) پیٹ بھر غذا ملتی ہے۔ تاہم یہ غذا ایسی نہیں جو کہ صحت اور قوت کارگذاری کو بڑھا سکتی یا برقرار رکھ سکتی ہے۔ جہاں تک کہ خستہ حال خاندانوں (جو کہ مجموعی خاندانوں کا لحاظ کرتے ہوئے ۳۷ فی صد ہیں) کا تعلق ہے انھیں نہ صرف کم پیٹ غذا ملتی ہے بلکہ نسبتاً زیادہ غیر صحت بخش بھی۔

(ب) لباس :۔ غذا کا مفصل حال معلوم کرنے کے بعد اب ہم یہ دریافت کریں گے کہ موضع ہذا میں عام طور پر کس قسم کا لباس پہنا جاتا ہے کس قدر خاندانوں کو کافی لباس میسر ہے اور کتنے خاندان نیم پوش زندگی بسر کررہے ہیں۔

جہاں تک کہ اقسام لباس کا تعلق ہے مرد عام طور پر دھوتی قمیص۔ نیم آستین شملہ اور کمبل زرعی آباد: استعمال کرتے ہیں۔ چپل کا استعمال بہت محدود ہے۔ عورتیں سوائے ساڑی اور چولی کے کوئی دوسرا لباس استعمال نہیں کرتیں۔

خوش حال خاندانوں (جوکہ ۶ فی صد ہیں) کے مرد اور عورت حسب صراحت ذیل سالانہ لباس استعمال کرتے ہیں:-

نمبر	مرد							نمبر	عورت							کیفیت
	قسم لباس	تعداد	قیمت فی عدد		جملہ قیمت				قسم لباس	تعداد	قیمت فی عدد		جملہ قیمت			
			روپیہ	آنے	روپیہ	آنے					روپیہ	آنے	روپیہ	آنے		
۱	دھوتی	۲	۲	۸	۳	-		۱	ساڑی	۲	۲	۸	۵	-		
۲	قمیص	۲	-	۱۰	۱	۴		۲	چولی	۴	-	۴	۱	-		
۳	کپچہ	۱	۱	۸	۱	۸										
۴	شملہ	۱	۱	۱۲	۱	۱۲										
۵	کمبل[1]	۱	۳	-	۱	۸										
۶	چپل[2]	۱	۹	-	-	۸										
جملہ					۹	۸		جملہ					۶	-		

جب کہ دیہات کے خوش حال مرد اور عورت اپنے لباس پر سالانہ ۹ روپیہ آٹھ آنے اور

[1] ایک کمبل عام طور پر ۲ سال استعمال کی جاتی ہے۔

[2] چپل عموماً ۲ سال پہنی جاتی ہے، یہ دو سال اس لئے چلتی ہے کہ اس کو صرف بیرون دیہات دیگر مقامات کو جاتے وقت استعمال کیا جاتا ہے اس لحاظ سے کمبل اور چپل کے ایک سالہ استعمال کا معاوضہ علی الترتیب ایک روپیہ آٹھ آنے اور آٹھ آنے رکھا گیا ہے۔

آبادی ۲ روپیہ سے زائد نہیں صرف کر سکتے تو اس سے متوسط اور خستہ حال افراد کے سالانہ اخراجات لباس[۲] کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ذیل میں بتلایا گیا ہے کہ خستہ حال اور متوسط الحال خاندانوں میں مرد اور عورت اپنے لباس پر سالانہ کس قدر روپیہ صرف کرتے ہیں :۔

۱۔ متوسط الحال خاندان	مرد	۷ روپیہ ۸ آنے
	عورت	۴ " ۱۲ "
۲۔ خستہ حال خاندان	مرد	۵ " -
	عورت	۳ " ۱۲ "

خوش حال اور متوسط الحال افراد کے اخراجات لباس میں فرق صرف اس لئے ہے کہ اول الذکر خاندانوں کے افراد نسبتاً بڑھیا قسم کا کپڑا استعمال کرتے ہیں۔ مزید برآں متوسط الحال خاندانوں کے مرد افراد نہ تو کپچہ استعمال کرتے ہیں اور نہ چپل۔ یہ لوگ قمیص کی بجائے نیم آستین استعمال کرتے ہیں جو کہ نسبتاً کم قیمت میں ملتی ہے۔ متوسط الحال اور خستہ حال افراد کے اخراجات لباس میں فرق کا ایک سبب قیمتوں کی زیادتی اور کمی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ خستہ حال خاندانوں کے مذکر افراد عام طور پر نیم پوش زندگی گذارتے ہیں[۱] یعنے یہ لوگ صرف دھوتی، شملہ اور کمبل کا استعمال کرتے ہیں ان کے اخراجات لباس میں نیم آستین کی قیمت درج نہیں۔

بہ حیثیت مجموعی یہاں کے باشندوں کے لباس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۳۱ فی صد خاندانوں کے افراد کو نہایت ہی ادنیٰ معیار پر تن بھر کپڑا میسر ہے۔ باقی ۶۹ فی صد خاندانوں کے افراد نیم پوش زندگی بسر کرتے ہیں جس کو ایک مہذب اور متمدن جماعت یا قوم کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔

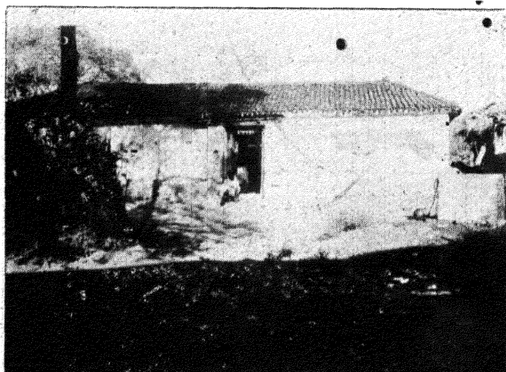
(ج) مکان :۔ کسی جماعت یا قوم کے معیار زندگی کو اگر ایک طرف غذا اور لباس کے ذریعہ جانچا جا سکتا ہے تو دوسری طرف اس کو جانچنے کا ایک اہم ذریعہ مکان بھی ہے چنانچہ اب ہم باشندگان موضع ہذا کے مکانات کی نوعیت پر مفصل روشنی ڈالیں گے۔

---

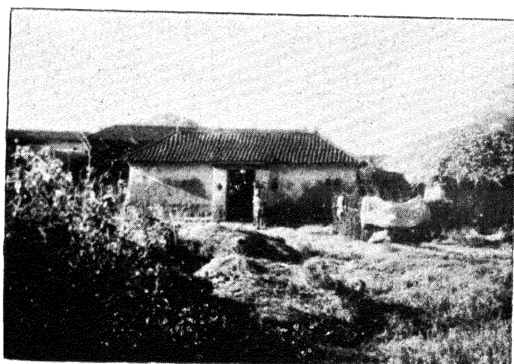
[۱] ۵۷ فی صد متوسط الحال خاندانوں کے منجملہ ۳۲ فی صد خاندان ایسے ہیں جنھیں پیٹ بھر غذا تو میسر ہے لیکن تن بھر لباس میسر نہیں۔ لہذا یہ لوگ خستہ حال کی طرح نیم پوش زندگی بسر کرتے ہیں۔



(۳) دومنزلہ مکان



(۴) ایک منزلہ مکان



(۵) ایک کمرہ والا مکان



(۶) جھونپڑا

دیہات کے بعض (۳ فی صد) خوش حال خاندان دومنزلہ سفالی مکانات میں رہتے ہیں اور زرعی آبادی بعض (۳ فی صد) یک منزلہ سفالی مکانات[1] میں رہتے ہیں جملہ متوسط الحال خاندان (جو مجموعی خاندانوں کا لحاظ کرتے ہوئے ۷۰ فی صد ہیں) یک منزلہ سفالی مکانات میں اور خستہ حال خاندان (۲۷ فی صد) زیادہ تر جھونپڑیوں میں رہتے ہیں جن کو گھاس پوش مکانوں کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بلحاظ ساخت موضع زیر بحث کے جملہ مکانات کا تجزیہ درج ذیل ہے:-

نوعیت مکان	تعداد		فی صد بلحاظ مجموعی مکانات
۱۔ گھاس پوش مکانات (جھونپڑیاں)	۸۳		۳۴
۲۔ یک منزلہ سفالی مکانات ۔			
(الف) ایک کمرے والے "	۷۳		۳۰
(ب) ایک سے زائد کمرے والے "	۷۹	(تقریباً)	۳۴
۳۔ دومنزلہ سفالی مکانات	۷		۲
جملہ	۲۴۲[2]		۱۰۰

باشندگان موضع ہذا کی غربت اور ان کے ادنیٰ معیار رہائش کا اندازہ اس امر سے بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں ۶۴ فی صد (۳۴ فی صد جمع ۳۰ فی صد) مکانات صرف ایک ایک کمرے پر مشتمل ہیں۔ جملہ (صرف ایک استثناء کے ساتھ) مکانات خواہ وہ ایک منزلہ ہوں یا دومنزلہ سفال پوش ہوں یا گھاس پوش مٹی سے بنے ہوئے ہیں مستعملہ چوبینہ بھی بہت ادنیٰ اور معمولی ہوتا ہے۔ ذاتی مشاہدے اور مقدمان دیہی کی مدد سے ہم نے موضع ہذا کے جملہ مکانات کی قیمتوں کا ایک جدول مرتب کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے:-

نوعیت مکان	تعداد	فی صد
۱۔ وہ مکانات جن کی قیمت ۱۵/ اور ۱۰۰ روپیہ کے درمیان ہے	۱۵۲	۶۴

---

[1] یک منزلہ سفالی مکانات دو طرح پر تقسیم کئے گئے ہیں۔ ایک وہ جو صرف ایک کمرے پر مشتمل ہیں۔ دوسرے وہ جن میں ایک سے زائد کمرے ہیں۔ دیکھئے تصاویر ۳، ۴، ۵ اور ۶۔

[2] ۲۴۲ مکانات میں سے ۸ مکانات خالی ہیں اس طرح ۲۳۴ مکانات ۲۴۶ خاندان بستے ہیں۔

زرعی آبادی

نوعیت مکان	تعداد	فی صد
۲۔ وہ مکانات جن کی قیمت ۱۰۱ اور ۵۰۰ روپیہ کے درمیان ہے۔	۷۹	۳۳
۳۔ وہ مکانات جن کی قیمت ۵۰۱ اور ۱۰۰۰ روپیہ کے درمیان ہے۔	۵	۲
۴۔ وہ مکانات جن کی قیمت ۱۰۰۰ سے زائد ہے۔	۲	تقریباً ۱
جملہ	۲۴۲	۱۰۰

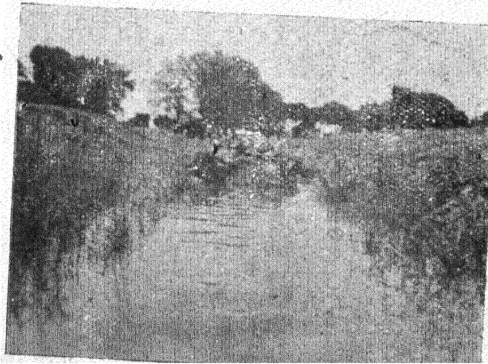
مندرجہ بالا اعداد سے بھی موضع ہذا کے باشندوں کی غربت کا ثبوت ملتا ہے۔ ۶۴ فی صد مکانات کی قیمت (۱۵) اور ۱۰۰ روپیہ کے درمیان ہے۔ ۳۲ فی صد کی قیمت (۱۰۱) اور ۵۰۰ کے درمیان ہے۔ صرف ۲ فی صد مکانات کی قیمت (۵۰۰) اور ۱۰۰۰ کے درمیان ہے۔ ایک فی صد مکانات زائد از ہزار قیمت والے ہیں۔ زائد از ہزار قیمت والے مکانات میں ایک مکان کی قیمت تقریباً ڈھائی ہزار ہے، اور دوسرے کی پانچ ہزار۔

مکانات کی قیمتوں سے کہیں زیادہ اہم مسئلہ ان کی صفائی اور حفظانی حالت کا ہے۔ جس طرح صحت بخش غذا اور ضروری لباس کارگذاری کو بڑھانے یا برقرار رکھنے کے لئے ناگزیر ہیں اسی طرح صاف اور صحت بخش مکانات کے بغیر بھی معیار کارگذاری برقرار نہیں رہ سکتا۔ صحت بخش مکانات سے ہماری مراد ایسے مکانات ہیں جن میں ہوا، روشنی اور صفائی کا باضابطہ انتظام ہو اور جو اس قدر وسیع ہوں کہ ان میں جملہ ارکین خاندان اپنی خاص خاص احتیاجات کا لحاظ کرتے ہوئے آرام کے ساتھ رہ سکیں۔

جب ہم موضع ہذا کے مکانات کو متذکرہ معیار پر جانچتے ہیں تو ایک بھی مکان ایسا نظر نہیں آتا جس میں مذکورہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہوں۔ صرف ۴ فی صد مکانات میں برائے نام روشن دان ہیں باقی ۹۶ فی صد مکانات میں ایک بھی روشن دان نہیں۔ صحن عام طور پر متناسب نہیں ہوتے۔ بعض مکانات کے صحن تو اس قدر مختصر ہوتے ہیں کہ اندرونی حصہ سے سورج کو بہ مشکل دیکھا جا سکتا ہے۔ موضع کے کسی مکان میں رفع حاجت کا کوئی انتظام نہیں۔ دن کے وقت تو لوگ دُور دُور تک نکل جاتے ہیں لیکن رات میں مکانات کے اردگرد ہی حاجت رفع کر لی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص علی الصباح آبادی کا چکر لگائے تو اُس کو تقریباً ہر گلی میں جابجا غلاظت نظر آئے گی جو کہ پست معیار زندگی کی



مکان کی پشت پر اپلیاں تھپی ہیں
سامنے کھاد کا گڑھا بھی ہے



نالے میں مویشی بیٹھے ہیں۔ اس نالے کا پانی
پینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے

ایک نمایاں علامت ہے۔ تقریباً تمام مکانات میں کھلی موریاں ہیں جن میں عام طور پر کیچڑ بھرا رہتا ہے۔ زرعی آبادی خصوصاً موسم باراں میں صحنوں کی حالت بہت ہی خراب ہو جاتی ہے۔ اکثر کسان اپنے مویشیوں کو مکانات کے اندر باندھتے ہیں جس کی وجہ سے مکانات بہت ہی بدبودار رہتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ عام طور پر مکانات کی پشت پر اُپلے تھوپے جاتے ہیں۔ کھاد بھی مکانات کے سامنے جمع کی جاتی ہے۔ دعام اور عام طور پر اس نالے کا پانی استعمال کیا جاتا ہے جس میں مویشی بیٹھتے ہیں [2]

(د) تعلیم:۔ مکانات کی تفصیلی کیفیت دریافت کرنے کے بعد اب ہم یہاں کے معیار تعلیم کا حال بیان کریں گے۔ تعلیم کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر جس قدر زور دیا جائے کم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صحت بخش غذا، لباس اور مکان کارکردگی کے ناگزیر لوازم ہیں لیکن یہ امر بخوبی واضح رہنا چاہیئے کہ کارکردگی کے لئے تعلیم بھی ایسی ہی اہم اور ضروری ہے جیسے کہ صحت بخش غذا، لباس اور مکان۔ بالخصوص تہذیب و شائستگی کے نقطہ نظر سے تعلیم کی اہمیت بہت ہی نمایاں ہے۔

اس اہمیت کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیمی نقطہ نظر سے موضع زیر بحث کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ صرف ۲ فی صد افراد تھوڑا بہت پڑھ لکھ سکتے ہیں۔ نیز ضروری حساب و کتاب اور سرکاری مراسلت بھی کر سکتے ہیں۔ دیگر ۳ فی صد افراد خانگی طور پر زیر تعلیم ہیں۔ جہاں تک کہ حرفتی تعلیم کا تعلق ہے وہ بالکل ہی مفقود ہے۔ کاشتکاری کا کام لڑکے اپنے بزرگوں سے سیکھ لیتے ہیں۔

جس مقام کے باشندے غذا، لباس، مکان اور تعلیم جیسی اہم اور شدید ضروریات کو (جو کسی جماعت کی کارگذاری کو بڑھانے اور برقرار رکھنے کے لئے لازم و ملزوم ہیں) بھی ایک معقول معیار پر پورا نہیں کر سکتے ہوں تو پھر ان کو دیگر ضروریات مثلاً ضروریات رسمی اور ثقافی احتیاجات کی پابجائی کا کیا ذکر!

احتیاجات کی تحدید تعلیم کا فقدان: بچپن کی شادی اور اولاد کا بہت جلد کمانے کے قابل بنانا ادنیٰ معیار زندگی کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ چونکہ یہ خصوصیات موضع ہذا کے باشندوں میں

---

[1] دیکھئے تصویر نمبر ( ) مکانات کی پشت پر اُپلے تھپے ہیں۔ گوبر اور دیگر قسم کی غلاظت مکان کے سامنے ہے۔

[2] دیکھئے تصویر نمبر (۱۸) مویشی نالے میں بیٹھے ہیں۔



زرعی آبادی بطور اتم پائی جاتی ہیں۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں کے باشندے ایک کارگذار معیار رہائش کے مقابل (جس کی تعریف ہم اس فصل کی ابتداء میں کر آئے ہیں)، بہت ہی ادنیٰ معیار پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس ادنیٰ معیار زندگی کے کیا وجوہ ہیں؟

ادنیٰ معیار زندگی اور اس کے وجوہ اس ادنیٰ معیار زندگی کی سب سے اہم اور بنیادی وجہ ادنیٰ آمدنی ہے۔ اور ادنیٰ آمدنی حسب ذیل (۳) اہم اسباب کا نتیجہ ہے:—

۱۔ آبادی اور ذرائع معاش کی غیر متناسب رفتار ترقی۔

۲۔ پیشوں کا فقدان اور زراعت پر زائد از ضرورت بار۔

۳۔ زرعی نظام کے گوناگوں نقائص، مثلاً زرعی عوامل پیدائش (زرعی زمین، زرعی محنت اور زرعی اصل، مویشی اور آلات زراعت وغیرہ) کی غیر متناسب حالت، زرعی طریقہ ہائے کاشت، طریقہ ہائے فروخت اور طریقہ ہائے لین دین کے گوناگوں نقائص۔

اضافہ آبادی، پیشوں کے فقدان اور زراعت پر زائد از ضرورت بار کی مفصل کیفیت پہلی فصل میں بیان کی جاچکی ہے۔ آیندہ فصلوں میں ہم زرعی عوامل پیدائش، طریقہ ہائے کاشت، طریقہ ہائے فروخت اور طریقہ ہائے لین دین کے گوناگوں نقائص کا ذکر کرتے ہوئے بتلائیں گے کہ ان نقائص کی بناپر آمدنی میں کیونکر تخفیف ہوجاتی ہے۔ آمدنی کی کمی کی وجہ سے کس طرح معیار زندگی گرجاتا ہے۔ بعدازاں ہم ان تدابیر پر غور کریں گے جن کے ذریعہ موجودہ معیار زندگی کو کسطرح بلند کیا جاسکتا ہے۔

۱

تیسری فصل

زرعی زمین

زرعی عوامل پیدائش میں سب سے اہم عامل پیدائش زرعی زمین ہے! اس فصل میں ہم (الف) یہ دریافت کریں گے کہ موضع ہذا کی جملہ زمین کس قدر ہے! اس تشریح کے بعد ہم اپنی توجہ (ب) مسئلہ تقسیم و انتشار اراضی کی طرف مبذول کریں گے جس کو ہندوستانی زرعی نظام میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہوتی جا رہی ہے

(۱ الف) زرعی و غیر زرعی زمین

بہ نظر سہولت ہم نے موضع زیر بحث کی جملہ اراضی کو دو طرح پر تقسیم کیا ہے:- ۱۔ زرعی - ۲۔ غیر زرعی — زرعی زمین میں وہ تمام زمین شامل کی گئی ہے جو فی الوقت زیر کاشت ہو یا زیر کاشت لائی جانے کے قابل ہو لیکن بعض وجوہ کی بنا پر خارج از کاشت پڑی ہوئی ہے۔ غیر زرعی زمین میں اس زمین کو شامل کیا گیا ہے جو قطعی طور پر ناقابل کاشت ہو یا قابل کاشت ہونے کے باوجود چند دیگر احتیاجات کے لئے محفوظ کر دی گئی ہے۔ مثلاً بنجر زمین۔ آبادی کی زمین، ندی، نالے، تالاب، نہر اور راستوں یا چراگاہ وغیرہ سے متعلق زمین کو غیر زرعی زمین میں شامل کیا گیا ہے۔ تقریباً (۲۰۸۰) ایکڑ میں سے (۱۳۶۰) ایکڑ زرعی اور (۷۲۰) ایکڑ غیر زرعی زمین ہے۔ بالفاظ دیگر مجموعی زمین کا لحاظ کرتے ہوئے زرعی زمین (۶۵) فی صد سے کسی قدر زائد اور غیر زرعی زمین تقریباً (۳۵) ایکڑ فی صد ہے۔ ذیل میں ہم زرعی زمین کی

ی زمین تقسیم و انتشار کے حالات بیان کریں گے۔

(ب) تقسیم و انتشار اراضی واضح رہے کہ تقسیم اراضی سے مراد کسی شخص کی اراضی[1] کا مختلف افراد کے مابین منقسم ہونا ہے۔ برعکس اس کے انتشار اراضی سے مراد کسی شخص کی اراضی کا مختلف مقامات پر واقع ہونا ہے۔

تقسیم و انتشار اراضی کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ۱۔ تقسیم و انتشار اراضی بلحاظ ملکیت۔ ۲۔ تقسیم و انتشار اراضی بلحاظ کاشت۔ اب ہم انھیں دو اُمور کی تشریح کریں گے۔

۱۔ تقسیم و انتشار اراضی بلحاظ ملکیت :-

(الف) تقسیم اراضی بلحاظ ملکیت ۱۳۴۷ف (م ۳۸-۱۹۳۷ء) کے تختہ جمعبندی[2] کے مطابق موضع زیر بحث کا جملہ محاصلی رقبہ[3] (۹۳۶) ایکر ہے۔ اس رقبہ کا پٹہ (۱۷۰) اشخاص (جن کو پٹہ دار کہا جاتا ہے) کے نام ہے۔ اس طرح اوسط رقبہ فی پٹہ دار (۵ء۴۴) ایکر سے زائد نہیں۔ اگر ہم ان اعداد کا مقابلہ سال ہائے ماسبق سے کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ملکی اراضی کی وسعت میں بتدریج تخفیف ہوتی چلی آرہی ہے۔ چنانچہ حسب ذیل اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۳۱۴ف (م اکتوبر ۱۹۰۴-۵ء) کے مقابل مابعد سالوں میں اوسط رقبہ فی پٹہ دار گھٹ گیا ہے :-

---

[1] ۔ اراضی (ہولڈنگ) سے مراد کسی شخص کی مجموعی زمین ہے جو ایک یا ایک سے زائد قطعات پر مشتمل ہو۔ اگر ایک شخص کے ہاں (۱۰) ایکر کا ایک قطعہ ہے تو یہ زمین اس شخص کی اراضی کہلائے گی۔ برعکس اس کے اگر کسی شخص کے ہاں دس دس ایکر کے (۱۰) قطعہ ہیں تو ان قطعات میں کا ہر ایک قطعہ اراضی نہیں کہلائے گا بلکہ ہم اس کو اراضی کا ایک جز کہیں گے۔ شخص زیر بحث کی اراضی (۱۰۰) ایکر کہلائے گی۔

[2] ۔ تختہ جمعبندی سے مراد وہ رجسٹر ہے جس میں پٹہ داروں اور ان کی رقم مالگزاری وغیرہ کا پورا پورا اندراج ہوتا ہے۔

[3] ۔ محاصل رقبہ سے مراد وہ رقبہ ہے جس کو حکومت نے مختلف افراد کو ایک مقررہ مالگزاری کے تحت بغرض کاشت دے رکھا ہے اس قسم کی زمین حاصل کرنے والے کو پٹہ دار کہا جاتا ہے۔ اور زمین کو پٹہ۔ پٹہ دار کو پٹہ کے فروخت کرنے یا کسی کے نام منتقل کرنے کا کامل حق ہوتا ہے۔

ز

سنہ فصلی	مطابق سنہ عیسوی	تعداد پٹہ داران	جملہ رقبہ مملوکہ (ایکڑوں میں)	فی پٹہ دار اوسط رقبہ زرعی زمین (ایکڑوں میں)
۱۳۱۴	اکتوبر ۱۹۰۴-۵	۱۵۱	۱۲۴۳	۸٫۲۳
۱۳۲۰	" ۱۹۱۰-۱۱	۱۶۳	۱۳۰۵	۸
۱۳۳۰	" ۱۹۲۰-۲۱	۱۷۳	۱۲۵۵	۷٫۲۵
۱۳۴۰	" " "	۱۸۱	۱۲۲۹	۶٫۷۹
۱۳۴۸	" ۱۹۳۷-۳۸	۱۰۷	۹۳۶	۵٫۴۴

ہم دیکھ رہے ہیں کہ سنہ ۱۳۱۴ف میں اوسط رقبہ فی پٹہ دار (۸٫۲۳) ایکڑ تھا لیکن سنہ ۱۳۲۰ف میں یہ اوسط (۸٫۲۳) ایکڑ سے گھٹ کر ۸ ایکڑ ہوگیا۔ وجہ یہ تھی کہ ۱۳۱۴ف کے مقابل سنہ ۱۳۲۰ف میں پٹہ داروں کی تعداد میں جس تناسب سے اضافہ ہوا اس مناسبت سے رقبہ مملوکہ میں زیادتی نہیں ہوئی۔ ۱۳۱۴ف کے مقابل سنہ ۱۳۲۰ف میں جب کہ پٹہ داروں کی تعداد ۱۵۱ سے بڑھ کر ۱۶۳ ہوگئی تھی تو رقبہ مملوکہ بھی ۱۲۴۳ ایکڑ سے بڑھ کر ۱۳۴۲ ہونا چاہیئے تھا لیکن وہ ۱۳۰۵ ایکڑ رہا لہذا اوسط رقبہ میں کمی واقع ہوئی اور وہ ۸٫۲۳ ایکڑ کی بجائے ۸ ایکڑ ہوگیا۔

سنہ ۱۳۲۰ف کے مقابل سنہ ۱۳۳۰ف میں اوسط رقبہ فی پٹہ دار ۸ ایکڑ سے گھٹ کر ۷٫۲۵ ایکڑ ہوجاتا ہے اس تخفیف کی وجہ یہ ہے کہ سنہ ۱۳۲۰ف کے مقابل سنہ ۱۳۳۰ف میں اگر ایک طرف پٹہ داروں کی تعداد میں زیادتی ہوئی تو دوسری طرف رقبہ مملوکہ میں تخفیف ہوئی۔ چنانچہ سنہ ۱۳۴۰ف اور سنہ ۱۳۴۷ف میں بھی اوسط رقبہ میں تخفیف کی یہی وجہ تھی۔

سنہ ۱۳۱۴ف اور سنہ ۱۳۴۷ف کے اعداد کا مقابلہ کرنے سے ظاہر ہے کہ پٹہ داروں کی تعداد میں (۱۹) افراد کا اضافہ ہوا لیکن رقبہ مملوکہ میں ۳۰۷ ایکڑوں کی کمی واقع ہوئی لہذا سنہ ۱۳۱۴ف کے مقابل سنہ ۱۳۴۷ف میں اوسط رقبہ فی پٹہ دار ۸٫۲۳ ایکڑ سے گھٹ کر ۵٫۴۴ ایکڑ ہوگیا[1]۔

واضح رہے کہ موضع زیر بحث میں زمینات کی تقسیم کا مسئلہ مطلق نہیں بلکہ اضافی ہے۔ زمینات کی تقسیم کو اس وقت مطلق کہا جائے گا جب کہ موضع کی جملہ زمینات مختلف پٹہ داروں وغیرہ کے مابین

---

[1] چونکہ ۱۳۱۴ف کے مقابل ۱۳۴۷ف میں نہ زمینات بہت زیادہ ہوگئیں اس لئے بھی اوسط رقبہ فی پٹہ دار گھٹ گیا۔

زرعی آبادی کامل طور پر منقسم ہوچکی ہوں اور جدید پٹہ حاصل کرنے کی گنجایش نہ ہو۔ یہ صورت حال ظہور پذیر ہونے کے بعد جب زراعت پیشہ افراد کی تعداد میں نسلاً بعد نسل اضافہ ہوگا تو نہایت سرعت کے ساتھ وسیع اراضیات کے چھوٹے چھوٹے قطعات ہونے لگیں گے لیکن ہمارے دیہات میں ابھی یہ نوبت نہیں آئی۔ یہاں پر اس امر کی گنجایش باقی ہے کہ کسانوں کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ رقبہ مملوکہ میں بھی ایک حد معینہ تک زیادتی کی جاسکتی ہے۔ (اس گنجایش کی بنا پر زمینات کی تقسیم کے مسئلہ کو اضافی بتلایا گیا ہے۔) لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس گنجایش کے باوجود اس سے حقیقی استفادہ نہیں کیا جارہا ہے۔ اگر ایک طرف پٹہ داروں کی تعداد میں بحیثیت مجموعی اضافہ ہوا تو دوسری طرف رقبہ مملوکہ میں کمی ہوئی۔ لہٰذا ان مخالف رجحانات کی وجہ سے سنہ ۱۳۱۴ف کے مقابل سنہ ۱۳۴۷ف میں اوسط رقبہ فی پٹہ دار ۲۳٫۸۹ فی صد گھٹ گیا۔

یہاں تک تو ہم نے صرف پٹہ داروں کا لحاظ کرتے ہوئے اراضیات کی تقسیم کا حال معلوم کیا لیکن یہ امر واضح رہنا چاہیئے کہ صرف پٹہ دار ہی کلّی طور پر اراضیات کے مالک نہیں ہوتے بلکہ ان کے ساتھ بالعموم دوسرے حصہ دار بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان حصہ داروں کو شکمی دار کہا جاتا ہے۔ پٹہ داروں اور شکمی داروں کے تختہ جات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سالہائے ماسبق کے مقابل سالہائے مابعد میں فی پٹہ دار شکمی داروں کی تعداد میں نمایاں طور پر اضافہ ہوگیا ہے۔ مندرجہ ذیل اعداد کے ذریعہ بتلایا گیا ہے کہ سنہ ۱۳۱۴ف کے مقابل سنہ ۱۳۴۷ف میں مشترک اراضیات کی کیا تعداد رہی۔

اراضیات	سنہ ۱۳۱۴ف	فی صدہ	سنہ ۱۳۴۷ف	فی صد
وہ اراضیات جو ایک شخص کی ملک ہیں	۱۲۳	۸۱٫۴	۹۲	۵۴٫۱
وہ اراضیات جو دو افراد کی ملک ہیں	۱۶	۱۰٫۵	۴۶	۲۷
〃 〃 تین 〃 〃	۹	۶	۲۱	۱۲٫۴
〃 〃 چار 〃 〃	۱	٫۷	۷	۴٫۱
〃 〃 پانچ 〃 〃	۱	٫۷	۲	۱٫۲
〃 〃 جو پانچ سے زاید لیکن دس سے کم افراد کی ملک ہیں ...	۱	٫۷	۲	۱٫۲
جملہ ...	۱۵۱	۱۰۰	۱۷۰	۱۰۰

ان اعداد سے واضح ہے کہ ۱۳۱۴ف (م اکتوبر ۱۹۰۴-۰۵ء) میں (۱۵۱) اراضیات میں سے زرعی زمین
(۱۲۳) یعنے (۸۱ء۴۶) فی صد اراضیات شخص واحد کی ملک تھیں۔ بالفاظ دیگر (۱۵۱) پٹہ داروں میں سے
(۱۲۳) یعنے (۸۱ء۴۶) فی صد پٹہ دار ایسے تھے جن کے ساتھ کوئی شکمی دار نہ تھا۔ لیکن ۳۳ سال بعد
یعنے ۱۳۴۷ف (م اکتوبر ۱۹۳۷-۳۸ء) میں یہ تعداد ۱۲۳ یا ۸۱ء۴۶ فی صد سے گھٹ کر ۹۶ یا ۵۶ء۴۱ فی صد
ہوگئی ہے۔ لیکن شخصی اراضیات (شخصی اراضیات سے مراد وہ اراضیات ہیں جو کسی ایک شخص کی ملک ہوں)
کی حقیقی تخفیف اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ ۱۳۱۴ف (م ۱۹۰۴-۰۵ء) میں (۱۵۱) اراضیات میں سے
(۱۲۳) اراضیات شخصی تھیں لہٰذا ۱۳۴۷ف میں بھی اگر یہی صورت حال برقرار رہتی تو (۱۷۰) اراضیات میں سے
(۱۳۸) اراضیات شخصی ہونا چاہیئے تھا لیکن ان کی تعداد صرف ۹۲ ہے گویا شخصی اراضیات کی حقیقی تخفیف
(۱۲۳ - ۹۲) ۳۱ یا ۲۵ء۲ فی صد کی بجائے (۱۳۸ - ۹۲) ۴۶ یا ۳۳ء۳ فی صد ہے۔ ۱۳۱۴ف کے
مقابل ۱۳۴۷ف میں شخصی اراضیات کی تعداد میں ۳۳ء۳ فی صد تخفیف کے یہ معنے ہیں کہ ۱۳۱۴ف کے مقابل
۱۳۴۷ف میں مشترکہ اراضیات کی تعداد میں ۳۳ء۳ فی صد کی زیادتی ہوگئی ہے۔ ۱۳۱۴ف و ۱۳۴۷ف کے
اعداد کا مقابلہ کرنے سے ظاہر ہے کہ ۱۳۱۴ف کے مقابل ۱۳۴۷ف میں ان اراضیات کی تعداد میں نمایاں
اضافہ ہوگیا ہے جو دو اور تین افراد کی ملک ہیں۔ مزید برآں ایسی اراضیات کی تعداد میں بھی قابل لحاظ
زیادتی ہوگئی ہے جو ۴ - ۵ اور ۵ سے زاید افراد کی ملک ہیں جس کا لازمی نتیجہ ملکی اراضیات کی تقسیم میں
اضافہ کا باعث ہوگا۔ ذیل کے اعداد سے ہمارے اس بیان کی توضیح ہوتی ہے۔

سنہ فصلی	م سنہ عیسوی	مالکان اراضی			جملہ رقبہ مملوکہ (ایکڑوں میں)	اوسط رقبہ فی پٹہ و شکمیدار (ایکڑوں میں)
		پٹہ دار	شکمیدار	جملہ		
۱۳۱۴	اکتوبر ۱۹۰۴-۰۵	۱۵۱	۵۷	۲۰۸	۱۲۴۲	۵ء۹۷
۱۳۲۰	″ ۱۹۱۰-۱۱	۱۶۳	۶۱	۲۲۴	۱۳۰۵	۵ء۸۲
۱۳۳۰	″ ۱۹۲۰-۲۱	۱۷۳	۹۱	۲۶۴	۱۳۵۵	۵ء۱۱
۱۳۴۰	″ ۱۹۳۰-۳۱	۱۸۱	۱۰۲	۲۸۳	۱۲۱۹	۴ء۳۴
۱۳۴۷	″ ۱۹۳۷-۳۸	۱۷۰	۱۱۸	۲۸۸	۹۳۶	۳ء۲۵

زرعی آبادی

مندرجہ صدر اعداد سے ظاہر ہے کہ ۱۳۱۴ف کے مقابل ۱۳۴۷ف میں پٹہ داروں کی تعداد ۱۵۱ سے بڑھ کر ۱۷۰ ہوگئی۔ شکمی دار ۵۷ کی بجائے ۱۱۸ ہوگئے ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی پٹہ داروں اور شکمی داروں کی تعداد ۲۰۸ سے بڑھ کر ۲۸۸ ہوگئی۔ بہ الفاظ دیگر ۱۳۱۴ف کے مقابل ۱۳۴۷ف میں پٹہ داروں کی تعداد میں ۱۲،۵۸ فی صد کا اضافہ ہوا تو شکمی داروں کی تعداد میں ۱۰۷،۵۲ فی صد کی زیادتی ہوئی اور بہ حیثیت مجموعی پٹہ دار و شکمی داروں کی تعداد میں ۳۸،۴۲ فی صد کا اضافہ ہوا لیکن رقبۂ مملوکہ میں ۷،۳۰ ایکر یا ۶۹،۲۴ فی صد کی کمی ہوگئی۔ لہٰذا اوسط رقبہ فی پٹہ دار و شکمی دار بھی ۷،۹۵ ایکر سے گھٹ کر ۵،۲۳ ایکر ہوگیا ہے۔ گویا پٹہ دار و شکمی داروں کی تعداد میں ۳۸،۴۲ فی صد اضافہ اور رقبۂ مملوکہ میں ۶۹،۲۴ فی صد تخفیف کی وجہ سے اوسط رقبہ فی پٹہ دار و شکمی دار بھی ۹۵،۵۴ فی صد گھٹ گیا ہے۔ جب کہ صرف پٹہ داروں کی تعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے رقبۂ مملوکہ پر روشنی ڈالی گئی تھی (دیکھئے صفحہ) تو اوسط رقبہ میں ۱۳۱۴ف کے مقابل ۱۳۴۷ف میں ۸۹،۲۳ فی صد کی تخفیف ہوئی تھی (یعنے یہ کہ اوسط رقبہ فی پٹہ دار ۸،۲۳ ایکر سے گھٹ کر ۴،۵۱ ایکر ہوگیا تھا)، لیکن جب کہ شکمی داروں کا بھی پورا پورا لحاظ کیا جاتا ہے تو یہ تخفیف ۸۹،۲۳ فی صد کی بجائے ۶۲،۵۴ فی صد ہو جاتی ہے۔ اور یہی موثر تخفیف ہے کیونکہ پٹہ دار و شکمی دار بالعموم اپنے حصص علحدہ علحدہ کرنے کے بعد یا تو ذاتی طور پر کاشت کرتے ہیں یا کسی شخص کو قول پر اٹھا دیتے ہیں۔ پٹہ داروں اور شکمی داروں کی اس باہمی تقسیم کی وجہ سے اگر ایک طرف اراضیات کی تعداد میں زیادتی ہوتی ہے تو دوسری طرف ان کی وسعت میں بھی نمایاں تخفیف نمودار ہوتی ہے۔ ذیل کے اعداد میں بتلایا گیا ہے کہ موجودہ اراضیات کی نوعیت بلحاظ وسعت، تقسیم سے قبل کیا ہے اور تقسیم کے بعد اس میں کسی قسم کی تبدیلی نمودار ہوتی ہے۔

وسعت اراضیات	اراضیات کی تعداد تقسیم سے قبل	اراضیات کی تعداد تقسیم کے بعد	فی صد اضافہ (+) یا تخفیف (-)
وہ اراضیات جو (۵۰) اور (۱۰۰) ایکر کے درمیان ہیں	۱	۱	مستقل
" " (۴۰) " (۵۰) " "	۱	-	۱۰۰ (-)
" " (۳۰) " (۴۰) " "	۲	۱	۵۰ (-)

زرعی آبادی

وسعت اراضیات	اراضیات کی تعداد تقسیم سے قبل	اراضیات کی تعداد تقسیم کے بعد	فی صد اضافہ (+) یا تخفیف (—)
(۱۵) ر ( ) ایکڑ کے درمیان میں	۱	—	۱۰۰ "
" " (۱۵) " (۲۰) " "	۷	۵	۲۸٫۵۷ "
" " (۱۰) " (۱۵) " "	۷	۶	۱۴٫۲۸ "
" " (۷½) " (۱۰) " "	۹	۹	مستقل
" " (۵) " (۷½) " "	۲۱	۱۶	۲۳٫۸ (—)
" " (۲½) " (۵) " "	۴۲	۳۲	۲۳٫۸ "
" " (۱) " (۲½) " "	۴۹	۷۶	۵۱ (+)
" " ایک ایکڑ سے کم میں	۳۰	۸۲	۱۷۳٫۳۳ "
جملہ	۱۶۰	۲۲۸	—

پیچھے ہم معلوم کر آئے ہیں کہ موضع ہذا میں ۱۰۷ پٹہ دار ہیں۔ ان پٹہ داروں کے ساتھ ۱۱۸ شکمیدار ہیں۔ منجملہ ۱۱۸ شکمی داروں کے ۵۸ شکمی داروں نے اپنے حصص علحدہ کر لئے ہیں۔ باقی ۶۰ شکمی دار اپنے پٹہ داروں کے ساتھ مشترکہ طور پر کاشت کرتے یا مشترکہ طور پر اپنی اراضی قول پر اٹھا دیتے ہیں[1]۔

پٹہ داروں اور شکمی داروں کی باہم تقسیم کی وجہ سے (۴۰) اور (۵۰)؛ (۲۰) اور (۳۰) ایکڑ کے درمیانی اراضیات بالکل غائب ہو جاتے ہیں۔ (۱۵) اور (۲۰) ایکڑ کے درمیانی اراضیات میں تقریباً (۲۹) فی صد کی کمی ہوتی ہے۔ (۱۰) اور (۱۵) ایکڑ کے درمیانی اراضیات میں بھی (۱۴) فی صد سے زاید تخفیف ہو جاتی ہے۔ ساڑھے سات اور ۱۰ ایکڑ کے درمیانی اراضیات مستقل حالت پر رہتے ہیں۔ لیکن (۵) اور ساڑھے سات ایکڑ کے درمیانی اراضیات میں تقریباً ۲۴ فی صد کمی واقع ہوتی ہے۔ نسبتاً وسیع اراضیات میں تو تخفیف ہوتی ہے لیکن چھوٹی چھوٹی اراضیات میں غیر معمولی طور پر اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک اور ڈھائی ایکڑ کے درمیانی اراضیات میں ۵۱ فی صد کی زیادتی ہوتی ہے تو

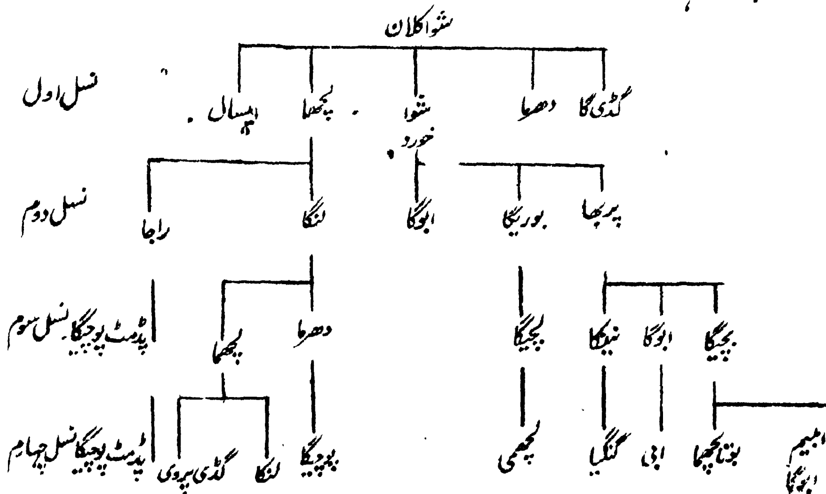
---

[1] ایسی اراضیات جن کا حصہ نہیں کیا گیا ہے انھیں شخصی ملک تصور کیا گیا ہے۔

زرعی آبادی ایک ایکڑ سے کم وسعت والی اراضیات میں ۴۳ء۷ فی صد سے بھی زیادہ کا اضافہ ہوتا ہے۔ بہر طور موضع زیر بحث میں ملکی اراضیات کی نوعیت کے متعلق حسب ذیل نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔

	تعداد	فی صد
۱۔ وہ اراضیات جو ۲۰ اور ۱۰۰ ایکر کے درمیان ہیں	۲	۰ء۹
۲۔ " " ۵ " ۲۰ " " "	۳۶	۱۵ء۷
۳۔ " " ۵ ایکر سے کم ہیں	۱۹۰	۸۳ء۴
جملہ	۲۲۸	۱۰۰

ان اعداد سے ظاہر ہے کہ ۵ ایکر سے کم وسعت والی اراضیات سب سے زاید یعنے ۸۳ء۴ فی صد ہیں۔ اس زیادتی کی سب سے اہم وجہ آبادی کا اضافہ اور پیشوں کا فقدان ہے۔ چونکہ باشندوں کے لئے زراعت کے سوا اور کوئی پیشہ نہیں لہذا وہ زراعت ہی کی طرف مشغول ہوجاتے ہیں اور آبائی اراضیات میں علحدہ علحدہ حصص کرنے کے لئے بالعموم مجبور ہوجاتے ہیں۔ اس تقسیم کی بدولت اراضیات کی وسعت نسلاً بعد نسل کم ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل عملی مثال سے اس امر کا اندازہ ہوسکتا ہے۔



آج سے چار نسل قبل موضع زیر بحث میں شنوا کلان نامی ایک شخص رہتا تھا۔ اس کو پانچ لڑکے:۔ گڈیگا، دھرما، شنوا خورد، پچھا اور ایسال تھے۔ جب تک شنوا زندہ رہا خاندان کے جملہ افراد مشترکہ طور پر

زندگی بسر کرتے تھے شنوا کے انتقال کے بعد گنڈی گا، دھرما اور ابسال چند نامعلوم وجوہات کی بناپر
دیہات چھوڑ کر چلا گئے اور پھر واپس نہ ہوئے اس طرح شنوا کلاں کی اراضی کے مالک صرف شنواخورد
اور لچھما قرار پائے۔ کہا جاتا ہے کہ شنواخورد و لچھما بھی مشترکہ طور پر رہا کرتے تھے، لہذا شنوا کلاں کی اراضی
ان دونوں کے مابین تقسیم نہ ہونے پائی۔ ہم یہ ٹھیک طور پر نہیں بتا سکتے کہ شنوا کلاں کی کس قدر اراضی تھی
اور کتنی اراضی شنواخورد اور لچھما کو ورثے میں ملی کیونکہ اس وقت کا کوئی اندراج نہیں ملتا اور نہ موجودہ
ورثا کو اس کا علم ہے البتہ ۱۳۱۲ف کے تختہ جمعبندی میں پربھا اور بوریگا کے نام بطور پٹہ دار ملتے ہیں
یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابوگا لنگا اور راجا ان کے ساتھ بطور حصہ داروں کے شریک تھے اس سنہ میں
پربھا اور بوریگا کے نام حسب صراحت ذیل سروے نمبرات تھے:۔

سروے نمبرات بوریگا ولد شنواخورد

سروے نمبر	پارٹ نمبر	بیگہ	رقبہ گنٹہ
۱۲۰ "	-	۲	۹
۱۳۱	۳	۱	۶
۱۲۳	۲	۳	۲۸ ۱/۲
۱۹۱	۴	.	۲۰
۸۷	۱	۱	۱۱ ۱/۴
۱۸۰	۳	۱	۷ ۳/۴
۱۹۷	۴	۱	۲ ۱/۴
۱۹۱	۳	-	۱۹ ۱/۴
۸۵	-	-	۲۴ ۱/۴
۳۵۹	۳	۱	۹ ۱/۲
۲۰۹	۲	۱	۲۰ ۱/۴
۱۲۳	۱	۳	۱۶
۷۴	۴	-	۱۴ ۳/۴
جملہ		۱۳	۱۴ ۳/۴

سروے نمبرات پربھا ولد شنواخورد

سروے نمبر	پارٹ نمبر	بیگہ	رقبہ گنٹہ
۱۴۱	-	-	۳۱ ۱/۴
۱۴۵	۱	-	۲۴ ۱/۴
جملہ		۱۱	۵ ۱/۲

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ مذکورہ تمام اندراجات شنوا کلاں کی ملک تھے (اور ایسا فرض کرنا غلط بھی
نہیں، پربھا اور بوریگا کے ساتھ ابوگا لنگا اور راجا بحیثیت حصہ داروں کے شریک رہنے کے یہ معنے
ہیں کہ جملہ اراضی شنوا کلاں کی ملک تھی) تو شنوا کلاں کی جملہ اراضی ۲۵ بیگہ ساڑھے بیس گنٹے قرار پاتی ہے۔
پیچھے ہم بتا چکے ہیں کہ جب تک شنوا زندہ رہا اس اراضی کی کوئی تقسیم نہ ہوئی۔ شنوا کے بعد شنواخورد اور
لچھما کے مابین بھی کوئی تقسیم عمل میں نہ آئی کیونکہ یہ لوگ مشترکہ طور پر رہا کرتے تھے۔ البتہ نسل دوم میں

ورثاء کے باہمی سمجھوتے کے موافق خانگی طور پر جملہ اراضی تقسیم کرلی گئی۔ نسل دوم میں ستواں کی اراضی کے پانچ حصہ دار تھے لیکن نسل سوم میں حصہ داروں کی تعداد پانچ کی بجائے سات ہو جاتی ہے چنانچہ سنہ ۱۳۳۰ف کے تختہ پٹہ داران و شکمی داران سے ہمیں اس امر کا مواد ملتا ہے کہ متذکرہ جملہ سروے نمبرات سات افراد کی ملک تھے۔ نسل چہارم میں حصہ داروں کی تعداد نسل سوم کے مقابل سات سے بڑھ کر نو ہو جاتی ہے حصہ داروں کی تعداد میں جوں جوں اضافہ ہوتا جاتا ہے اراضی کی تقسیم در تقسیم ہونے لگتی ہے۔ ذیل کے اعداد ملاحظہ ہوں:۔

نسل	تعداد حصہ دار	جملہ رقبہ مملوکہ	اوسط رقبہ فی حصہ دار	تعداد قطعات
اول	۲	۲۶ یکر	۱۳ ایکر	۱۵
دوم	۵	۲۶ "	۵،۲ "	۱۷
سوم	۷	۲۴ "	۳،۴ "	۳۰
چہارم	۹	۲۴ "	۲،۶ "	۳۸

ان اعداد سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:۔

پہلا یہ کہ نسل اول کے مقابل نسل چہارم میں حصہ داروں کی تعداد چار گنے سے زاید ہوگئی ہے۔

دوسرا۔ یہ کہ نسل اول و دوم میں اراضی کی وسعت تقریباً ۲۶ یکر تھی لیکن نسل سوم و چہارم میں اس کی وسعت ۲۶ یکر کی بجائے ۲۴ یکر سے کچھ ہی زاید رہتی ہے۔ اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ سنہ ۱۳۳۱ف (م ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء) میں جب بندوبست اولی کی نظر ثانی کی گئی تو سروے نمبرات کی جدید مینڈ بندی و پیمائش وغیرہ کے تحت تقریباً ایک یکر زاید کی تخفیف ہوئی۔

تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ باہمی حصص کی بنا پر اراضی کے قطعات میں بھی نمایاں اضافہ ہوگیا ہے۔ نسل اول میں ۲۶ یکر اراضی ۱۵ مختلف قطعات پر مشتمل تھی۔ نسل دوم میں بھی اراضی ۱۷ قطعات پر مشتمل ہوگئی۔ نسل سوم میں قطعات کی تعداد ۳۰ ہوگئی۔ نسل چہارم میں ان کی تعداد ۳۰ کی بجائے ۳۸ ہوگئی گویا تقسیم در تقسیم کی وجہ سے اراضی کے قطعات کی تعداد میں ڈھائی گنے سے زاید کا اضافہ ہوا۔

چوتھی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ نسل اول کے مقابل نسل چہارم میں وسعت اراضی میں نسبتاً تخفیف اور حصہ داروں کی تعداد میں اضافہ کی وجہ سے اوسط رقبہ فی حصہ دار تعجب خیز طریقے پر

گھٹ گیا ہے نسل اول میں فی حصہ دار اراضی کا اوسط ۱۳ ایکر تھا لیکن چوتھی نسل میں یہ اوسط ۲۰ء ایکر ہو جاتا ہے۔ زیر بحث اراضی پر تقسیم در تقسیم کی شدت کا اندازہ حسب ذیل اعداد کے ذریعہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

وسعت قطعات	نسل اول تعداد	نسل اول فی صد	نسل چہارم تعداد	نسل چہارم فی صد
پاؤ ایکر سے کم	-	-	۱۵	۳۹ء۴۷
پاؤ اور نصف ایکر کے درمیانی قطعات	۲	۱۳ء۳	۸	۲۱ء۱
نصف اور پون ایکر کے " " "	۳	۲۰	۹	۲۳ء۹
پون اور ایک ایکر کے " " "	۱	۶ء۷	۱	۲ء۵
ایک اور ڈیڑھ ایکر کے " " "	۵	۳۳ء۳	۴	۱۰ء۶
ڈیڑھ اور دو ایکر کے " " "	۱	۶ء۷	-	-
دو اور تین ایکر کے " " "	-	-	-	-
تین اور چار ایکر کے " " "	۲	۱۳ء۳	-	-
چار اور پانچ ایکر کے " " "	-	-	-	-
پانچ اور چھ ایکر کے " " "	-	-	-	-
چھ اور سات ایکر کے " " "	-	۶ء۷	۱	۲ء۴
جملہ	۱۵	۱۰۰	۳۸	۱۰۰

مندرجہ صدر تقابلی اعداد سے واضح ہے کہ نسل اول کے مقابل نسل چہارم میں ۶ اور ۷ ایکر کا درمیانی قطعہ اسی طرح قایم رہتا ہے لیکن تین اور چار ایکر کے درمیانی قطعات بالکل غائب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ڈیڑھ اور دو ایکر کا درمیانی قطعہ بھی غائب ہو جاتا ہے۔ ایک اور ڈیڑھ ایکر کے درمیانی قطعات ۵ کے بجائے ۴ ہو جاتے ہیں۔ گویا ان قطعات میں ۲۰ فی صد تخفیف ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پون اور ایک ایکر کا درمیانی قطعہ اس طرح برقرار رہتا ہے لیکن نصف اور پون ایکر کے درمیانی قطعات ۳ کی بجائے ۹ ہو جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ان قطعات کی تعداد میں ۲۰۰ فی صد کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ پاؤ اور نصف ایکر کے درمیانی قطعات میں اس سے بھی زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ یعنے یہ کہ ان قطعات کی

تعداد ۲ کی بجائے ۸ ہو جاتی ہے۔ گویا ان کی تعداد میں ۳۰۰ فی صد کی زیادتی ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ اضافہ پاؤ بیگہ سے کم کے قطعات میں ہوتا ہے کیونکہ نسل اول میں زیر بحث اراضی میں ایک قطعہ بھی ایسا نہ تھا جو پاؤ بیگہ سے کم ہو لیکن نسل چہارم میں اس قسم کے قطعات کی تعداد ۱۵ ہو جاتی ہے۔ ان اعداد کے ذریعہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زیر بحث اراضی کی حد تک تقسیم در تقسیم کا مسئلہ کس قدر شدید رہا۔ ٹھیک یہی حال کم و بیش دیگر ملکی اراضیات کا ہے۔ اضافہ آبادی کے ساتھ ساتھ جس وقت تک پیشوں کا فقدان رہے گا تقسیم اراضیات کا مسئلہ اہم سے اہم تر ہوتا جائے گا۔

(ب) انتشار اراضی بلحاظ ملکیت

یہاں تک تو ہم نے اس امر کی تشریح کی کہ ملکی اراضیات کی حد تک تقسیم کی کیا نوعیت ہے کن وجوہات کی بنا پر ملکی اراضیات کی تقسیم کا مسئلہ رونما ہوتا ہے۔ اب ہم ملکی اراضیات کے انتشار کا حال دریافت کریں گے۔ واضح رہے کہ زرعی آبادی میں اضافے اور پیشوں کے فقدان کی وجہ سے نہ صرف تقسیم اراضیات کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ انتشار کی کیفیت بھی رونما ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر تقسیم کے ساتھ انتشار کا پیدا ہونا بالعموم ضروری ہے چنانچہ اس کا ثبوت ہمیں سابقہ مثال ہی سے مل سکتا ہے۔ نسل اول میں اراضی زیر بحث ۱۵ مختلف قطعات پر مشتمل تھی لیکن دوسری نسل میں منتشر قطعات کی تعداد ۱۷ ہو گئی تیسری نسل میں ان قطعات کی تعداد (۳۰) اور چوتھی نسل میں ۳۸ ہو جاتی ہے ٹھیک اسی طور پر ہر تقسیم کے ساتھ بالعموم انتشار کی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ ذیل کے اعداد میں ۱۷۰ پٹہ داروں کی اراضی کے انتشار کو واضح کیا گیا ہے:-

اراضیات	تعداد	جملہ قطعات
وہ اراضیات جو ایک قطعہ پر مشتمل ہیں	۴۵	۴۵
" " ۲ " "	۳۵	۷۰
" " ۳ " "	۲۶	۷۸
" " ۴ " "	۱۷	۶۸
" " ۵ " "	۱۶	۸۰
" " ۶ " "	۸	۴۸
" " ۷ " "	۶	۴۲

اراضیات	تعداد	جملہ قطعات
وہ اراضیات جو ۸ قطعات پر مشتمل ہیں	۵	۴۴
〃 〃 ۹ 〃 〃	۴	۳۶
〃 〃 ۱۰ 〃 〃	۱	۱۰
وہ اراضیات جو ۱۰ سے زاید 〃 〃	۷	۱۴۱
جملہ	۱۷۰	۶۹۴

ان اعداد سے واضح ہے کہ (۱۷۰) اراضیات میں سے (۵۴) اراضیات ایک ایک قطعہ پر مشتمل ہیں یہ امر کسی طرح باعث تشفی نہیں کہ ۵۴ یا ۵ ء۲۶ فی صد اراضیات ایک مقام پر واقع ہیں کیونکہ ان ارضیات کی وسعت بہت محدود ہوتی ہے ـــــ بالعموم ایک یکر سے کم ہوتے ہیں۔ ۸۰ یا ۴ء۲۹ فی صد اراضیات ۲ تا ۱۰ مختلف قطعات پر مشتمل ہیں۔ ۷ یا ۱ء۴ فی صد اراضیات ایسی ہیں جو زاید از ۱۰ قطعات پر مشتمل ہیں[1] مجموعی قطعات اراضیات کا لحاظ کرتے ہوئے فی اراضی اوسطاً ۸ء۴ قطعات پر مشتمل نظر آتی ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ تشریح صرف پٹہ داروں کی اراضیات تک محدود ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ۱۷۰ پٹہ داروں کے ساتھ بحیثیت مجموعی ۱۱۸ شکمی دار ہیں۔ ۱۱۸ شکمی داروں میں سے ۵۸ شکمی داروں نے خانگی طور پر اپنے حصص کی باضابطہ تقسیم کرلی ہے۔ جب ہم اس تقسیم کا پورا پورا لحاظ کرتے ہیں تو انتشار اراضیات کی نوعیت بدل جاتی ہے چنانچہ پٹہ داروں اور شکمی داروں کی باہمی تقسیم کے بعد انتشار اراضیات کی نوعیت حسب ذیل رہتی ہے :-

اراضیات	تعداد	جملہ قطعات
وہ اراضیات جو ایک قطعہ پر مشتمل ہیں	۵۱	۵۱
〃 〃 ۲ 〃 〃	۶۱	۱۲۲

---

[1] ان اراضیات میں انتشار کی حالت بہت زیادہ ہے کیونکہ سات اراضیات ۱۴۱ قطعات پر مشتمل ہونے کے یہ معنے ہیں کہ فی اراضی اوسطاً ۲۰ء۱ قطعات پر مشتمل ہے۔

اراضیات	تعداد	جملہ قطعات
وہ اراضیات جو ۳ قطعات پر مشتمل ہیں	۳۵	۱۰۵
〃 〃 ۴ 〃 〃	۲۶	۱۰۴
〃 〃 ۵ 〃 〃	۲۳	۱۱۵
〃 〃 ۶ 〃 〃	۹	۵۴
〃 〃 ۷ 〃 〃	۴	۲۸
〃 〃 ۸ 〃 〃	۴	۳۲
〃 〃 ۹ 〃 〃	۴	۳۶
〃 〃 ۱۰ 〃 〃	۶	۶۰
وہ اراضیات جو ۱۰ سے زاید 〃 〃	۵	۱۲۴
جملہ	۲۲۸	۸۳۱

تقسیم سے قبل ہم نے دیکھا تھا کہ (۵۴) افراد کی اراضی ایک ایک قطعہ پر مشتمل تھی لیکن تقسیم کے بعد ایسی اراضیات کی تعداد ۵۴ کی بجائے ۱۰۵ ہوجاتی ہے اسی طرح دو مختلف قطعات پر مشتمل اراضیات ۵۳ کی بجائے ۶۱ ہوجاتے ہیں تین مختلف قطعات پر مشتمل اراضیات ۲۲ کی بجائے ۳۵ ہوجاتی ہیں۔ پانچ قطعات پر مشتمل اراضیات کی تعداد میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے لیکن ۷ تا ۸ قطعات پر مشتمل اراضیات کی تعداد میں کسی قدر کمی ہوجاتی ہے اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ بعض حصہ داروں نے ہر ہر قطعہ اراضی میں سے علیحدہ علیحدہ حصہ کرنے کی بجائے عموماً قطعات تقسیم کرلئے ہیں مثلاً اگر ایک اراضی کے آٹھ قطعات ہیں اور دو حصہ دار تو ایک حصہ دار ۴ قطعات لیتا ہے۔ لہذا ایک اراضی جو ۸ قطعات پر مشتمل تھی اب دو اراضیات پر مشتمل ہوجاتی ہے لیکن فی اراضی قطعات کی تعداد ۸ کی بجائے صرف ۴ رہتی ہے۔ ۹ قطعات پر مشتمل اراضیات کی سابقہ تعداد اسی طرح باقی رہتی ہے البتہ دس قطعات پر مشتمل اراضیات کی تعداد ایک کی بجائے ۶ ہوجاتی ہے لیکن زاید از دس قطعات والی اراضیات ۷ کی بجائے ۵ ہوجاتی ہیں۔

جب ہم ۸۳۱ قطعات کو لیکر ۲۲۸ اراضیات سے تقسیم کرتے ہیں تو فی اراضی قطعات کی تعداد ۳٫۵ رہتی ہے۔ جیسا کہ پٹہ داروں کی اراضی اوسطاً ۸٫۰۴ قطعات پر مشتمل تھی اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم کے بعد

اراضیات کی تعداد میں جس تناسب سے اضافہ ہوا اسی تناسب سے قطعات کی تعداد میں زیادتی نہیں ہوئی۔ ملکی اراضیات کے انتشار کو مختصراً حسب ذیل طریق پر بیان کیا جا سکتا ہے:۔

	تعداد	فی صد
۱۔ وہ اراضیات جو ایک قطعہ پر مشتمل ہیں	۵۱	۲۲٫۴
۲۔ " " ۲ تا ۵ مختلف قطعات پر مشتمل ہیں	۱۴۵	۶۳٫۶
۳۔ " " ۶ تا ۱۰ " "	۲۷	۱۱٫۸
۴۔ " " جو زاید از ۱۰ قطعات پر "	۵	۲٫۲
جملہ	۲۲۸	۱۰۰

۵۔ فی اراضی اوسطاً ۳٫۵ مختلف قطعات پر مشتمل ہے۔

(۲) تقسیم و انتشار اراضی بلحاظ کاشت

(۲ الف) تقسیم اراضی بلحاظ کاشت ۔۔۔ بلحاظ ملکیت تقسیم و انتشار اراضی کی تشریح کرنے کے بعد اب ہم یہ معلوم کریں گے کہ بلحاظ کاشت اراضیات کی تقسیم اور ان کے انتشار کی کیا نوعیت ہے! اولاً ہم تقسیم اراضی بلحاظ کاشت کے حالات دریافت کریں گے۔ ذیل کے اعداد میں بلحاظ وسعت کاشت شدہ اراضیات کی تعداد دی گئی ہے:۔

وسعت اراضیات	تعداد	فی صد
وہ کاشت شدہ اراضیات جن کی وسعت ۵۰ اور ۱۰۰ ایکڑ کے درمیان ہے۔	۲	۲٫۶ (۴ قطاروں کا مجموعہ)
" " " ۴۰ " ۵۰ "	۱	
" " " ۳۰ " ۴۰ "	۱	
" " " ۲۰ " ۳۰ "	۱	
" " " ۱۵ " ۲۰ "	۵	۲٫۶
" " " ۱۰ " ۱۵ "	۱۴	۷٫۳
" " " ۷½ " ۱۰ "	۱۲	۶٫۲
" " " ۵ " ۷½ "	۲۱	۱۰٫۹
" " " ۲½ " ۵ "	۳۹	۲۰٫۲

وسعت اراضیات	تعداد	فی صد
وہ کاشت شدہ اراضیات جن کی وسعت ۱ اور ۲½ ایکڑ کے درمیان ہے۔	۵۳	۲۷٫۴
جملہ	۱۹۳	۱۰۰

ان اعداد کے ذریعہ حسب ذیل نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے:۔

وسعت اراضیات	تعداد	فی صد
۱۔ وہ کاشت شدہ اراضیات جن کی وسعت ۲۰ اور ۱۰۰ ایکڑ کے درمیان ہے۔	۵	۲٫۶
۲۔ " " " " " " ۵ " ۲۰ " "	۵۲	۲۷
۳۔ " " " " " ۵ ایکڑ سے کم ہے	۱۳۶	۷۰٫۴
جملہ	۱۹۳	۱۰۰

۴۔ فی کاشت شدہ اراضی اوسط رقبہ ۵٫۸۸ ایکڑ ہے۔[1]

(ب) انتشار اراضی بلحاظ کاشت ـــــ بلحاظ کاشت تقسیم اراضی کے اعداد دئے جا چکے ہیں۔ اب ہم بلحاظ کاشت انتشار کی نوعیت معلوم کریں گے۔ ذیل کے اعداد ملاحظہ ہوں:۔

اراضیات	تعداد	جملہ قطعات
۱۔ وہ کاشت شدہ اراضیات جو ایک قطعہ پر مشتمل ہیں	۳۶	۳۶
وہ کاشت شدہ اراضیات جو ۲ مختلف قطعات پر مشتمل ہیں	۳۱	۶۲
" " " ۳ " " "	۲۸	۸۴
" " " ۴ " " "	۲۷	۱۰۸

۱۔ واضح رہے کہ ۱۳۴۷ف (۳۰ اکتوبر ۳۸-۱۹۳۷ء) کا جملہ محاصلی رقبہ ۹۳۶ ایکڑ ہے۔ اس رقبہ میں سے تقریباً ۲۳ ایکڑ غیر مقامی افراد کاشت کرتے ہیں۔ لہٰذا ۹۲۳ ایکڑ میں سے ۲۳ ایکڑ منہا کرنے کے بعد ۹۱۳ ایکڑ بچ رہتے ہیں۔ چونکہ موضع زیر بحث کے افراد دیگر مواضعات میں ۲۲۳ ایکڑ کاشت کرتے ہیں لہٰذا ۹۱۳ ایکڑ میں ۲۲۳ ایکڑ جمع کرنے کے بعد ۱۳۴۷ف میں جملہ کاشت شدہ رقبہ ۱۱۳۶ ایکڑ رہتا ہے۔ اس رقبہ کو ۱۹۳ کاشتکاروں سے تقسیم کرنے کے بعد اوسط رقبہ فی کاشت شدہ اراضی ۵٫۸۸ ایکڑ رہتا ہے۔ ملکی اراضیات میں اوسط رقبہ فی مالک ۳٫۲۵ ایکڑ ہے۔

اراضیات	تعداد	جملہ قطعات
وہ کاشت شدہ اراضیات جو ۵ مختلف قطعات پر مشتمل ہیں	۱۸	۹۰
" " " ۶ " " "	۱۰	۶۰
" " " ۷ " " "	۹	۶۳
" " " ۸ " " "	۸	۶۴
" " " ۹ " " "	۸	۷۲
" " " ۱۰ " " "	۸	۸۰
وہ کاشت شدہ اراضیات جو زاید از ۱۰ قطعات پر مشتمل ہیں	۱۰	۲۰۰
جملہ	۱۵۳	۹۱۹

کاشت شدہ اراضیات کے انتشار کو مختصراً حسب ذیل طریق پر بیان کیا جاسکتا ہے:۔

	تعداد	فی صد
۱۔ وہ اراضیات جو ایک قطعہ پر مشتمل ہیں	۳۶	۱۸٫۶٪
۲۔ وہ کاشت شدہ اراضیات جو ۲ تا ۹ مختلف قطعات پر مشتمل ہیں	۱۰۴	۵۳٫۹
۳۔ " " " ۶ تا ۱۰ " " "	۴۲	۲۲٫۳
۴۔ وہ کاشت شدہ اراضیات جو زاید از ۱۰ مختلف قطعات پر مشتمل ہیں	۱	۵٫۲

۵۔ فی کاشت شدہ اراضی اوسطاً ۵ ۷،۴ قطعات پر مشتمل ہے۔

تقسیم و انتشار اراضی بلحاظ ملکیت اور تقسیم و انتشار اراضی بلحاظ کاشت کی جدا جدا تشریح کے بعد ہر دو کا مقابلہ بھی ضروری ہے۔ ذیل میں ملکی اراضیات و کاشت شدہ اراضیات کے تقابلی اعداد دئے گئے ہیں:۔

وسعت اراضیات	تعداد اراضیات: ملکی	تعداد اراضیات: کاشت شدہ
وہ اراضیات جن کی وسعت ۵۰ اور ۱۰۰ ایکر کے درمیان ہے	۱	۲
" " " ۴۰ " ۵۰ " "	—	۱

وسعت اراضیات	تعداد اراضیات	
	ملکی	کاشت شدہ
وہ اراضیات جن کی وسعت ۳۰ اور ۴۰ یکر کے درمیان ہے۔	۱	۱
" " " ۲۰ " ۳۰ " "	-	۱
" " " ۱۵ " ۲۰ " "	۵	۵
" " " ۱۰ " ۱۵ " "	۶	۱۴
" " " ۷½ " ۱۰ " "	۹	۱۲
" " " ۵ " ۷½ " "	۱۶	۲۱
" " " ۲½ " ۵ " "	۳۲	۳۹
" " " ۱ " ۲½ " "	۷۶	۵۴
" " " ایک یکر سے کم ہے۔	۷۲	۴۴
جملہ	۲۲۸	۱۹۳

مندرجہ صدر تقابلی اعداد سے ہمیں دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:- پہلی یہ کہ ملکی اراضیات کی تعداد ۲۲۸ ہے لیکن کاشت شدہ اراضیات کی جملہ تعداد ۱۹۳ ہے۔ گویا ملکی اراضیات کے مقابل کاشت شدہ اراضیات کی تعداد میں ۳۵ اراضیات کی تخفیف ہوگئی ہے اس تخفیف کی وجہ یہ ہے کہ ۲۲۸ مالکان اراضی میں سے کوئی ۳۵ افراد ایسے ہیں جو اپنی اراضی کلیتاً دیگر افراد کو قول پر اٹھا دیتے ہیں۔ لہذا حقیقی کاشت کاروں کی تعداد ۱۹۳ رہ جاتی ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملکی اراضیات کے مقابل کاشت شدہ اراضیات میں وسیع اراضیات کی تعداد زیادہ ہے، اور مختصر اراضیات (مثلاً ڈھائی یکر سے کم وسعت والی) تعداد میں مقابلتاً کم ہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے کاشتکار جن کے ہاں مختصر اراضی ہے کاشت کی خاطر قولی زمین (نہ صرف اندرون دیہات بلکہ بیرون دیہات بھی) حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح ملکی اراضیات کے مقابل کاشت شدہ اراضیات میں وسیع اراضیات کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور مختصر اراضیات کی تعداد گھٹ جاتی ہے ملکی اراضیات اور کاشت شدہ اراضیات کا

حسبِ ذیل مختصر مقابلہ بھی خالی از معلومات نہ ہوگا۔

وسعت اراضیات	فی صد ملکی اراضیات	فی صد کاشت شدہ اراضیات
۱۔ وہ اراضیات جو ۲۰ اور ۱۰۰ ایکڑ کے درمیان ہیں	۹،۹	۲،۶
۲۔ " " ۵ " ۲۰	۱۵،۷	۲۷
۳۔ وہ اراضیات جو ۵ یکڑ سے کم ہیں	۸۴،۴	۷۰،۴
جملہ " " "	۱۰۰	۱۰۰

ان اعداد سے ظاہر ہے کہ ملکی اراضیات میں ۴،۸۴ فی صد اراضیات ۵ یکڑ سے کم ہیں لیکن کاشت شدہ اراضیات میں اسی وسعت کی اراضیات ۴،۷۰ فی صد ہیں ۔ جہاں تک کہ ۵ اور ۲۰ یکڑ کے درمیانی اراضیات کا تعلق ہے ملکی اراضیات میں ان کا فی صد ۷،۱۵ ہے لیکن کاشت شدہ اراضیات میں یہ فی صد بڑھ کر ۲۷ ہوجاتا ہے ! اسی طرح ۲۰ اور ۱۰۰ ایکڑ کے درمیانی اراضیات ایک میں ۹،۹ فی صد ہیں تو دوسرے میں ۶،۲ فی صد ہیں ! اس زیادتی کے یہ معنی ہیں کہ ملکی اراضیات کے مقابلے میں کاشت شدہ اراضیات میں نسبتاً وسیع اراضیات کی تعداد زیادہ ہے ۔ نہ صرف یہ بلکہ ملکی اراضیات کے مقابل کاشت شدہ اراضیات میں اوسط رقبہ فی اراضی بھی زیادہ ہے کیونکہ ملکی اراضیات میں اوسط رقبہ فی اراضی ۲۵،۳ یکڑ ہے تو کاشت شدہ اراضیات میں یہ اوسط ۸۸،۵ یکڑ رہتا ہے ۔

یہ چیز ہمارے لئے باعثِ تشفی ہے کہ ملکی اراضیات کے مقابل کاشت شدہ اراضیات نہ صرف نسبتاً وسیع ہیں بلکہ اوسط رقبہ فی اراضی بھی مقابلتاً زیادہ ہے لیکن جب ہم ہر دو قسم کی اراضیات کے انتشار پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ملکی اراضیات کے مقابل کاشت شدہ اراضیات میں انتشار کی حالت زیادہ رہتی ہے ۔ ذیل کے تقابلی اعداد ملاحظہ ہوں ۔

نوعیت اراضیات	تعداد اراضیات	
	ملکی	کاشت شدہ
وہ اراضیات جو ایک قطعہ پر مشتمل ہیں	۵۱	۳۴۶
وہ اراضیات جو دو مختلف قطعات پر مشتمل ہیں	۶۱	۳۱

نوعیت اراضیات	تعداد اراضیات	
	ملکی	کاشت شدہ
وہ اراضیات جو تین قطعات پر مشتمل ہیں	۳۵	۲۸
〃 〃 چار 〃 〃	۲۶	۲۷
〃 〃 پانچ 〃 〃	۲۳	۲۸
〃 〃 چھ 〃 〃	۹	۱۰
〃 〃 سات 〃 〃	۴	۹
〃 〃 آٹھ 〃 〃	۴	۸
〃 〃 نو 〃 〃	۴	۸
〃 〃 دس 〃 〃	۲	۸
〃 〃 دس سے زاید مختلف قطعات پر مشتمل ہیں	۵	۱۰
جملہ	۲۲۸	۱۹۳

مندرجہ بالا تقابلی اعداد سے واضح ہے کہ ملکی اراضیات کے مقابل کاشت شدہ اراضیات میں ایک اور تین قطعات پر مشتمل اراضیات کی تعداد کم ہے لیکن ۴، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰ اور زاید از دس قطعات پر مشتمل اراضیات کی تعداد میں نمایاں زیادتی ہوگئی ہے۔ ذیل میں ملکی اراضیات اور کاشت شدہ اراضیات میں انتشار کی حالت کا مختصراً مقابلہ کیا گیا ہے۔ ان اعداد کے ذریعہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ملکی اراضیات کے مقابل کاشت شدہ اراضیات میں انتشار کی حالت زیادہ ہے:-

اراضیات	فی صد ملکی اراضیات	فی صد کاشت شدہ اراضیات
۱۔ وہ اراضیات جو ایک قطعہ پر مشتمل ہیں۔	۲۲٫۴	۱۸٫۶
۲۔ 〃 〃 دو تا پانچ 〃 〃	۶۳٫۶	۵۳٫۹
۳۔ 〃 〃 چھ تا دس 〃 〃	۱۱٫۸	۲۲٫۳
۴ 〃 〃 زاید از دس 〃 〃	۲٫۲	۵٫۲
جملہ	۱۰۰	۱۰۰

ان اعداد سے واضح ہے کہ ملکی اراضیات کے مقابل کاشت شدہ اراضیات میں انتشار کی حالت زیادہ ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں اس طور پر بھی ملتا ہے کہ ملکی اراضیات میں فی اراضی اوسطاً ۵ء۳ مختلف قطعات پر مشتمل ہے لیکن کاشت شدہ اراضیات میں منتشر قطعات کا اوسط ۵ء۷،۴ رہتا ہے جو کہ ملکی اراضیات کے اوسط سے ۲ء۴۳ فی صد زیادہ ہے۔

واضح رہے کہ ملکی اراضیات کی تقسیم و انتشار سے اس قدر نقصان نہیں پہنچتا جس قدر کہ کاشت شدہ اراضیات کی تقسیم و انتشار سے[1]۔ کاشت شدہ اراضیات کی تقسیم و انتشار کا سب سے اہم نقصان یہ ہے کہ گوناگوں حالات (جن سے ہر ماہر معاشیات واقف ہے) کی بنا پر اخراجات کاشت بڑھ جاتے ہیں۔ اخراجات کاشت میں اضافہ کا مطلب یہ ہے کہ اسی تناسب سے آمدنیوں میں تخفیف ہو جاتی ہے موضع زیر بحث میں جملہ کاشت شدہ اراضیات کا لحاظ کرتے ہوئے چونکہ ۷۰،۴ فی صد اراضیات ۵ ایکر سے کم ہیں اور چونکہ ۲ء۷۶ فی صد اراضیات ۲ تا ۱۰ مختلف قطعات اور ۲ء۵ اراضیات زاید از دس قطعات پر مشتمل ہیں لہذا زرعی زمین، زرعی محنت اور زرعی اصل (جس میں مویشی اور آلات زراعت وغیرہ شامل ہیں) کے عدم تناسب کی وجہ سے مزارعین کے مصارف کاشت بڑھ جاتے ہیں، آمدنیوں میں تخفیف ہوتی ہے اور تخفیف آمدنی معیار زندگی کو متاثر کرتی ہے۔

---

[1] دیکھئے نقشہ نمبر (۳) جس میں چند کاشت کاروں کی اراضیات کے انتشار کو واضح کیا گیا ہے۔ اس انتشار سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مزارعین کو آلات کے لانے لیجانے تخم و کھاد کی حمل و نقل میں کھیتوں کی نگرانی کے ضمن میں کٹائی فصل کے بعد غلہ کو مکان منتقل کرنے میں کس قدر دقتیں نہ ہوتی ہوں گی حساب لگایا گیا ہے کہ قطعات کاشت میں ہر ۵۰۰ میٹر کے فاصلہ کی وجہ سے ہل چلائی اور دستی کام کے اخراجات ۳ء۵ فی صد بڑھ جاتے ہیں۔ کھاد کی حمل و نقل میں ۲۰ سے لیکر ۳۵ فی صد تک مصارف میں اضافہ ہوتا ہے۔ پیداوار کی باربرداری میں ۱۵ سے لیکر ۳۲ فی صد اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ (معاشیات ہند مصنفہ جتھار اینڈ بری جلد ایک ایڈیشن ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۹۹ دیکھئے)۔

چوتھی فصل

زرعی محنت

زرعی عوامل پیدائش میں سے ایک اہم عامل یعنے زرعی زمین کے بعض اہم حالات ہم گذشتہ فصل میں بتا چکے ہیں۔ اس فصل میں ہم ایک دوسرے عامل پیدائش یعنے زرعی محنت کا حال معلوم کریں گے۔ زرعی محنت سے ہماری مراد ہر وہ محنت ہے جو زرعی عمل پیدائش میں براہ راست مصروف کار ہو۔ ہر قسم کی محنت عام ازیں کہ وہ کسی آجر کی ہو یا مزدور کی زرعی محنت میں شامل ہو جاتی ہے لیکن ہم اپنی توجہ زرعی مزدوروں[1] تک محدود رکھیں گے۔

۱۔ مزدوروں کی تعداد۔ موضع ہذا میں جملہ مزدور پیشہ خاندانوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

	تعداد خاندان	تعداد نفوس	فی صد
وہ خاندان یا وہ نفوس جن کا اصل پیشہ مزدوری ہے	۳۶	۱۲۶	۱۱
وہ خاندان یا وہ نفوس جن کا اصل پیشہ مزدوری ہے لیکن جو ذیلی طور پر دیگر پیشہ بھی کرتے ہیں	۱۸	۵۴	۵
وہ خاندان یا نفوس جن کا اصل پیشہ تو کچھ اور ہے لیکن جو ذیلی طور پر مزدوری کرتے ہیں	۷۴	۳۸۳	۳۳

[1] دیکھئے تصاویر نمبر (۸)، (۹) اور (۱۰) زرعی مزدور مختلف کام انجام دے رہے ہیں۔

	تعداد خاندان	تعداد نفوس	فی صد	زرعی محنت
کل جملہ	۱۲۸	۵۶۳	۴۹	

مندرجہ بالا اعداد کا لحاظ کرتے ہوئے مزدور طبقہ کو دو طرح پر تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ جو کلاً مزدوری سے روزی حاصل کرتا ہے۔ دوسرے وہ جس کا تعلق مزدوری سے جزاً ہے۔ جزوی طور پر مزدوری سے استفادہ کرنے والے پھر دو طرح پر منقسم ہیں ایک وہ جو اپنی آمدنی کا بڑا حصہ مزدوری سے اور صرف قلیل حصہ دیگر پیشوں سے حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کی آمدنی کا بڑا حصہ تو دیگر پیشوں سے اور صرف قلیل حصہ مزدوری سے حاصل ہوتا ہے اس طرح مزدوری سے کلاً استفادہ کرنے والے افراد جملہ آبادی کا لحاظ کرتے ہوئے گیارہ فی صد قرار پاتے ہیں، اور جزاً استفادہ کرنے والے ۳۸ فی صد۔ ان ۳۸ فی صد افراد میں ۵ فی صد افراد کی آمدنی کا زیادہ حصہ مزدوری سے حاصل ہوتا ہے اور کم حصہ دیگر پیشوں سے۔ باقی ۳۳ فی صد افراد اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ تو دیگر پیشوں سے حاصل کرتے ہیں اور صرف قلیل حصہ مزدوری سے۔ بحیثیت مجموعی ۴۹ فی صد افراد کا تعلق کلی یا جزوی طور پر مزدوری سے ہے۔

مذکورہ مزدور طبقے اور ان کی خصوصیات

واضح رہے کہ متذکرہ ہر سہ قسم کے مزدوروں کی چند خصوصیات ہیں۔ مثلاً طبقہ اول کے مزدوروں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے بالعموم ذاتی زمین نہیں ہوتی جن افراد کے ہاں تھوڑی بہت زمین ہوتی ہے وہ بھی اسے قول[1] پر اٹھاتے یا بٹائی[2] پر دیتے ہیں اور صرف مزدوری کو اپنا مقصود اصلی بنائے رکھتے ہیں۔ ان افراد میں نہ صرف مرد مزدوری کے لئے جاتے ہیں بلکہ عورتیں بھی مزدوری کرتی ہیں۔

طبقۂ دوم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ہاں بالعموم تھوڑی بہت زمین ہوتی ہے اور یہ زمین

---

[1] قول پر اٹھانے سے یہ مراد ہے کہ پٹہ دار اپنی زمین کو ذاتی طور پر کاشت کرنے کی بجائے دوسرے شخص کو کاشت کے لئے دیتا ہے اور اس سے بطور حق مالکانہ کچھ رقم وصول کرتا ہے۔ اس قسم کے کاشتکار کو قول دار بھی کہتے ہیں۔ قول کی مختلف مدتیں ہوتی ہیں۔

[2] بٹائی کی شکل قول داری سے جداگانہ ہوتی ہے اس طریق کے تحت جملہ پیداوار کاشتکار اور زمیندار کے مابین حسب معاہدہ (عموماً نصف نصف) تقسیم ہوتی ہے۔

ذاتی طور پر کاشت کی جاتی ہے چونکہ اراضی بہت ہی ناقابل لحاظ ہوتی ہے لہٰذا اس طبقہ کے لوگ مزدوری ہی کو اپنا اصل پیشہ تصور کرتے اور ذیلی طور پر زراعت وغیرہ کرتے ہیں۔ اس طبقہ میں بھی مرد اور عورت (دونوں) مزدوری کے لئے جاتے ہیں۔

طبقۂ سوم کی خصوصیات طبقۂ اول اور دوم سے بالکل جداگانہ ہیں۔ اس طبقہ کے افراد کے ہاں کافی زمین ہوتی ہے لہٰذا مرد ذاتی زراعتی کاروبار میں مصروف رہتے ہیں اور بالعموم مزدوری کے لئے نہیں جاتے۔ البتہ ان کی عورتیں نہ صرف ذاتی کھیتوں پر کام کرتی ہیں بلکہ حسب حالات اندرون یا بیرون دیہات مزدوری کے لئے جاتی ہیں۔

مزدوروں کی تعداد بلحاظ جنس

جنسی تناسب کے لحاظ سے موضع ہٰذا میں مرد مزدوروں کے مقابل عورت مزدوروں کی تعداد زیادہ ہے۔ وجہ یہ کہ ۱۲۸ مزدور خاندانوں کے جو مزدوری سے کلاً یا جزاً مستفید ہوتے ہیں، منجملہ صرف ۵۴ خاندانوں کے مرد مزدوری کے لئے جاتے ہیں اور باقی ۷۴ خاندانوں کے مرد ذاتی زراعتی کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ برعکس اس کے جملہ ۱۲۸ خاندانوں کی عورتیں مزدوری کے لئے جاتی ہیں۔ اس طرح مرد مزدوروں کے مقابل عورت مزدوروں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔

مزدوروں کی تقسیم بلحاظ ذات

جہاں تک کہ مزدوروں کی ذات کا تعلق ہے ان کی سب سے بڑی تعداد نیچ ذات خاندانوں پر مشتمل ہے چنانچہ ۱۲۸ مزدور خاندانوں میں سے ۶۵ یا تقریباً ۵۱ فی صد خاندان نیچ ذات افراد سے متعلق ہیں۔ باقی ۶۳ یا ۴۹ فی صد خاندان مختلف ذاتوں مثلاً دیمرواڑ، متورواڑ، دھنگر، کولی اور بھوئی وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ واضح رہے کہ متورواڑ فرقے کے خاندانوں میں ایک بھی خاندان مزدور پیشہ نہیں، کیونکہ یہ دیہات کا سب سے خوش حال فرقہ ہے۔

مزدوروں کے متعلق چند ابتدائی امور معلوم کرنے کے بعد اب ہم ان کے مشاغل اجرت اور اس کی ادائی کے طریقے، اوقات کار اور کارکردگی کا حال معلوم کریں گے۔

مزدوروں کے مشاغل

موضع ہٰذا میں سال کے بارہ مہینے مزدوروں کے لئے کچھ نہ کچھ کام مہیا رہتا ہے۔ اگر اندرون دیہات کام نہ ملے تو مزدور بیرون دیہات چلے جاتے ہیں خصوصاً خالص زرعی مزدور کبھی بیکار نہیں رہتے۔ ذیل میں ہم یہ معلوم کریں گے کہ سال کے بارہ مہینے مزدور کیونکر اور کس طرح مختلف کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔

امرداد تا ختم دے (۷ رجون تا ۴ ردسمبر)
بارش کا آغاز ہوتے (۲۹ امرداد یا ۸ رجون سے بارش شروع ہوتی ہے) سے قبل کھیتوں کو کھاد ڈالنے کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ اکثر مزدور جنگلوں سے کانٹی لانے میں مصروف رہتے ہیں۔ آغاز بارش کے بعد اگر ایک طرف زمینات خریف کی ہل چلائی شروع ہو جاتی ہے تو دوسری طرف فصل آبی کی زمینات میں بھی ہل چلنے لگتے ہیں بعد ازآں فصول خریف و آبی کی اجناس کاشت ہونے لگتی ہیں جب کہ اجناس بوئی جاسکتی ہیں تو کلچائی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ وسط آبان (۲۱ ستمبر) تک جاری رہتا ہے۔ اس اثنا میں فصل خریف تیار ہو جاتی ہے لہذا مزدور اس کی کٹائی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد ہی آبی کی کٹائی بھی شروع ہو جاتی ہے اور اس کا سلسلہ ختم دے (۴ ردسمبر) تک جاری رہتا ہے۔

ابتدائے بہمن تا ختم تیر (۵ ردسمبر تا ۵ رمئی)
ابتدائے بہمن (۵ ردسمبر) سے فصل تابی کی تیاری شروع ہو جاتی ہے اور مزدور مختلف کاروبار مثلاً کھاد ڈالنے، کانٹی لانے، ہل چلانے، مینڈ تیار کرنے وغیرہ میں مصروف رہتے ہیں۔ ابتدائے اسفندار (۴ رجنوری) سے فصل تابی کی کاشت شروع ہو جاتی ہے اس اثنا میں تمباکو اور مرچ کی فصلیں بھی تیار ہو جاتی ہیں۔ لہذا مزدور اس طرف مصروف ہو جاتے ہیں۔ ادھر مرچ کی تڑدائی اور تمباکو کی کٹائی جاری رہتی ہے کہ ادھر دھانوں کی کلچائی شروع ہو جاتی ہے۔ اس اثنا میں گنے کی کٹائی کا آغاز بھی ہو جاتا ہے اس سلسلے میں بیرون دیہات یعنے محبوب نگر وغیرہ پر مزدوروں کی بہت مانگ رہتی ہے جب کہ گنے کی فصل کٹ چکتی ہے تو پھر اس کی تخم ریزی کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ خورداد (۷ راپریل) کے مہینے سے جوار کی کٹائی کا آغاز ہو جاتا ہے جوار کی کٹائی ختم ہوتے ہی فصل تابی کی کٹائی شروع ہو جاتی ہے اور ختم خورداد (یکم مئی) تک یہ کام جاری رہتا ہے۔

تیر (مئی) کے مہینے میں اکثر مزدور مکانات کی تعمیر میں مشغول ہو جاتے ہیں یعنے بیرون دیہات بیڑیوں کا پتہ توڑنے کے لئے چلے جاتے ہیں بعض مہوہ کا پھول چننے میں مصروف رہتے ہیں اور بعض جنگلی پھلوں کی تجارت کرتے ہیں۔ اس طرح تیر (مئی) کا پورا مہینہ ختم ہو جاتا ہے۔ ابتدائے امرداد (۷ رجون) سے پھر وہی کاروبار شروع ہو جاتے ہیں اور اس طرح سال کے بارہ مہینے مزدور کام میں مصروف رہتے ہیں۔

ادائی اجرت کے طریقے
ادائی اجرت کے تین طریقے مروج ہیں۔ اجرت بہ عمل، اجرت بہ وقت اور اجرت بہ کارکردگی۔

نور، مونگ، ولایتی مونگ اور مرچ کی تڑوائی کے وقت ہر مزدور کو مقدار کا لحاظ کرتے ہوئے زیادہ اور کم اُجرت دی جاتی ہے جس قدر زیادہ پھلیاں یا مرچ توڑی جائے اس لحاظ سے زیادہ اُجرت دی جاتی ہے، جس قدر کم مرچ یا پھلیاں توڑی جائیں اس تناسب سے کم اُجرت دی جاتی ہے اور یہی اُجرت بہ عمل ہے جب کہ دھانوں کی فصل کاٹنے کے بعد اکٹھا کی جاتی ہے اس وقت بھی اجرت بہ عمل دی جاتی ہے۔

برعکس اس کے تمباکو اور مرچ کی لگائی کے موقع پر اُجرت بہ وقت دی جاتی ہے یعنے اوقات مقررہ تک کام کرنے کے بعد مزدوروں کو اُجرت معینہ دی جاتی ہے۔ جہاں پر مقدار کار کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ ہل چلائی۔ مینڈ بندی۔ کھاد ڈلوائی۔ تخم ریزی کلچائی اور کٹائی کے موقعوں پر بھی اُجرتیں بہ لحاظ وقت دی جاتی ہیں۔

مرد اور عورتوں کی اُجرتیں اداکرتے وقت ان کی کارکردگی کا لحاظ کیا جاتا ہے چنانچہ مرد کو زیادہ اور عورت کو کم اُجرت دی جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عورتوں کے مقابل مردوں کی کارکردگی بالعموم زیادہ ہوتی ہے۔ بعض ایسے کاروبار بھی ہیں جن کو مرد اور عورت یکساں مہارت کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ مثلاً دھان کی کلچائی یا کٹائی! اس قسم کے کاروبار میں چونکہ مرد اور عورت تقریباً مساوی کام کرتے ہیں لہذا ہر دو کو مساوی اُجرتیں دی جاتی ہیں۔ اب مرد مزدوروں کو اس امر کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اس اُجرت پر عورتوں کے ساتھ کام کریں یا نہ کریں۔ مرد اس اُجرت پر اس وقت کام کرتے ہیں جب کہ انھیں بیکار رہنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اُجرت اور اس کی قسمیں

جہاں تک کہ نوعیت اُجرت کا تعلق ہے اس کو ہم دو طرح پر تقسیم کرسکتے ہیں۔ ایک اُجرت بہ شکل جنس، دوسرے اُجرت بہ شکل زر۔ موضوع ہذا میں ہر دو طریق یکساں طور پر مروج ہیں۔ تقریباً ہر فصل کے آغاز پر اُجرتیں عموماً زر کی شکل میں دی جاتی ہیں اور تقریباً ہر فصل کے اختتام پر اجرتوں کی ادائی بالعموم جنس کی شکل میں ہوتی ہے مثلاً فصل آبی و تابی کے آغاز پر اجرتوں کی ادائی عموماً زر کی شکل میں ہوتی ہے۔ جب کہ ان فصلوں کا اختتام ہوتا ہے تو بہ شکل جنس دی جاتی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ ابتدائے فصل کیفیات کسانوں کے ہاں ..... عموماً استقدر دھان نہیں ہوتے کہ اجرتوں میں ادا کئے جاسکیں برعکس اسکے ختم فصل پر انکے ہاں بالعموم استقدر روپیہ نہیں ہوتا جو مزدوریوں میں دیا جاسکے لہذا اجرتیں جنس کی شکل میں دی جاتی ہیں

لیکن اس ردعمل کی وجہ سے مزدور ہر وقت گھاٹے میں رہتے ہیں جس کی اہم وجہ زر کی قوت خرید میں اضافہ اور تخفیف ہے۔ آغاز فصل پر جب کہ دھان کا نرخ گراں ہوتا ہے بالفاظ دیگر جب کہ زر کی قوت خرید نسبتاً گھٹی ہوئی ہوتی ہے تو مزدوروں کو اُجرت بہ شکل زر دی جاتی ہے اور اختتام فصل پر جب کہ دھان کی قیمت ارزاں ہوتی ہے بالفاظ دیگر جب کہ زر کی قوت خرید بڑھی ہوئی ہوتی ہے تو مزدوروں کو اُجرت بہ شکل جنس دی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ اول الذکر حالات میں مزدوروں کو اُجرت بہ شکل جنس کم ملتی ہے اور آخر الذکر حالات میں اُجرت کی کمی زر کی شکل میں پائی جاتی ہے اور یہ کمی موثر طور پر اس وقت رونما ہوگی جب کہ مزدور متذکرہ اوقات پر اُجرت بہ شکل زر حاصل کر کے اس کو بہ صورت جنس تبدیل کریں (یعنے جنس خریدیں) یا جنس کی صورت میں اُجرت حاصل کر کے اس کو بہ شکل زر تبدیل کریں (یعنے جنس فروخت کر کے زر حاصل کریں) چنانچہ مزدوروں کو ایسی تبدیلی کی ضرورت عموماً لاحق ہوتی ہے اور وہ غیر محسوس طریقہ پر نقصان اٹھاتے ہیں۔

نوعیت اُجرت کا حال معلوم کرنے کے بعد اب ہم مقدار اُجرت کے حالات معلوم کریں گے۔

ذیل کی جدول میں بتلایا گیا ہے کہ مرد اور عورت مزدوروں کو جنس اور زر کی شکل میں اندرون اور بیرون دیہات کس قدر اُجرتیں دی جاتی ہیں:—

مقام	اُجرت بہ شکل جنس		اُجرت بہ شکل زر	
	مرد	عورت	مرد	عورت
اندرون دیہات	۳ سیر ۶ چھٹانک[1]	۲ سیر ۸ چھٹانک	۲/۸ سے ۴ ٹنک	۲/
بیرون دیہات	۴ سیر ۸ چھٹانک	۳ سیر ۶ چھٹانک	۴/ سے ۵/۴ ٹنک	۲/۴ سے ۳/۴ ٹنک

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ موضع ہذا میں اطراف و اکناف کے مواضعات کے مقابل مزدوریوں کی مقدار کم ہے۔ اندرون دیہات مرد کو تین سیر چھ چھٹانک دھان ملتے ہیں اور بیرون دیہات

[1] ایک سیر ۱۶ چھٹانک کے مساوی ہے۔

چار سیر آٹھ چھٹانک ۔ اسی طرح عورت مزدور کو اندرون دیہات دو سیر آٹھ چھٹانک اور بیرون دیہات تین سیر چھ چھٹانک ملتے ہیں ۔ یہی حال اُجرت بہ شکل زر کا ہے ۔ مندرجہ بالا نقشہ سے واضح ہے کہ رقمی اُجرتیں بھی بیرون دیہات نسبتاً زیادہ ملتی ہیں ۔ موضع زیر بحث میں دیگر مواضعات کے مقابل اُجرتوں کی مقدار اس لئے کم ہے کہ یہاں مزدور زیادہ تعداد میں موجود ہیں ۔

کام کے اوقات

صبح نو بجے مزدور کھیتوں پر کام شروع کر دیتے ہیں ۔ ایک بجے ایک گھنٹہ کا وقفہ دیا جاتا ہے ۔ دو بجے سے دوبارہ کام کا آغاز ہوتا ہے اور یہ سلسلہ چھ بجے تک جاری رہتا ہے ۔ اس طرح مزدور صبح نو بجے سے چھ بجے تک کام کرتے ہیں جس میں ایک گھنٹہ کھانے وغیرہ کے لئے ملتا ہے ۔ گویا مزدور منجملہ نو گھنٹوں کے ایک گھنٹہ آرام لیتے اور آٹھ گھنٹے کام کرتے ہیں ۔ چونکہ ہر دوسرے گھنٹہ کو مزدور چُٹا پینے کے لئے کچھ دیر بیٹھ جاتے ہیں لہٰذا اگر بہ حیثیت مجموعی آدھ گھنٹہ نکال دیں تو روزانہ کام کے گھنٹوں کی تعداد ۷½ رہتی ہے ۔

اکثر مزدور زیادہ اُجرت کی لالچ میں زیادہ عرصہ کام کرتے ہیں ۔ مثلاً صبح سات بجے کھیت کو جاتے اور شام میں چھ بجے تک کام کرتے رہتے ہیں ۔ گیارہ گھنٹوں میں سے دو گھنٹہ آرام کے ہوتے ہیں اور باقی نو گھنٹے کام رہتا ہے لیکن اس صورت میں عورتوں کو اندرون دیہات دو آنے کی بجائے تین آنے ۲ ٹھ پائی ملتے ہیں ۔ مردوں کے لئے چار آنے مقرر ہیں ۔ اگر بیرون دیہات اسی قدر کام کیا جائے تو عورت کو تین آنے چار پائی اور مرد کو پانچ آنے چار پائی ملتے ہیں ۔

بھگیلے اور زرعی ملازم ان کی اُجرتیں اور اوقات کار

یہاں تک تو ہم نے اُن مزدوروں کی اُجرتوں اور اوقات وغیرہ کا ذکر کیا جو اپنی اُجرت روز کے روز حاصل کر لیتے ہیں ۔ ان کے علاوہ موضع ہذا میں مزدوروں کا ایک دوسرا طبقہ وہ ہے جو کہ اپنی مزدوریاں روزانہ نہیں بلکہ ششماہی یا سالانہ حاصل کرتا ہے ۔ سالانہ مزدوریاں حاصل کرنے والے دو طرح پر منقسم ہیں ایک وہ جو اپنے آقا کے مقروض ہیں اور قرض کی ادائی کے تحت کام کر رہے ہیں ۔ دوسرے وہ جو اپنے مالک کے مقروض نہیں اور ہر وقت مقررہ تنخواہ حاصل کر لیتے ہیں ۔ اول الذکر افراد کو بھگیلوں[1] کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور آخر الذکر افراد زرعی ملازم

---

[1] قانون بھگیلگان ممالک محروسہ سرکار عالی میں بھگیلے کی تعریف اس طور پر کی گئی ہے :- " بھگیلے سے مراد وہ شخص ہے جو تحت شرائط معاہدہ بھگیلہ مزدوری سے کام کرنے کا ذمہ دار ہو ۔

مقرر کردیئے گئے ہیں موضع زیر بحث میں جملہ بیس بھگیلے اور دس زرعی ملازم ہیں۔ ذیل میں ہم بھگیلوں اور زرعی ملازموں سے متعلق بعض ضروری امور کی تشریح کریں گے۔

بھگیلوں کی قرض داری کا آغاز اکثر و بیشتر صورتوں میں شادی کی وجہ سے ہوتا ہے بھگیلا اس امید میں قرض حاصل کرتا ہے کہ ملازمت کے ذریعہ اس کو ادا کر کے آزاد ہو جائے گا لیکن اس آزادی کی بہت کم نوبت آتی ہے۔ جہاں ایک مرتبہ قرض لیا گیا تو پھر اس کا ادا ہونا محال ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ بھگیلوں کی ساری عمر اپنے مالکوں کی خدمت میں گذر جاتی ہے اور ادائے قرض کی نوبت نہیں آتی۔

اگر ایک شخص کسی بھگیلے کو قرض دے تو وہ اس سے وعدہ لیتا ہے کہ ایک مدت معینہ تک ملازمت کر کے قرض کی پابجائی کر دے۔ قرض لی ہوئی رقم شادی بیاہ میں صرف کر دی جاتی ہے اور بھگیلے کو خورد و نوش کے لئے کچھ نہیں رہتا، لہٰذا وہ انتہائی عاجزی کے ساتھ مالک سے مزید قرضہ حاصل کرتا ہے جب کہ پہلا قرض اسی طرح باقی تھا۔ جدید قرضہ پہ طرفین کے تعلقات کی بنا پر دو تا ڈھائی فی صد ماہانہ کے حساب سے سود لگایا جاتا ہے۔ اصل و سود کا حساب اس طرح چلتا رہتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد بھگیلے کو روپیوں کی مزید ضرورت لاحق ہوتی ہے اور وہ مالک تیسری مرتبہ قرض طلب کرتا ہے۔ مالک بھی روپیوں کی ادائی سے اس لئے انکار نہیں کرتا کہ بھگیلے پر قرض کی مقدار جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر مضبوطی کے ساتھ وہ اس کے دسترس میں رہے گا۔ لین دین کا حساب برسوں چلتا رہتا ہے۔ نہ قرض کی ادائی ہوتی ہے اور نہ بھگیلے کو چھٹکارا ملتا ہے۔ اکثر مالک بھگیلوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر معمولی طور پر ان کا استیصال کرتے ہیں۔

اب ہم یہ دریافت کریں گے کہ معمولی حالات کے تحت بھگیلے کو ملازمت کرنے کی وجہ سے ایک ایسے ملازم کے مقابلے میں جو قرضدار نہیں ہے۔ ماہانہ یا سالانہ کس قدر نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

بھگیلے کو ماہانہ ۴ روپیے (۴۳،۳ بی۔ جی جس کو کلدار کہا جاتا ہے) یا سالانہ ۴۸ روپیے (۷،۴۱،۳ کلدار) تنخواہ دی جاتی ہے برعکس اس کے زرعی ملازم کو جو کہ اپنے مالک کا مقروض نہیں ہوتا ماہانہ پانچ روپیے (۳۱،۴ کلدار) یا سالانہ ۶۰ روپیے (۲،۷،۵۱ کلدار) دئے جاتے ہیں۔ گویا بھگیلے کو زرعی ملازم کے مقابل سالانہ ۱۲ روپیے کم ملتے ہیں! اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ بھگیلے کو تنخواہ پیشگی دی جاتی ہے۔ جب کہ ایک بھگیلے کو ۶۰ روپیے کی بجائے ۴۸ روپیے تنخواہ ملے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ۴۸ روپیوں پر ایک سال میں بارہ روپیے سود ادا کر رہا ہے جس کی فی صد شرح سالانہ ۲۵ رہتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں

یوں کہا جا سکتا ہے کہ بھگیلے کو زرعی ملازم کی تنخواہ (۶۰ روپیہ) کے مقابلے میں ۲۰ فی صد کم تنخواہ محض اس لئے مل رہی ہے کہ وہ اپنے مالک کا قرضدار ہے۔ نہ صرف ایک یا دو سال کے لئے اس قدر کم تنخواہ لینا پڑتا ہے بلکہ اس کا سلسلہ سالہا سال جاری رہتا ہے۔ بعض صورتوں میں تا ختم عمر اسی تنخواہ پر گذر کرنی پڑتی ہے جس کی وجہ سے بھگیلا اور اس کے خاندان کی زندگی متاثر ہوتی ہے۔

جہاں تک کہ اوقات کار کا تعلق ہے ہر بھگیلہ زرعی ملازم کو صبح میں ناشتہ کے لئے (خواہ وہ ناشتہ کرے یا نہ کرے) ایک گھنٹہ اور دوپہر میں ایک گھنٹہ دیا جاتا ہے۔ شام میں سات بجے کے بعد دو ڈھائی گھنٹوں کی اجازت دی جاتی ہے۔ شام کے کھانے سے فارغ ہو کر نو ساڑھے نو تک مالک کے مکان کو واپس ہونا پڑتا ہے۔ واپسی کے بعد جانوروں کو چارہ ڈالا جاتا ہے اور بعد ازاں سو رہتے ہیں۔ دس بجے سے پانچ بجے تک سوتے ہیں۔ صبح پانچ بجے اٹھ کر جانوروں کو چارہ ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد کھیت کو چلے جاتے ہیں۔

موضع ہذا کے بھگیلوں اور زرعی ملازمین کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ منجملہ ۲۴ گھنٹوں کے چار یا زیادہ سے زیادہ پانچ گھنٹے اپنے مکان پر گذارتے ہیں۔ باقی ۱۹ گھنٹے مالک کے مکان یا کھیت پر صرف ہوتے ہیں۔ ان ۹ گھنٹوں کے منجملہ تقریباً سات گھنٹے سوتے ہیں اور باقی بارہ گھنٹے کچھ نہ کچھ کام کرتے رہتے ہیں۔ بارہ گھنٹوں میں سے کم از کم چھ گھنٹے محنت شاقہ کرتے ہیں اور چھ گھنٹے معمولی کام انجام دیتے ہیں۔

روزمرہ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کے مقابل بھگیلے اور زرعی ملازم چونکہ زیادہ کام کرتے ہیں لہذا انھیں مالک کی جانب سے تنخواہ کے علاوہ بعض اور چیزیں بھی دی جاتی ہیں مثلاً روزآنہ تقریباً ایک پیسہ کا تمباکو مفت دیا جاتا ہے مختلف تہواروں (مثلاً آردرا، باکاسی، پنچم، پولا، اپوڑسونی، دسہرہ، دیوالی، سنکرات، کامڑ پنم اور اگادی) کے موقع پر شام میں ایک وقت کا کھانا بھی دیا جاتا ہے۔ سال میں ایک مرتبہ چار پائلی[1] دھان اور ایک بھارہ[2] دیا جاتا ہے۔ ان تمام کی قیمت حسب ذیل پیش ہے:-

	روپیے	آنے
۱۔ روزآنہ ایک پیسہ کے حساب سے سالانہ تمباکو کی قیمت	۴	۱۲

---

[1] پائلی ایک قسم کا مروجہ ناپ ہے ایک پائلی چار سیر آٹھ چھٹانک پختہ کے مساوی ہوتی ہے۔

[2] بھارے سے مراد گٹھا ہے اس گٹھے کو دھان لگے ہوتے ہیں۔

۲۔ فی تہوار اوسطاً ۱/۶ پائی کا کھانا دیا جاتا ہے اس طرح دس تہواروں کے موقع پر جملہ دس کھانوں کی قیمت . . . . آنے ۱۵

۳۔ سالانہ چار پائلی اور ایک بھارہ دھان کی قیمت بہ نرخ مروجہ ۱۴

جملہ . . . . ۵ روپیہ ۹ آنے

اس طرح ظاہر ہے کہ بھگیلے اور زرعی ملازم کو مقررہ تنخواہ کے علاوہ دیگر طور پر سے سالانہ پانچ روپیہ نو آنے دیئے جاتے ہیں اس لحاظ سے ایک زرعی ملازم کی اجرت صحیحہ سالانہ (۶۰ + ۵ روپیہ نو آنے) پینسٹھ روپیہ نو آنے ہوتی ہے جب کہ ایک بھگیلہ کو (۴۸ جمع ۵ روپیہ نو آنہ) ترپن روپیہ نو آنے ملتے ہیں۔ بالفاظ دیگر زرعی ملازم کو روزآنہ اوسطاً ۲ آنے تقریباً ۱۱ پائی ملتے ہیں۔ بھگیلے کی روزآنہ اوسطاً اجرت ۲ آنے اور تقریباً ۵ پائی رہتی ہے۔

بلحاظ کلدار (بی۔جی) زرعی ملازم کی اجرت صحیحہ (۵۶۶۴۹) روپیہ ہے۔ بھگیلے کو ۴۶۱۱۷ روپیہ ملتے ہیں۔ ہر دو کی روزآنہ اوسط اجرت صحیحہ (بشکل کلدار) بالترتیب ۲۱۵ اور ۲۰۰۵ آنے ہے۔ ان حالات کے تحت ہم یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ مزدوروں کو (خواہ وہ روز کے روز اجرت پانے والے ہوں یا ششماہی یا سالانہ اجرت حاصل کرتے ہوں۔) بہت ہی معمولی اجرتیں ملتی ہیں۔[1] ذیلی اجرتوں کا بالواسطہ اثر ان کی قوت کارکردگی پر پڑتا ہے

مزدور اور ان کی کارکردگی

واضح رہے کہ مزدوروں (خواہ وہ بھگیلے ہوں یا زرعی ملازم یا روز کے روز اجرت حاصل کرنے والے) سے متعلق اہم مسئلہ ان کی کارکردگی کا ہے۔ مانا کہ ہم مزدوروں کی گرتی ہوئی کارکردگی کو ثابت کرنے کے لئے کسی قسم کے اعداد نہیں پیش کر سکتے۔ لیکن اس کے باوجود بلا کسی خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مزدوروں کی قوت کارکردگی نسلاً بعد نسل گھٹتی چلی آرہی ہے۔ خود مزدوروں کو اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ اس قدر کام نہیں کر سکتے۔ جسقدر کہ ان کے اباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ان کے قوائے جسمانی بھی اسقدر بھی مضبوط نہیں جیسے کہ ان کے ابا و اجداد کے تھے۔ مزید برآں گذشتہ زمانے میں ساٹھ ستر سال کے بوڑھے اچھی طرح ہل چلائی کا کام کرتے تھے لیکن آج ایک بھی بوڑھا ایسا نظر نہیں آتا جو اس عمر میں ہل چلائی جیسے محنت طلب کام کو انجام دے سکے۔

---

[1] روز کے روز اجرت پانے والے مرد مزدوروں کو کم سے کم ۲۴/۲ اور زیادہ سے زیادہ ۵۷/۳ آنے کلدار ملتے ہیں۔ اسیطرح عورتوں کو کم سے کم ۱۷۵/۱ اور زیادہ سے زیادہ ۲۸۵/۵ آنے کلدار اجرت ملتی ہے۔ ایک روپیہ کلدار مساوی ہے ایک روپیہ دو آنے چار پائی حالی کے۔

ان بیانات کی بنا پر اور مزدوروں کے معمولی قویٰ کو دیکھتے ہوئے ہم یہ رائے قائم کرسکتے ہیں کہ واقعتاً مزدوروں کی کارکردگی نسل ہائے سابق کے مقابل گھٹ گئی ہے۔ مانا کہ سابقہ مزدوروں کی طرح موجودہ مزدور بھی تقریباً آٹھ گھنٹے کام کرتے ہیں لیکن اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ موجودہ مزدوروں اور سابقہ مزدوروں (۲-۳ نسل قبل کے مزدور) کی کارکردگی مساوی ہے۔ ایک تنومند اور قوی ہیکل شخص جس کام کو ایک گھنٹہ میں کرسکتا ہے ایک نحیف اور لاغر شخص بہت ممکن ہے کہ اسی کام کو ڈیڑھ یا دو گھنٹے میں انجام دے۔ جب کہ دونوں مزدور آٹھ گھنٹے کام کریں تو لازمی طور پر ایک کا کام دوسرے کے مقابل بہت بڑھا ہوا ہوگا۔ کیوں کہ دونوں نے مساوی وقت کام کیا ہے۔ موجودہ مزدور اپنے اسلاف کی طرح روزآنہ تقریباً آٹھ گھنٹے کام کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی کارکردگی ان کے اسلاف کے مقابل گھٹ گئی ہے۔

تخفیف کارکردگی اور اسکے وجوہ | لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کارکردگی میں اس تخفیف کے کیا وجوہ ہیں۔

تخفیف کارکردگی کی سب سے اہم اور بنیادی وجہ غیر صحت بخش اور ناکافی غذا ہے (بچپن کی شادی بھی کمزوری نسل کا ایک اہم سبب ہے) تقریباً تمام مزدوروں کو نہ صرف کم پیٹ غذا ملتی ہے بلکہ جس قسم کی غذا وہ استعمال کرتے ہیں اس میں اسقدر اجزائے غذائیت نہیں ہوتے جو کہ جسم کے روز مرہ مطالبات کارکردگی کو پورا کرسکیں۔ جسم کے مطالبات کارکردگی سے ہماری مراد مختلف اجزائے غذائیت کی وہ مناسب مقداریں ہیں جو کہ تھکے ہوئے جسم کے اضمحلال کو دور کرتی اور اس کو دوبارہ کام کرنے کے قابل بناتی ہیں۔[۱]

لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مزدوروں کو حسب ضرورت اور صحت بخش غذا کیوں نہیں ملتی۔

اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ ان کی آمدنی ادنی اور معمولی ہوتی ہے جس کے ذریعہ نہیں نہ صرف اپنا پیٹ پالنا پڑتا ہے بلکہ چند نیم کارگذار افراد کی بھی پرورش کرنی پڑتی ہے۔ جہاں تک کہ خالص مزدور پیشہ خاندانوں کا تعلق ہے فی خاندان اوسط تعداد نفوس تقریباً چار ہے۔[۲] اُن مفروضوں کے تحت جن کے ذریعہ موضع ہذا کی کارگذار آبادی معلوم کی گئی ہے ایک خالص مزدور پیشہ خاندان اوسطاً دو کارگذار۔ ایک نیم کارگذار

---

[۱] دوسری فصل میں صفحہ (۱۹) دیکھئے جہاں ضروری اجزائے غذائیت کی وضاحت کی گئی ہے۔
[۲] پہلی فصل میں صفحہ (۱۳) دیکھئے۔

اور ایک غیر کارگذار فرد شامل ہے۔ فرض کیجئے دو کارگذار افراد میں ایک جوان مرد ہے اور ایک جوان عورت۔ نیم کارگذار فرد ایک دس برس کا لڑکا ہے۔ اور غیر کارگذار فرد اندرون دو سالہ لڑکی ہے۔

اگر کارگذار مرد کو ۴/ آنے اور کارگذار عورت کو ۲/۸ پائی۔ نیم کارگذار فرد کو ا/۳ پائی (دس برس کے لڑکے کی اوسط اجرت سے زائد نہیں ہوتی) ملیں تو خاندان کی مجموعی آمدنی ۸/ آنے ہوگی۔[1] اس قلیل آمدنی میں خاندان کی جملہ احتیاجات کی تکمیل ہونی چاہیئے۔ دیگر مجبوریوں مثلاً ادائی سود وغیرہ کے مدنظر ایک خستہ حال خاندان فی یوم فی کس روزآنہ ایک آنہ چھ پائی سے زائد غذا پر صرف نہیں کرسکتا۔[2] نتیجہ یہ کہ غذا نہ صرف کم پیٹ ملتی ہے بلکہ غیر صحت بخش ہوتی ہے۔ ناکافی اور غیر صحت بخش غذا کے مسلسل استعمال سے والدین کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ کمزور والدین کی اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ جاری رہتا ہے۔

آئندہ نسل پر اس میں شک نہیں کہ باپ اور ماں ہر دو کے قویٰ کا اثر ضرور پڑتا ہے لیکن مزدوروں کی حد تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ بالعموم باپ سے کہیں زیادہ ماں کی بدولت بچے کے قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ مزدور عورتیں اگر ایک طرف محنت شاقہ کرتی ہیں تو دوسری طرف انہیں پیٹ بھر اور صحت بخش غذا بھی نہیں ملتی جب کہ وہ حاملہ رہتی ہیں تو کثرت کار، ناکافی اور غیر صحت بخش غذا کا مخالف اثر حمل (جنین) کی نشو نما پر پڑتا ہے۔ اور بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے۔ تولد کے بعد بھی بچے کی نشو نما ایک صحت بخش معیار پر نہیں ہوتی جس کی ایک[3] اہم وجہ یہ ہے کہ ماں (جو کہ دودھ پلاتی ہے) کی غذا میں کیلشیم کی معمولی مقدار (۰.۶۸ گرامس) بھی نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ حاملہ عورتوں

---

[1] خاص خاص حالات کے تحت مرد اور عورت مزدوروں کی آمدنی اس اجرت سے کم اور زائد بھی ہوسکتی ہے۔ بہ نظر سہولت درمیانی اجرتیں شمار کی گئی ہیں۔

[2] دوسری فصل میں صفحہ (۲۴) دیکھیئے۔ جس میں فی کس اشیائے خوراک و اخراجات کی وضاحت کی گئی ہے۔ واضح ہو کہ یہاں پر ہم نے لڑکے اور لڑکی کے روزآنہ اخراجات خوراک بھی ا/۶ پائی فرض کئے ہیں۔

[3] ہم نے ایک مرد اور عورت کی ماہانہ غذا کا حساب لگا کر روزآنہ اوسط غذا میں کیلشیم کی مقدار دریافت کی ہے جو کہ ۰.۵ گرامس سے زیادہ نہیں ہے۔ علاوہ ہیلتھ بلیٹن نمبر (۲۳) مطبوعہ حکومت ہند ۱۹۳۷ء کے صفحہ (۹) پر بتلایا گیا ہے کہ ایک حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو ۰.۶۸ گرامس سے بھی زیادہ مقدار کیلشیم ملنا چاہیئے۔

اور دودھ پلانے والی ماؤں کو معمولی مقدار کیلشیم (۶۸ و۰ گرام) سے زیادہ مقدار ملنی چاہیئے۔ اگر ماں کو کافی مقدار میں کیلشیم حاصل نہ ہو تو بچہ اس کیلشیم کو چوس لیتا ہے جو کہ ماں کے ہڈیوں میں موجود رہتی ہے جس کی وجہ سے نہ صرف ماں بلکہ بچہ کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ جب کہ بچہ ڈیڑھ ایک سال کا ہو جاتا ہے تو غیر معتدل غذا کی بھرمار شروع کر دیجاتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ دیگر اصحاب کے مقابل بچوں کا پیٹ عموماً بڑھ جاتا ہے اور جملہ اعصاب متناسب طور پر بڑھنے نہیں پاتے۔ اس کا اثر آئندہ زندگی پر پڑتا ہے۔ لہٰذا نسل بہت کمزور ہو جاتی ہے اور قوت کارکردگی میں نمایاں فرق ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ یہ چیز اب بھی رو بہ عمل ہے۔

نہ صرف مزدور بلکہ جملہ باشندوں کی گرتی ہوئی قوت کارکردگی کو سنبھالنے کا مسئلہ بہت ہی اہم اور توجہ طلب ہے۔



پانچویں فصل

زرعی اصل

زرعی عاملین پیدایش میں سے دو اہم عوامل یعنی زرعی زمین اور زرعی محنت کا حال معلوم کرنے کے بعد اب ہم ایک تیسرے عامل یعنی زرعی اصل کا حال بتلائینگے۔ زرعی اصل کو ہم نے دو طرح پر تقسیم کیا ہے۔ (۱) زرعی اصل قائم۔ (۲) زرعی اصل دائر۔ اصل قائم میں (الف) مویشی (ب) آلات زراعت اور (ج) مصنوعی ذرائع آبپاشی کو شامل کیا گیا ہے۔ اصل دائر میں (الف) کھاد اور (ب) تخم شامل ہیں۔ اولاً ہم اصل قائم کے حالات معلوم کرینگے۔

(الف) مویشی

۱۔ زرعی اصل قائم | ۱۳۴۷ف (مطابق ۶ر اکتوبر ۱۹۳۷ء تا ۵ر اکتوبر ۱۹۳۸ء) کی جانور شماری کے[۱] مطابق موضع ہذا کے جملہ مویشی ۱۶۹۲ ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ زرعی جانور (۹۷۵)				۲۔ غیر زرعی جانور (۷۱۷)		
(۱) براہ راست مدد دینے والے		بالواسطہ مدد دینے والے				
بیل	بھینسے	گائے	بھینس	مینڈھے وغیرہ	گدھے	گھوڑے
۴۰۵	۶۵	۴۱۶	۸۹	۶۸۰	۳۵	۲
۲۴ فیصد	۴ فیصد	۲۵ فیصد	۵ فیصد	۴۰ فیصد	۲ فیصد	۱۰۰ فیصد[۲]

[۱] ۔ جانور شماری بذات خود کیگئی ہے۔ [۲] ۔ یہ اعداد نظرانداز کردیے گئے ہیں۔

مندرجہ بالا نقشہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مویشیوں کی تقسیم دو طرح پر کی گئی ہے۔ (۱) مزرعی (۲) غیر زرعی زرعی جانوروں کو پھر دو طرح پر تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) ایک وہ جانور جو زراعت میں براہ راست مدد دیتے ہیں۔ (۲) وہ جانور جو بالواسطہ مدد دیتے ہیں براہ راست مدد دینے والے جانوروں میں بیل اور بھینسے شامل ہیں۔ بالواسطہ مدد دینے والے جانوروں میں گائے اور بھینس شامل کئے گئے ہیں۔

بیل — منجملہ ۴۰۵ بیلوں کے ۱۰۷ یا ۲۶ فیصد جانوروں سے کوئی کام نہیں لیا جاتا اسلئے کہ ان کی عمر چار سال سے کم ہے باقی ۲۹۸ یا ۷۴ فیصد بیل مصروف کار ہیں۔ لیکن بلحاظ عمر ان کے کام کی نوعیت جداگانہ ہوتی ہے۔ چار تا سات سال کی عمر تک ٹھیک کام کرتے ہیں۔ سات اور دس سال کی عمر کے مابین کام کی رفتار نسبتاً سست ہو جاتی ہے۔ دس سال کے بعد یہ رفتار بہت ہی سست ہو جاتی ہے اکثر جانور تو بالکل از کار رفتہ ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان سے کام لیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہو جاتے ہیں مصروف کار بیلوں کی ذیل میں عمر وار تقسیم کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں بوڑھے جانور کس قدر ہیں۔[۵۱]

	تعداد	فیصد
الف۔ وہ بیل جنکی عمر ۴ اور ۷ سال کے درمیان ہے	۶۰	۲۰
ب۔ " " " ۷ " ۱۰ " " "	۱۵۰	۵۰
ج۔ " " " ۱۰ " ۱۳ " " "	۸۸	۳۰
جملہ	۲۹۸	۱۰۰

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ۳۰ فیصد بیل (جن کی عمر دس اور تیرہ سال کے درمیان ہے) بوڑھے ہیں۔ یہ بیل نسبتاً بہت ہی لاغر اور کارکردگی کے لحاظ سے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ نہ صرف بوڑھے جانور نحیف و لاغر پائے جاتے ہیں بلکہ کم عمر جانوروں کی ایک قابلِ لحاظ تعداد بھی پوست و استخوان نظر آتی ہے۔ بلحاظ ضخامت اور قوت کارکردگی ہم نے جملہ مصروف کار بیلوں کی درجہ بندی کی ہے۔

۵۱۔ دس سال بعد جانور کو بوڑھا شمار کیا جاتا ہے۔

ملن جانوروں کو قسم اول میں شامل کیا گیا ہے جو کہ جسیم اور مضبوط ہیں ۔ وہ جانور جو کہ متوسط قسم کے ہیں درجہ دوم میں رکھے گئے ہیں ۔ جن جانوروں کی حالت بہت ہی خراب ہے انہیں درجہ سوم میں شامل کیا گیا ہے[1]
ہماری اس تقسیم کے مطابق منجملہ ۲۹۸ مصروف کار بیلوں کے ۵۰ یا ۱۷ فیصد اول قسم کے ہیں ۔ ۱۲۲ یا ۴۱ فیصد دوم قسم کے اور باقی ۱۲۶ یا ۴۲ فیصد سوم قسم کے ہیں ۔

قسم اول کے جانوروں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوم اور سوم قسم کے جانوروں کے مقابل بہت جسیم ہوتے ہیں ۔ نسبتاً جلد کام کرنے کے قابل ہوتے اور زیادہ عرصہ تک کام کرتے رہتے ہیں ۔ مزید براں یہ جانور فی یوم ہل چلائی کا کام بھی زیادہ کرتے ہیں ۔ ذیل کے تختہ میں ہم نے بتلایا ہے کہ متذکرہ ہر سہ قسم کے مویشی کس کس عمر میں کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں ۔ کس عمر تک کام کر سکتے اور روزانہ (فی جوڑ بیل) کسقدر خشک یا تر زمین کی ہل چلائی کر سکتے ہیں ۔

قسم بیل	وہ عمر جب کہ وہ کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں	کتنے عرصہ تک کام کر سکتے ہیں	فی یوم ۔ فی جوڑ بیل ہل چلائی کی وسعت (گنٹوں میں) تری	خشکی
اول	۴ سال	۹ سال	۳۰ گنٹے[2]	۲۰ گنٹے
دوم	۵ سال[3]	۷ سال	۲۵ گنٹے	۱۵ گنٹے
سوم	۵ سال	۵ سال	۱۵ گنٹے	۱۰ گنٹے

مندرجہ بالا اعداد سے واضح ہے کہ درجہ اول کے مویشی دوم اور سوم قسم کے مویشیوں کے مقابل ہر لحاظ سے بڑھے ہوئے ہیں خصوصاً درجہ اول اور سوم کے مویشیوں کی کارکردگی میں ۵۰ فیصد فرق نظر آتا ہے ۔

---

[1] تصاویر نمبر (۱۱) ۔ (۱۲) اور (۱۳) دیکھئے ۔ [2] ۔ ایک یکر ۴۰ گنٹوں کے مساوی ہوتا ہے ۔

[3] ۔ اس میں شک نہیں درجہ سوم اور دوم کے بیل پانچ سال کی عمر میں کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں لیکن عموماً چار سال کی عمر ہی سے کام لیا جانے لگتا ہے نتیجتاً انکی قوت نسبتاً سرعت کے ساتھ گھٹتی ہے ۔

بھینسے ـــــ موضع ہذا میں بھینسوں سے بہت کم کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کی تعداد بھی صرف ۶۵ ہے۔ منجملہ ۶۵ بھینسوں کے ۱۷ یا ۲۶ بھینسے ناقابل کار ہیں اسلئے کہ ان کی عمر ۴ سال سے کم ہے۔ باقی ۴۸ یا ۷۴ فیصد بھینسے مصروف کار ہیں۔ مصروف کار بھینسوں کی عمروار تقسیم حسب ذیل ہے۔

	تعداد	فیصد
الف۔ وہ بھینسے جن کی عمر ۴ اور ۷ سال کے درمیان ہے	۱۱	۲۴
ب۔ " " " " ۷ " ۱۰ " " "	۱۸	۳۷
ج۔ " " " " ۱۰ " ۱۳ " " "	۱۹	۴۰
جملہ۔	۴۸	۱۰۰

مندرجہ بالا اعداد سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ منجملہ ۴۸ بھینسوں کے ۱۹ یا ۴۰ فیصد بھینسے بوڑھے ہیں۔

بیلوں کی طرح ہم نے بھینسوں (مصروف کار) کی بھی درجہ بندی کی ہے۔ اس درجہ بندی میں بھی انہیں امور کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو کہ بیلوں کی درجہ بندی کے پیش نظر تھے۔ منجملہ ۴۸ بھینسوں کے ۲۰ یا ۲۰ فیصد بھینسے درجہ اول کے ہیں۔ ۱۵ یا ۳۱ فیصد درجہ دوم کے اور باقی ۲۳ یا ۴۹ فیصد درجہ سوم کے ہیں[51]۔ حسب ذیل اعداد کے ذریعہ بتلایا گیا ہے کہ متذکرہ ہر سہ قسم کے بھینسے کس عمر میں کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں کس وقت تک کام کر سکتے اور فی یوم (فی جوڑ) کسقدر خشک یا تر زمین کی ھل چلائی کر سکتے ہیں[52]۔

بھینسوں کی قسم	وہ عمر جب کہ وہ کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں	کتنے عرصہ تک کام کر سکتے ہیں	فی یوم فی جوڑ ھل چلائی کی وسعت (گنٹوں میں)	
			تری	خشکی
اوّل	۴ سال	۹ سال	۲۰ گنٹے	۲۰ گنٹے
دوم	۵ سال	۷ سال	۱۵ گنٹے	۱۵ گنٹے
سوم	۵ سال	۵ سال	۱۰ گنٹے	۱۰ گنٹے

ـــــ
۵۱۔ تصاویر کی زیادتی کی وجہ سے بھینسوں کی تصویریں توضیع نہیں کی گئی۔

۵۲۔ اس جدول سے اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ بھینسوں کے مقابل بیل زیادہ کام کرتے ہیں۔

درجہ اول اور سوم قسم کے بیلوں کی کارکردگی کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم نے دیکھا تھا کہ درجہ اول کے بیلوں کے مقابل درجہ سوم کے بیلوں کی کارکردگی تقریباً ۵۰ فیصد گھٹی ہوئی تھی۔ چنانچہ درجہ اول کے بھینسوں کے مقابل درجہ سوم کے بھینسوں کی کارکردگی بھی تقریباً ۲۰ فی صد کم ہے۔

یہاں تک تو ہم نے بیلوں اور بھینسوں کے حالات کا جدا جدا طور پر مطالعہ کیا لیکن اگر ہم بحیثیت مجموعی ان کے حالات کا مطالعہ کریں تو حسب ذیل نتائج برآمد ہونگے۔

	تعداد	فیصد
۱۔ وہ بیل اور بھینسے جن سے کم عمری کی بنا پر کام نہیں لیا جاتا	۱۲۴	۲۶،۴
۲۔ وہ بیل اور بھینسے جواب مصروف کار ہیں	۳۴۶	۷۳،۶
جملہ	۴۷۰	۱۰۰

منجملہ ۳۴۶ مصروف کار جانوروں کے ۶۰ یا ۱۷ فیصد درجہ اول کے جانور ہیں ۳۸ یا ۴۰ فیصد درجہ دوم کے ۱۴۸ یا ۴۳ فیصد درجہ سوم کے۔ اسطرح ہم دیکھ رہے ہیں کہ مصروف کار جانوروں میں کثیر تعداد ان جانوروں کی ہے جن کی کارکردگی بہت ہی خراب ہے۔ نتیجہ یہ کہ ادنیٰ کارکردگی والے مویشیوں اور غیر معاشی اراضیات کی زیادتی کی وجہ سے فی اوتہ (مقامی زبان میں ایک اوتہ ایک جوڑ بیل کو کہا جاتا ہے) کاشت شدہ رقبے کا اوسط گھٹ جاتا ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۳۴۷ف (مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء تا ۵ اکتوبر ۱۹۳۸ء) کے رقبہ مزروعہ (۱۲۱۸) ایکر کا لحاظ کرتے ہوئے اوسط مزروعہ رقبہ فی اوتہ سات ایکر سے زاید نہیں۔ حالانکہ خود تلنگانے کے بعض اضلاع میں یہ اوسط کافی زاید ہے۔ مثلاً اطراف بلدہ میں اوسط کاشت شدہ رقبہ فی جوڑ مویشی ۳،۳ ایکر ہے۔ محبوب نگر میں یہ اوسط ۲،۵ ایکر ہے۔ عادل آباد میں ۹ ایکر اور کریم نگر و ورنگل میں ۶،۸ ایکر ہے۔ اضلاع مرہٹواڑی میں یہ اوسط بہت زیادہ ہے مثلاً عثمان آباد میں ۲۲،۲ ایکر ہے ناندیڑ و رائچور میں ۲۰ ایکر اور نگ آباد و پربھنی میں ۱۸ ایکر اور گلبرگہ میں ۱۶،۶ ایکر ہے[۱]۔ تلنگانہ کے مقابل مرہٹواڑی میں اوسط رقبہ فی جوڑ مویشی زاید ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تلنگانہ کے مقابل مرہٹواڑی کے بیل بالعموم بہت ہی مضبوط ہوتے ہیں۔

---

[۱] رپورٹ بہائم شماری ممالک محروسہ سرکار عالی بابتہ سنہ ۱۳۴۳ف (صفحہ ۱۷)

گائے ۔ یہاں تک تو ہم نے ان جانوروں کی تعداد اور کارکردگی کا حال معلوم کیا جو کہ زراعت میں براہ راست مدد دیتے ہیں ۔ اب ہم بالواسطہ مدد دینے والے جانوروں (گائے اور بھینس) کے حالات بیان کرینگے ۔

سابق میں ہم نے بتلایا ہے کہ گائے اور بھینس زراعت میں بالواسطہ طور پر مدد دینے والے جانور ہیں بھینس کے مقابل گائے کو زیادہ اہمیت حاصل ہے ۔ کیوں کہ گائے زراعت کیلئے بیل پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں ۔ کس مقام کی گائیں جسقدر عمدہ ہونگی اسی تناسب سے بیل بھی اچھی قسم کے حاصل ہونگے حقیقت تو یہ ہے کہ بیلوں سے زیادہ گائیوں کی نگہداشت کی جانی چاہیئے کیونکہ اچھی گائیوں سے اچھے بیل حاصل ہوتے ہیں اور اچھے بیلوں سے اچھی زراعت ہو سکتی ہے ۔

لیکن اس اہمیت کے باوجود سب سے زیادہ لاپرواہی گائیوں کے ساتھ کیجاتی ہے ۔ ان کے رکھ رکھاؤ کا انتظام بہت ہی غیر اطمینان بخش ہوتا ہے ۔ یا تو انہیں زیر سما باندھ دیا جاتا ہے یا اس قسم کے سائبان کے نیچے باندھا جاتا ہے جس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہے[۵۱] ۔ جن اشخاص کے ہاں نسبتاً اچھی قسم کے کوٹھے[۵۲] ۔ (کوٹھے سے مراد وہ مقام ہے جہاں جانوروں کو باندھا جاتا ہے ۔) ہیں ۔ ان میں گائیوں کو اس بری طرح بھر دیا جاتا ہے کہ سانس لینے کو مشکل ہوا مل سکتی ہے ۔ نہ صرف گائیوں کے رکھ رکھاؤ میں انتہائی تغافل سے کام لیا جاتا ہے بلکہ انہیں پیٹ بھر چارہ بھی نہیں دیا جاتا ۔ یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ گائیں تمام دن جنگل میں چر کر اپنا پیٹ بھر لیتی ہیں ۔ حالانکہ یہ مفروضہ کلیتہً صحیح نہیں ۔ اسمیں شک نہیں کہ موسم باراں میں جنگل چارے سے بھرے ہوتے ہیں لیکن دیگر موسموں میں بہت کم چارہ دست یاب ہوتا ہے ان حالات کے تحت تقریباً تمام گائیوں کی پرورش نیم شکم غذا پر ہوتی ہے ۔ نتیجہ یہ کہ نسلاً بعد نسل گائیوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے ۔ چنانچہ بلحاظ جسامت اور کارکردگی موجودہ گائیوں کی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ ہے ۔

---

۵۱ ۔ دیکھئے تصویر نمبر (۱۸) نہایت ادنیٰ قسم کا کوٹھا ۔

۵۲ ۔ دیکھئے تصویر نمبر (۱۹) نسبتاً بہتر قسم کا کوٹھا ۔

بیلوں اور بھینسوں (نر) کی طرح ہم نے گائیوں کی بھی درجہ بندی کی ہے۔ لیکن یہاں تین کی بجائے چار درجے کر دیئے گئے ہیں۔ درجہ چہارم میں ان گائیوں کو رکھا گیا ہے جو کہ بہت ہی لاغر ہوتی ہیں اور جنہیں محض کھاد حاصل کرنے کی خاطر رکھا جاتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ان گائیوں کے وجود سے قلت چارہ کا مسئلہ اہم تر ہو جاتا ہے منجملہ ۴۱۶ گائیوں کے ۱۴۱ یا ۳۴ فیصد گائیوں کی عمر ۴ سال سے کم ہے۔ باقی ۲۷۵ یا ۶۶ فیصد گائیوں کی عمر چار سال اور اس سے زاید ہے۔ چار سال اور زاید از چار سال عمر والی گائیوں کی درجہ بندی[1] حسب ذیل ہے۔

	تعداد	فیصد
الف۔ گائے درجہ اول	۱۵	۵
ب۔ گائے درجہ دوم	۷۵	۲۷
ج۔ گائے درجہ سوم	۱۰۵	۳۸
د۔ گائے درجہ چہارم	۸۰	۳۰
جملہ	۲۷۵	۱۰۰

گائیوں کی کارکردگی کا اندازہ اگر ایک طرف مندرجہ صدر اعداد کے ذریعہ سے کیا جا سکتا ہے تو دوسری طرف حسب ذیل اعداد بھی ان کی کارکردگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

قسم گائے	روزآنہ دودھ کی تعداد: صبح	شام	جملہ	وہ عمر جبکہ بچہ دینے کے قابل ہوتی ہیں	جس عمر تک بچہ دے سکتی ہیں	اپنی زندگی میں کسقدر بچے دیتی ہیں
اول	آدہ سیر	تین پاؤ	سوا سیر	۴	۱۲	۵
دوم	پاؤ سیر	ڈیڑھ پاؤ	ڈھائی پاؤ	۵	۱۱	۴
سوم	-	پاؤ سیر	پاؤ سیر	۵	۱۰	۳

بھینس — جہاں تک کہ بھینسوں (مونث) کا تعلق ہے ان کی حالت گائیوں کی بہ نسبت کسیقدر ٹھیک ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بھینسوں کو محض گھی اور دودھ حاصل کرنے کی خاطر رکھا جاتا ہے[2]۔ اور زیادہ مقدار میں دودھ

---

[1] دیکھئے تصاویر نمبر (۱۴) (۱۵) (۱۶) اور (۱۷) [2] گائیوں کو عموماً بیل حاصل کرنے کی خاطر رکھا جاتا ہے۔

حاصل کرنے کی لالچ سے انہیں چارہ کی زیادہ مقدار دی جاتی ہے۔ موسم بارش میں ہری گھاس کاٹ کر ڈالی جاتی ہے جب تک کہ وہ دودھ دیتی ہیں بعض لوگ بنولہ وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ ان کے رکھ رکھاؤ کا بھی نسبتاً اچھا انتظام کیا جاتا ہے اور انہیں گائیوں سے علیحدہ باندھا جاتا ہے (عام طور پر اندرون مکان باندھتے ہیں) بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر لحاظ سے گائیوں کے مقابل بھینسوں کی اچھی نگہداشت کی جاتی ہے۔

لیکن ان کی تعداد گائیوں کے مقابل بہت ہی کم ہے۔ جملہ زرعی جانوروں کا لحاظ کرتے ہوئے گائے ۲۵ فیصد ہیں تو بھینس صرف ۵ فیصد یا ۸۹ ہیں۔ منجملہ ۸۹ بھینسوں کے ۴۰ بھینس یا ۴۵ فیصد چار سال سے کم ہیں۔ باقی ۴۹ یا ۶۰ فیصد بھینسوں کی عمر چار سال اور اس سے زائد ہے۔ چار یا چار سال سے زائد عمر والی بھینسوں (۴۹) میں ۱۴ فیصد یا ۶ بھینس درجہ اول کی ہیں۔ ۲۵ بھینس یا ۱۵ فیصد درجہ دوم کی۔ ۱۶ بھینس یا ۳۲ فیصد درجہ سوم کی۔ ۲ یا دو فیصد بھینس درجہ چہارم کی ہیں۔ درجہ چہارم کی بھینسوں میں بالکل ناکارہ بھینس شامل ہیں۔ ذیل کے اعداد میں بتلایا گیا ہے کہ بلحاظ کارکردگی اول۔ دوم اور سوم درجہ کی بھینسوں کا کیا حال ہے۔

قسم بھینس	مقدار دودھ روزآنہ			وہ عمر جبکہ بچہ دینے کے قابل ہوتی ہیں	جس عمر تک بچے دیتی ہیں	اپنی زندگی میں کسقدر بچے دے سکتی ہیں۔
	صبح	شام	جملہ			
اوّل	ایک سیر	ڈیڑھ سیر	ڈھائی سیر	۴	۱۲	۶
دوم	تین پاؤ	ایک سیر	پونے دو سیر	۵	۱۲	۵
سوم	آدھ سیر	تین پاؤ	سوا سیر	۵	۱۰	۳

بھینس اس میں شک نہیں کہ گائیوں کے مقابل زیادہ دودھ دیتی ہیں لیکن فی بھینس مندرجہ صدر مقدار دودھ بہت ہی معمولی ہے خصوصاً درجہ سوم کی بھینس بہت ہی کم دودھ دیتی ہیں یہی حال انکی قوت تولید کا ہے۔

یہاں تک تو ہم نے زراعت میں براہ راست اور بالواسطہ مدد دینے والے جانوروں کے حالات علیحدہ طور پر بیان کئے لیکن اب ہم بحیثیت مجموعی یہ بیان کرینگے کہ منجملہ ۹۷۵ زرعی جانوروں کے کتنے جانور غیر کارگذار ہیں

اور کتنے کارگذار۔ کارگذار جانوروں میں کتنے جانور اول۔ دوم اور سوم درجہ کے ہیں۔

۹۷۵ زرعی جانوروں کے منجملہ ۳۸۷ یا ۳۹،۷ فیصد جانور غیر کارگذار ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

غیر کارگذار زرعی جانور (۳۸۷)

وجہ غیر کارگذاری	بیل		بھینسے		گائے		بھینس		جملہ	
	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد
کم عمری	۱۰۷	۱۰،۹	۱۷	۱،۷	۱۴۱	۱۴،۶	۴۰	۴،۱	۳۰۵	۳۱،۳
زیادتی عمر وغیرہ	۔	۔	۔	۔	۸۰	۸،۲	۲	۰،۲	۸۲	۸،۴
میزان جملہ	۱۰۷	۱۰،۹	۱۷	۱،۷	۲۲۱	۲۲،۸	۴۲	۴،۳	۳۸۷	۳۹،۷

ان اعداد سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ۳۸۷ یا ۳۹،۷ فیصد غیر کارگذار جانوروں کے منجملہ ۳۰۵ یا ۳۱،۳ فی صد جانور اسلئے غیر کارگذار ہیں کہ وہ کم عمر ہیں اور باقی ۸۲ یا ۸،۴ فیصد جانور زیادتی عمر وغیرہ کی وجہ سے غیر کارگذار ہیں۔ ان ۸،۴ فیصد جانوروں کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ دیگر جانوروں کیلئے ایک قسم کا بار ہیں۔ بالفاظ دیگر ان جانوروں کا وجود دیگر جانوروں کیلئے قلت غذا کے مسئلہ کو شدید تر بنا دیتا ہے۔

مندرجہ صدر اعداد کے دیکھنے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی عمر وغیرہ کی وجہ سے بیل اور بھینسوں (نر) میں ایک بھی جانور غیر کارگذار نہیں حالانکہ گائیوں اور بھینسوں میں ۸۲ یا ۸،۴ فیصد جانور غیر کارگذار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کبھی کوئی بیل (مزارعین کی دانست میں) از کار رفتہ ہو جاتا ہے تو اسکو قصاب کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا ہے۔ برعکس اس کے گائیں از کار رفتہ ہو جانے کے باوجود بھی فروخت نہیں کیجاتیں۔ وجہ یہ ہے کہ گائے کیلئے کسی خاص قسم کی نگہداشت نہیں کرنی پڑتی کیونکہ وہ جنگل میں چر چگ کر اپنا پیٹ آپ پال لیتی ہے۔ اور جب تک زندہ رہتی ہے کچھ نہیں تو کھیتوں کیلئے کھاد بہم پہنچاتی ہے۔ اسلئے گائے کی رہائش بار تصور نہیں کیجاتی۔ البتہ بیل کو اس طریق پر نہیں رکھا جاتا۔ بوڑھی اور ناکارہ گائیوں کو فروخت نہ کرنے کی ایک وجہ مذہبی روایات بھی ہیں۔ وجوہات خواہ کچھ ہوں ۹۷۵ زرعی

جانوروں کے منجملہ ۸٫۲ فیصد جانور بالکل ہی از کار رفتہ ہیں۔ مزارعین کے بیان کے مطابق اس میں شبہ نہیں کہ ان سے گوبر ضرور حاصل ہوتا ہے لیکن یہ کوئی معقول آمدنی نہیں۔

جہاں تک کہ جملہ کارگذار زرعی جانوروں کا تعلق ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

کارگذار زرعی جانور (۵۸۸)

درجہ	بیل		بھینسے		گائے		بھینس		جملہ	
	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد	تعداد	فیصد
اوّل	۵۰	۵٫۱	۱۰	۱٫۰	۱۵	۱٫۶	۶	۰٫۶	۸۱	۸٫۳
دوم	۱۲۲	۱۲٫۶	۱۵	۱٫۶	۷۵	۷٫۶	۲۵	۲٫۵	۲۳۷	۲۴٫۳
سوم	۱۲۶	۱۲٫۹	۲۳	۲٫۲	۱۰۵	۱۰٫۰	۱۶	۲٫۶	۲۷۰	۲۷٫۷
صدر جملہ	۲۹۸	۳۰٫۶	۴۸	۴٫۸	۱۹۵	۱۹٫۲	۴۷	۵٫۷	۵۸۸	۶۰٫۳

اس نقشہ سے ہمیں معلوم ہو رہا ہے کہ ۵۸۸ کارگذار جانوروں کے منجملہ ۸۱ جانور درجہ اول کے ہیں ۲۳۷ درجہ دوم کے اور ۲۷۰ درجہ سوم کے۔ بلحاظ فیصد منجملہ ۶۰٫۳ فیصد جانوروں کے ۸٫۳ فیصد جانور درجہ اول کے ہیں ۲۴٫۳ فیصد درجہ دوم کے اور ۲۷٫۷ فیصد درجہ سوم کے۔

اگر ہم مقامی موجودہ حالات کا لحاظ کرتے ہوئے درجہ اوّل کے جانوروں کو معیاری جانور فرض کرلیں (حالانکہ درجہ اول کی گائے اور بھینس اسکے کسی طرح مستحق نہیں) تو ۶۰٫۳ فیصد کارگذار جانوروں کے منجملہ صرف ۸٫۳ فیصد جانور معیاری اور ۵۲ فیصد غیر معیاری قرار پاتے ہیں جنہیں سے ۲۴٫۳ فیصد جانوروں کی کارکردگی مقابلتاً خراب ہے ۲۷٫۷ فیصد جانوروں کی بہت ہی خراب ہے۔ ان حالات کے لحاظ سے موضع ہذا کے جانور کے متعلق ہم یہ رائے قائم کرسکتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی ان کی کارکردگی بہت ہی ادنیٰ اور معمولی ہے۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ اس ادنیٰ کارکردگی کے کیا وجوہ ہیں۔ ادنیٰ کارکردگی کی سب سے اہم وجہ مویشیوں کی تعداد اور ذرائع چارہ کی غیر متناسب رفتار ترقی ہے۔ جب ہم کسی سال معینہ کو لیکر مویشیوں کی تعداد کا

مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد میں بحیثیت مجموعی اضافہ ہوگیا۔ برعکس اسکے جب چارہ کے ذرائع پر روشنی ڈالی جاتی ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ان میں اس رفتار سے اضافہ نہیں ہوا جس رفتار سے کہ مویشیوں کی تعداد میں زیادتی ہوئی۔ لہذا اضافہ مویشیاں اور ذرائع چارہ کی تحدید کی وجہ سے چارہ کا مسئلہ اہم سے اہم تر ہوجاتا ہے۔ ذرائع چارہ کی تحدید کو واضح کرنے کے لئے ہم حسب ذیل جدول سے مدد لینگے۔

سال فصلی	جانور			رقبہ گائے ران ایکروں میں		
	زرعی	غیر زرعی	جملہ	جملہ	بلحاظ فیصد جانور	فی جانور
۱۳۳۸	۸۸۰	۳۵۱	۱۲۳۱	۳۸۱	۳۱٫۷	۰٫۳۰
۱۳۴۷	۹۷۵	۷۱۷	۱۶۹۲	۳۹۹	۲۳٫۵	۰٫۲۳

مندرجہ بالا جدول سے واضح ہورہا ہے کہ ۱۳۳۸ف (م ۶ اکٹوبر ۱۹۲۸ء تا ۵ اکٹوبر ۱۹۲۹ء) تا ۱۳۴۷ف (م ۶ اکٹوبر ۱۹۳۷ء تا ۵ اکٹوبر ۱۹۳۸ء) کے دھے میں جانوروں کی تعداد میں (خواہ وہ زرعی ہوں یا غیر زرعی) نمایاں اضافہ ہوگیا ہے۔ ۱۳۳۸ف میں جملہ مویشیوں کی تعداد ۱۲۳۱ تھی۔ دس سال بعد یعنی ۱۳۴۷ف میں ۱۶۹۲ ہوجاتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رقبہ گائے ران میں اسی تناسب سے اضافہ نہیں ہوا۔ ۱۳۳۸ف میں جب کہ ۱۲۳۱ جانوروں کیلئے ۳۸۱ ایکر رقبہ گائے ران تھا تو اس تناسب سے ۱۳۴۷ف میں جب کہ جانوروں کی تعداد ۱۶۹۲ ہوگئی تو رقبہ گائے ران بھی ۵۲۴ ایکر ہونا چاہئے تھا حالانکہ وہ صرف ۳۹۹ ایکر ہے۔ لہذا تعداد مویشیان اور رقبہ گائے ران کی غیر متناسب رفتار ترقی سے ۱۳۳۸ف کے مقابل ۱۳۴۷ف میں اوسط رقبہ گائران فی صد مویشی اور فی جانور گھٹ جاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ تخفیف چارہ کی صورت میں نمودار ہوگا۔

تخفیف چارہ کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اجرائی نہر سے قبل (یعنی ۱۳۳۲ف مطابق اکٹوبر ۱۹۲۲-۲۳ء سے قبل) جب کہ خشک زمینات نسبتاً زیادہ تھیں اکثر کاشتکاروں کے ہاں ایک یا دو زائد از ضرورت نمبرات ہوتے تھے جن کو محض گھاس کی خاطر چھوڑ دیا جاتا تھا لیکن اب کسانوں کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ

گھاس کی خاطر کوئی ترزمین چھوڑ رکھیں یا اوسپر چارہ کی فصل اُگائیں کیونکہ خشک زمین کے مقابل تر زمین کی مالگذاری تقریباً پانچ گنی سے لیکر دس گنی تک زیادہ رہتی ہے۔ اجرائی نہر سے قبل بحیثیت مجموعی تمام دیہات میں عموماً ۴۰ تا ۵۰ ایکر گھاس کی خاطر رکھے جاتے تھے لیکن نہر جاری ہونے کے بعد عموماً ۲۰ تا ۳۰ ایکر اس غرض کیلئے چھوڑے جارہے ہیں۔ (واضح رہے کہ چارہ کی غرض سے صرف وہی کسان اپنے کھیت کا کچھ حصہ چھوڑ رکھتے ہیں جنکے ہاں خشک اراضیات ہیں) حالانکہ مویشیوں کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس رقبہ میں بھی زیادتی ہونی چاہیئے تھی لیکن اسمیں اضافہ کی بجائے ۵۰ تا ۶۰ فیصد تخفیف ہوگئی ہے۔

مزارعین کا بیان ہے کہ اجرائی نہر سے قبل چونکہ خشک اراضیات زیادہ تھیں اسلئے نسبتاً وسیع پیمانہ پر جوار کی کاشت کیجاتی تھی جسکی وجہ سے جانوروں کو کافی مقدار میں کڑبی حاصل ہوتی تھی لیکن نہر جاری ہونیکے بعد سے دھان کی کاشت بہت بڑھ گئی ہے۔ اور جوار کی کاشت میں نمایاں تخفیف (۵۰ فیصد سے زاید) نمودار ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ اب کڑبی (جو کہ گھاس کے مقابل بیلوں کے لئے نہایت مقوی چارہ ہے) بہت ہی قلیل مقدار میں حاصل ہوتی ہے جو صرف زراعتی جانوروں کیلئے بھی کافی نہیں ہوسکتی۔ لہذا زراعتی بیلوں کو بیشتر دھان کا گھاس اور کمتر کڑبی دیجاتی ہے۔ ادنیٰ غذا اور کثرت کار کی وجہ سے بیلوں کے قویٰ سرعت کے ساتھ کمزور ہونے لگتے ہیں اور وہ قبل از وقت ناکارہ ہوجاتے ہیں۔ قلت چارہ کی وجہ سے بیلوں کے مقابل بھینسوں کو اور بھینسوں کے مقابل گائیوں کو کم چارہ دیا جاتا ہے۔ اور اسطرح چارہ کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ جسکا نتیجہ مویشیوں کی کارکردگی پر پڑتا ہے۔

مویشیوں کی ادنیٰ کارکردگی کی دوسری وجہ ان کے رکھ رکھاؤ کا غیر موزوں انتظام ہے علاج حیوانات کا معقول اور بروقت انتظام نہ ہونے کی بدولت بھی مویشیوں کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔

بہرطور انسانوں کی کارکردگی کیطرح جانوروں کی کارکردگی کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔

چھٹی فصل

زرعی آمل بسلسلہ فصل سابق

(ب) آلات زراعت | زرعی عمل قائم کا دوسرا جز زرعی آلات ہیں۔ ذیل میں ہم مختلف مروجہ آلات زرعی[1] کا حال معلوم کریں گے۔

۱۔ ھل ـــ ھل بہت ہی اہم آلۂ زراعت ہے۔ ھل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بڑے اور چھوٹے بڑے ھل خشک زمینات میں استعمال کئے جاتے ہیں اور چھوٹے ھلوں کا استعمال تر زمینات کیلئے مختص ہے۔ ھل چلائی کی بدولت زمین نرم اور ملائم ہوتی ہے۔

۲۔ بکھر ـــ بطور خاص خریف اور ربیع کی زمینات میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسکے چلانے سے گھاس صاف ہوتی۔ ڈھیلے پھوٹتے اور زمین ہموار ہوتی ہے۔

۳۔ دورا ـــ دورے بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بڑے اور چھوٹے۔ بڑے دورے (جنکو لیپے بھی کہا جاتا ہے) کو جوار کے کھیت میں چلایا جاتا ہے۔ جب کہ پودے ایک دو بالشت اونچے ہو جاتے ہیں اس کی وجہ سے پودوں کے اطراف کی مٹی ملائم ہو جاتی ہے۔ پودوں کی جڑوں کو پھیلنے کا موقع ملتا ہے پیڑ مضبوط ہوتی ہے اور درخت خوب بڑھتا ہے۔ انہی فوائد کے پیش نظر مرچ کے پودوں میں چھوٹا دورا چلایا جاتا ہے

۴۔ واتری[2] ـــ یہ آلہ تر زمینات کو سطح کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مزید برآں اس کا

---

[1] ضمیمہ دوم کے صفحہ (۲۰۴) پر جملہ مروجہ آلات زرعی کے مماثل انگریزی الفاظ دیے گئے ہیں۔

[2] دیکھئے تصاویر نمبر (۲۰) اور (۲۱) ھل۔ بکھر۔ دورے۔ اور واتری کی وضاحت کی گئی ہے۔

استعمال اُس وقت بھی کیا جاتا ہے جبکہ دھان کے پودے ایک دو بالشت اُونچے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت یہ آلہ استعمال کرنیکا یہ فائدہ ہے کہ اگر پودے بہت گنجان ہوں تو زاید از ضرورت پودے اُکھڑ جاتے ہیں۔ نیز گھاس بھی صاف ہو جاتی ہے۔

۵۔ دوشیا ـــــ یہ آلہ زیادہ تر مرہٹواڑی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ بڑی جوار کی تخم ریزی کی جاتی ہے۔

۶۔ تپھن ـــــ دوشیا اور تپھن بالکل ہم شکل ہوتے ہیں۔ ہر دو جوار کی تخم ریزی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ ہر دو کا فرق یہ ہے کہ تپھن میں تین پھن ہوتے ہیں اور دوشیا میں صرف دو زیادہ تر تلنگانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور دوشیا مرہٹواڑی میں۔ تپھن سے چھوٹی جوار بوئی جاتی ہے اور دوشیا سے بڑی جوار تپھن کے ذریعہ تخم تقریباً ۶ انچ اندر بوئے جاتے ہیں لیکن دوشیا سے صرف تین یا چار انچ اندرون زمین تخم ریزی ہوتی ہے[۱]

۷۔ بنڈی (چھکڑا) ـــــ زراعت میں بنڈی کو بہت اہمیت حاصل ہے اسکے ذریعہ ہر قسم کی حمل و نقل میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

۸۔ کولھو ـــــ موضع ہذا میں قدیم کولھو کا رواج بالکل ترک ہو چکا ہے اور اب صرف جدید کولھو زیر استعمال ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ قدیم کولھو کے مقابل جدید کولھو سے گنے کا رس بہت عمدگی کیساتھ نکلتا ہے اور کسان اس خوبی سے واقف ہیں لہذا جدید کولھو گراں قیمت ہونیکے باوجود مشترکہ طور پر خرید لیا جاتا ہے[۲]

۹۔ متفرق آلات زراعت ـــــ متذکرہ بالا آلات کے علاوہ دیگر چھوٹی قسم کے آلات بھی مستعمل ہیں۔ مثلاً درانتی فصل کی کٹائی وغیرہ کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ زمین کھودنے کیلئے کُدال کا استعمال کیا جاتا ہے پھاوڑے سے مٹی نکالی جاتی اور کھیت کی مینڈیں درست کیجاتی ہیں۔ کلہاڑی درخت کترنے کے کام آتی ہے۔

۵۱۔ دیکھئے تصویر نمبر (۲۲) تپھن اور دوشیا کی وضاحت کیگئی ہے۔

۵۲۔ دیکھئے تصویر نمبر (۲۳) بنڈ اور کولھو دکھلائے گئے ہیں۔

کونکی کے ذریعہ کھیت کے کونوں کی مٹی نرم اور کھوکلی کیجاتی ہے۔ کھرپی سے اُن جنگلی پودوں کو نکالدیا جاتا ہے جو تمباکو اور مروج کے کھیتوں میں اُگ آتے ہیں۔ اسی طرح دیگر آلات بھی مختلف کاموں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔[1]

یہاں تک تو ہم نے اقسام آلات کا حال تبلایا۔ اب ہم متذکرہ آلات کی تعداد دریافت کرینگے۔[2]

اقسام آلات	تعداد	اقسام آلات	تعداد
ناگر (ہل) بڑے اور چھوٹے	۳۹۴	دراتیاں	۴۲۲
بکھر	۱۰۳	سبل	٦۵
دورسئے بڑے اور چھوٹے	۱۲۱	پھاوڑے	۱۵۱
دانتریاں	۱۲۴	کھرپیاں	٦۳
دوشیا	۱۰	کونکیاں	۳۵۴
پتّھن	٦۷	کلہاڑیاں	۲۱۵
بنڈیاں (چھکڑے)	۲٦	تپائیاں	۳٦
کولہو	۴	سوپ و چھبیاں	۳۹۹

بحیثیت مجموعی جملہ دیہات میں ہل، بکھر، دورسے اور دانتریوں کی تعداد زیادہ ہے۔ کیونکہ جملہ رقبۂ مزروعہ مختلف غیر معاشی اراضیات میں منقسم ہے۔ زمین خواہ معاشی ہو یا غیر معاشی ہر اس شخص کو جو زراعت

---

[1] ۔ آلات شماری بذات خود کی گئی ہے۔

کرتا ہے ہل۔ بکھر۔ دوراا ور دراتری رکھنا پڑتا ہے۔ اس طرح بلحاظ مجموعی اِن آلات کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے
دوشیا تعداد میں اسقدر کم اس لئے ہیں کہ زیر بحث موضع میں ماہوری جوار بہت کم بوئی جاتی ہے
موضع ہذا کی مزروعہ خشک زمینات کا لحاظ کرتے ہوئے تپھنوں کی یہ تعداد بھی زیادہ ہے جہاں تک کہ بنڈیوں کا
تعلق ہے ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دیگر ایسی آلات کے مقابل بنڈی بہت قیمتی ہوتی ہے جس کو
ہر کسان آسانی کے ساتھ نہیں خرید سکتا۔ حالانکہ ہر کسان کے ہاں بنڈی کا رہنا ضروری ہے
کیونکہ اس کے ذریعہ مکان سے کھیتوں تک کھاد لیجانے کھیت سے پیداوار مکان لانے اور پھر اس کو منڈی لیجانے
میں غیر معمولی مدد ملتی ہے۔ یہاں کے اکثر کسان اپنا غلہ مقامی طور پر اس لئے بھی فروخت کر دیتے ہیں کہ ان کے ہاں ذاتی
بنڈی نہیں ہوتی۔

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کولہو کی طرح بنڈی بھی مشترکہ طور پر کیوں نہیں خریدی جاتی۔ سوال بالکل معقول
ہے۔ کسانوں کو مشترکہ طور پر بنڈیاں خریدنا چاہیئے لیکن اس طرف وہ بہت کم توجہ کرتے ہیں گو کہ بنڈی کے نہونے
کی وجہ سے انہیں آئے دن مختلف دقتیں اور قابل لحاظ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

متفرق آلات میں دراتیوں۔ کونکیوں۔ سوپ اور چھبیوں کی تعداد بہت زیادہ معلوم ہو رہی ہے لیکن
فی نفسہ یہ زیادہ نہیں ہے کیونکہ ان کی اہمیت کی مدنظر ہر کسان کے ہاں ان کی ضروری تعداد موجود رہتی ہے۔

زرعی آلات کی مذکورہ تشریح سے ہمیں دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ موضع ہذا میں کس قسم کے آلات
مستعمل ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کی تعداد کیا ہے۔

قسم آلات کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ کولہو کے سوائے جملہ آلات مستعملہ وہی قدیم اور پرانے ہیں
جو آج سے کئی نسل قبل مروج تھے۔

جب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ہمارے کسان قدیم آلات کیوں استعمال کرتے ہیں تو ہمیں اسکے چند وجوہ نظر آتے ہیں۔
سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ جدید آلات کی قیمت قدیم آلات کے مقابل زیادہ ہوتی ہے اور کسان
انہیں نہیں خرید سکتے۔ چنانچہ چند آلات کی تقابلی قیمتوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قدیم آلات کے مقابل جدید
آلات کی قیمتیں کسقدر زائد ہوتی ہیں۔

قدیم آلات	قیمت کلدار	جدید آلات	کلدار قیمت	قیمتوں میں فی صد فرق
ہل	۴ روپیے	ہل	۷ روپیہ ۸ آنے	۴۷
بکھر	۳ "	بکھر	۹۵ "	۹۷
پتّھن	۸ "	پتّھن	۶۰ "	۸۷
دورا	۴ "	دورا	۴۵ "	۹۱
داتری	۳ "	داتری	- -	-

مانا کہ جدید آلات کے مقابل قدیم آلات ارزاں ہوتے ہیں۔ انہیں آسانی کے ساتھ منتقل کیا جا سکتا ہے۔ مقامی بیلوں کی استطاعت کے موافق ہیں اور انکی مرمت بھی بہ آسانی ہو سکتی ہے لیکن محض ان خصوصیات کی بنا پر یہ خیال کر لینا کہ ہماری زراعت کیلئے پرانے آلات ہی موزوں ہیں ٹھیک نہیں۔ یہ خیال درست ہے کہ کسانوں کے موجودہ افلاس اور جانوروں کی ناگفتہ بہ حالت کے تحت مروجہ آلات کے سوا جدید آلات کا استعمال کرنا بہت دقت طلب ہے لیکن اگر ہم اپنی زراعت کو بہتر بنانا چاہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل ہو سکے تو ہمیں نہ صرف مویشیوں کی حالت کو بہتر کرنا ہوگا بلکہ جدید اور مناسب حال آلات کا استعمال بھی ضروری ہے۔

(ج) مصنوعی ذرائع آبپاشی —— زرعی اصل قائم کا تیسرا جزو مصنوعی ذرائع آبپاشی ہیں۔ مصنوعی ذرائع آبپاشی سے ہماری مراد تالاب اور نہریں ہیں۔ واضح رہے کہ موضع ہذا میں ایک بھی باولی آبپاشی کے لئے استعمل نہیں۔

نہر نظام ساگر کی اجرائی سے قبل (سنہ ۱۳۴۰ف مطابق سنہ ۱۹۳۱ء) موضع زیر بحث کا جملہ رقبہ کاشت

د ۱۴۵۲ ایکڑ تھا۔ اس رقبہ میں ۹۲۶ ایکڑ خشک اراضیات تھے اور ۵۲۶ ایکڑ تر اراضیات پر مشتمل تھے^(۱)۔ بالفاظ دیگر مجموعی رقبہ کاشت کا لحاظ کرتے ہوئے رقبۂ آبپاشی ۳۶ فیصد تھا۔ اس رقبہ کی آبپاشی حسب ذیل تین تالابوں کے ذریعہ ہوا کرتی تھی

تالاب	وسعت		گہرائی		فی تالاب رقبہ آبپاشی	
	ایکڑ	گنٹہ	فٹ	انچ	وسعت ایکڑوں میں	فی صد
تہور تالاب	۸۲	۱۸	۱۶	۶	۲۴۱	۱۶٫۵
اوسر گاپلی تالاب	۸۹	۱۴	۹	۶	۲۲۹	۱۵٫۷
ماسائی تالاب	۲۸	۱۸	۶	-	۵۶	۳٫۸
جملہ	۲۰۰	۱۰	۳۲	-'	۵۲۶	۳۶٫۰

سابقہ جدول سے واضح ہو رہا ہے کہ ۳۶ فی صد رقبہ آبپاشی کے منجملہ ۱۶٫۵ فیصد تہور تالاب کے ذریعہ ۱۵٫۷ فیصد اوسر گاپلی تالاب سے اور ۳٫۸ فیصد رقبہ ماسانی تالاب سے سیراب ہو سکتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ مذکورہ تین تالابوں کے ذریعہ فصل آبی اور خصوصاً تابی کی کاشت میں بڑی مدد ملتی تھی لیکن اس امداد کا مدار بالواسطہ طور پر بارش سے تھا کیونکہ اگر بارش ٹھیک ہوتی تو تالابوں میں بھی خوب پانی جمع رہتا تھا۔ اور اس طرح نسبتاً وسیع رقبہ پر تری کاشت کی جا سکتی تھی۔ برعکس اس کے اگر بارش ٹھیک نہ ہوتی تو تالابوں میں بھی پانی کی مقدار قلیل ہوتی جس کی بناء پر رقبۂ کاشت کو محدود کرنا پڑتا تھا چنانچہ قلت آب کی وجہ سے

سنہ ۱۳۲۸ف (۱۹۱۹ء)، سنہ ۱۳۲۹ف (۱۹۲۰ء) اور سنہ ۱۳۳۰ف (۱۹۲۱ء) میں فصول تابی کاشت ہی نہیں کئے گئے۔ قلت آب ہی کی بنا پر سنہ ۱۳۱۹ف (۱۹۱۰ء) سنہ ۱۳۲۰ف (۱۹۱۱ء) سنہ ۱۳۲۱ف (۱۹۱۲ء) سنہ ۱۳۳۴ف (۱۹۲۵ء) اور سنہ ۱۳۳۵ف (۱۹۲۶ء) میں پانچ ایکڑ سے بھی کم رقبہ کاشت کیا گیا حالانکہ معمولی سالوں میں فصل ہائے تابی کا رقبہ پچاس سے سو ایکڑ تک کاشت کیا جاتا تھا۔

اجرائی نہر (۱۳۴۳ف مطابق ۱۹۳۴ء میں نہر کی اجرائی عمل میں آئی) کے بعد ذرائع آبپاشی میں دو قسم کی سہولتیں بہم پہنچیں۔ ایک۔ یہ کہ بمقابل سابق رقبۂ آبپاشی میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ یعنی یہ کہ اجرائی نہر سے قبل جملہ رقبہ کاشت ۱۴۵۲ ایکڑ تھا۔ اس میں ۹۲۶ ایکڑ خشک زمین تھی اور ۵۲۶ ایکڑ تر اراضی۔ لیکن اجرائی نہر کے بعد ۱۳۶۰ ایکڑ رقبۂ کاشت[۵۱] میں سے ۹۸۴ ایکڑ تر زمین ہوگئی اور خشک زمین صرف ۳۷۶ ایکڑ رہ گئی۔ گویا نہر جاری ہونے کی بدولت رقبۂ آبپاشی میں فیصد کا اضافہ ہوا۔ نہر کی اجرائی سے قبل مجموعی کاشت کا لحاظ کرتے ہوئے جملہ رقبۂ آبپاشی صرف ۳۶ فیصد تھا لیکن اب وہ ۷۲ فیصد ہوگیا جن ذرائع سے یہ رقبہ سیراب ہوتا ہے وہ ذیل میں درج ہیں۔

تالاب و نہر	رقبہ آبپاشی بذریعہ نہر و تالاب	
	وسعت ایکڑوں میں	فی صد
تین تالاب (تہور۔ اوسرگاپلی اور ماسائی)	۶۱۵	۴۵٫۲
تین نہر (نمبر ۱ ۔ نمبر ۱ ۔ نمبر ۲/۱)	۳۶۹	۲۷٫۸
جملہ	۹۸۴	۷۳٫۰

۵۱۔ واضح رہے کہ سنہ ۱۳۴۰ف کے (مطابق سنہ ۱۹۳۱ء) کے مقابل سنہ ۱۳۴۳ف مطابق سنہ ۱۹۳۴ء میں جملہ رقبہ کاشت ۱۴۵۲ ایکڑ سے گھٹ کر ۱۳۶۰ ایکڑ ہوگیا۔

نہر کی اجرائی سے دوسری سہولت یہ ہوئی کہ اب فصل تابی کی کاشت میں بارش کی اہمیت نسبتاً کم ہوگئی۔ کیونکہ اگر ایک آدھ سال قلت بارش کی وجہ سے تالابوں میں پانی کی مقدار کم رہے تو نہروں کے ذریعہ مدد لی جاتی ہے اور فصول تابی کے رقبۂ کاشت میں غیر معمولی کمی نہیں ہونے پاتی جس طرح کہ اجرائی نہر سے قبل ہوا کرتی تھی۔ اجرائی نہر سے اب تک ۱۳۴۳ف تا ۱۳۴۸ف مطابق ۱۹۳۴ء تا ۱۹۳۹ء فصل تابی کی کاشت میں پانی کی قلت کبھی بھی محسوس نہیں ہوئی۔ حالانکہ اجرائی نہر سے قبل فصل تابی کی کاشت بہت ہی غیر یقینی ہوتی تھی۔ چنانچہ ذیل کے اعداد سے ہمیں اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ نہر جاری ہونے سے قبل کس طرح فصل تابی کا رقبہ ایک سال میں بہت زیادہ ہوتا تھا تو دوسرے سال میں بہت ہی کم۔

سال فصلی	مزروعہ فصل تابی		سال فصلی	مزروعہ فصل تابی		سال فصلی	مزروعہ فصل تابی	
	یکر	گنٹے		یکر	گنٹے		یکر	گنٹے
۱۳۳۴	۳	-	۱۳۳۷	۳	۳۱	۱۳۴۰	۷	۲۲
۱۳۳۵	۳	۱	۱۳۳۸	۱۱۹	۱۷	۱۳۴۱	۲	۱۰
۱۳۳۶	۲۴	۱۴	۱۳۳۹	۱	۳۶	۱۳۴۲	۲۷	۱

لیکن نہر کی بدولت فصل تابی کے رقبۂ کاشت میں اگر ایک طرف بہت اضافہ ہوگیا تو دوسری طرف قلت بارش کی وجہ سے سابقہ غیر یقینی صورت حال بھی باقی نہیں رہی۔ چنانچہ ۱۳۴۳ف مطابق ۱۹۳۴ء کے بعد سے فصل تابی کی کاشت حسب ذیل رہی۔

سال فصلی	مزروعہ فصل تابی		سال فصلی	مزروعہ فصل تابی		فصلی سال	مزروعہ فصل تابی	
	یکر	گنٹے		یکر	گنٹے		یکر	گنٹے
۱۳۴۳	۳۲۶	۳۱	۱۳۴۵	۳۰۲	۲۳	۱۳۴۷	۳۰۲	۳۲
۱۳۴۴	۲۹۹	۱	۱۳۴۶	۳۱۶	۳۳	-	-	-

بہرطور موضع ہٰذا کے ذرائع آبپاشی کے متعلق ہم یہ رائے قائم کرسکتے ہیں کہ وہ بہت تشفی بخش ہیں۔

لیکن جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ ہمارے کسان مذکورہ ذرائع آبپاشی سے کس طور پر اور کیونکر استفادہ کررہے ہیں تو حالات بہت ہی مایوس کن نظر آتے ہیں اکثر کسان ذرائع آبپاشی کی مزید سہولتوں سے خوش نظر آنے کی بجائے اس امر کے شاکی پائے گئے کہ نہر کی اجرائی سے انہیں بجائے فائدے کے نقصان ہورہا ہے[1]۔

جب ہم کسانوں کی زبان سے یہ سنتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ایک زرعی مقام کے باشندے ذرائع آبپاشی جیسی اہم سہولتوں کی شکایت کریں!! اس شکایت کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ چونکہ خشک اراضیات کے مقابل تر اراضیات کی مالگزاری زیادہ ہوتی ہے لہٰذا تر زمینات کی کاشت میں اسقدر گنجایش نہیں ہوتی کہ مصارف پیدائش اور مالگزاری کی منہائی کے بعد قابل لحاظ آمدنی ہوسکے بعض مرتبہ یہ آمدنی اسقدر قلیل ہوتی ہے کہ اس سے مصارف پیدایش اور رقم مالگزاری بمشکل حاصل ہوتے ہیں۔

لیکن مزارعین کی اس شکایت سے ہمیں اتفاق نہیں۔ ان کا یہ خیال کہ چونکہ تر زمینات کے مقابل خشک زمینات کی مالگزاری کم ہوتی ہے لہٰذا ان کے لئے بہتر اور مناسب بھی ہے کہ موضع کی زمینات کا ایک بڑا حصہ خشک اراضیات پر مشتمل ہو[2] بہت ہی غیر معقول ہے۔ تر زمینات کی کاشت میں انہیں قلیل آمدنی محض اس لئے نہیں ہورہی ہے کہ خشک زمینات کے مقابل تر زمینات کی مالگذاری زیادہ ہے۔ بلکہ قلیل آمدنی کی اصل اور بنیادی وجہ غیر اصولی نظام زراعت ہے۔ پیدایش دولت کا خواہ کوئی شعبہ کیوں نہ ہو عاملین پیدایش کا ایک موزوں اور مفید تناسب میں مشغول رہنا ضروری ہے۔ ورنہ خاطر خواہ آمدنی کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ موضع ہٰذا میں ہمیں متعدد مثالیں ایسے کسانوں کی ملتی ہیں جن کے ہاں زرعی عوامل پیدایش (زرعی زمین۔ زرعی محنت اور زرعی اصل) بہت ہی غیر متناسب ہیں ا[illegible] صرف عوامل پیدایش میں عدم تناسب پایا جاتا ہے بلکہ زرعی طریقہ ہائے کاشت بھی ناقص ہوتے ہیں۔ دھان کی کاشت جوار کے مقابل بہت ہی

---

[1] ضمیمہ دوم بلاحظہ فرمایا جائے۔

۹

۱۳۳۴ف	۱۳۳۶ف	۱۳۳۸ف	۱۳۴۰ف
۱۳۳۵ف	۱۳۳۷ف	۱۳۳۹ف	۱۳۴۱ف
			۱۳۴۲ف

[2] ضمیمہ دوم بیان نمبر (۲) دیکھئے۔

اہتمام طلب ہوتی ہے۔ اس کے لئے نہ صرف زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے بلکہ سرمایہ اور کھاد بھی زیادہ صرف کرنا پڑتا ہے محنت کے لحاظ سے ہمارے کسان کبھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ لیکن جب روپیہ اور کھاد کا سوال اٹھتا ہے تو اس کی بہم رسانی سے قاصر رہتے ہیں۔ دھان کی فصلیں بھی (چند کسانوں کے سوائے) عموماً اسی لاپروائی سے بو دی جاتی ہیں جس طرح کہ جوار بوئی جاتی ہے۔ کھاد بہت ہی قلیل مقدار میں دیجاتی ہے اور روپیہ بچانے کی خاطر ضروری کلپائی نہیں کی جاتی نتیجہ یہ کہ پیداوار نکر بہت ہی ادنیٰ اور معمولی ہوتی ہے۔ اس پیداوار کو فروخت کرنے کے طریق بھی بدرجہ ناقص ہوتے ہیں[1]۔ لہذا ان حالات کے تحت اگر آمدنی بہت ادنیٰ ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ کسانوں کو بعض مرتبہ تر زمینات کی کاشت سے اس قدر آمدنی بھی نہیں ہوتی کہ اس سے صرف مصارف پیدائش اور مالگزاری وصول ہوسکیں۔ لیکن ہمیں اس امر کا بخوبی علم ہونا چاہیئے کہ ادنیٰ آمدنی اس لئے نہیں ہو رہی ہے کہ حکومت نے نہر جاری کی یا تر زمینات کی مالگذاری خشک اراضیات کے مقابل زیادہ ہے بلکہ اس کے سب سے اہم وجوہ (جن سے تقریباً تمام کسان ناواقف ہیں) زرعی عوامل پیدائش کا عدم تناسب۔ غیر اصول طریقہ ہائے کاشت۔ ناقص طریقہ ہائے فروخت اور ناجائز طریقہ ہائے لین دین ہیں[2]۔ لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے کسان جب کبھی ادنیٰ آمدنی پر غور کرتے ہیں تو وہ مذکورہ وجوہ میں سے ایک وجہ کا بھی لحاظ نہیں کرتے اور یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ چونکہ خشک زمینات کے مقابل تر زمینات کی مالگزاری زیادہ ہے لہذا انہیں خشک اراضیات کے مقابل تر اراضیات کی کاشت میں کوئی قابل لحاظ فائدہ نظر نہیں آتا۔ بالفاظ دیگر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خشک اراضیات کی بجائے تر اراضیات کی کاشت میں انہیں نقصان ہوتا ہے۔ مگر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر تر زمینات کی کاشت مناسب اور موزوں طریق پر کی جائے تو خشک زمینات سے کہیں زیادہ منافع تر زمینات سے حاصل ہوسکتا ہے لیکن کسان اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ جہاں تک ہوسکے کم سے کم تر اراضی کاشت کی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ نقصان برداشت نہ کرنا پڑے بعض کسان تر زمینات کی کاشت محض اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں خشک زمینات

---

[1] فروخت پیداوار کے عنوان پر آٹھویں فصل میں مفصل بحث کی جائے گی۔
[2] مقروضیت کے عنوان پر آٹھویں فصل میں بحث کی جائے گی۔

دستیاب نہیں ہوتیں۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ اگر انہیں خشک زمینات دستیاب ہوں تو وہ تر زمینات کی کاشت سے بڑی حد تک دست کش ہو جائیں گے[۵]۔ مزارعین کے اس رجحان کا نتیجہ یہ ہے کہ تقریباً تمام خشک اراضی زیر کاشت رہتی ہے۔ برعکس اس کے تر زمینات کا بہت بڑا حصہ خارج از کاشت رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے حکومت کو (موضع ہذا کے ذرائع آبپاشی کا لحاظ کرتے ہوئے) جس قدر آمدنی ہونی چاہیئے تھی نہیں ہو رہی ہے بندوبست اراضی کا لحاظ کرتے ہوئے حکومت کو موضع زیر بحث سے سالانہ ۱۹۳۷،۴ روپئے وصول ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ تر زمینات کا ایک بڑا حصہ خارج از کاشت رہتا ہے۔ لہذا اب صرف ۹۰۲۴ روپیے وصول ہو رہے ہیں۔ بالفاظ دیگر ۱۳۴۷ف (مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء تا ۵ اکتوبر ۱۹۳۸ء) میں متوقعہ رقم مالگذاری (۱۹۳۷،۴) سے ۱۰۳۵۰ روپیے کم وصول ہوئے۔ آمدنی کا نقصان کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے۔

اگر ذرائع آبپاشی سے حقیقی معنی میں فائدہ اٹھایا جائے اور حکومت کو متوقعہ آمدنی وصول ہو تو اسکے ذریعہ فلاح عامہ کے بہت سے تعمیری کام کئے جا سکتے ہیں

ذرائع آبپاشی سے خاطر خواہ طور پر استفادہ کرنے کا مسئلہ بہت ہی اہم ہے۔ یہاں تک تو ہم نے

۲۔ زرعی اصل دائر زرعی اصل کے ایک جز یعنی زرعی اصل قائم (جس میں مویشی۔ آلات زراعت اور مصنوعی ذرائع آبپاشی کو شامل کیا گیا ہے) کے حالات بیان کئے۔ لیکن اب ہم زرعی اصل کے ایک دوسرے جز یعنی زرعی اصل دائر (جس میں کھاد اور تخم شامل ہیں) کے حالات بیان کریں گے۔

(الف) کھاد ــــــ خشک اراضیات میں کاشت کی جانے والی اجناس کو (مرچ و تمباکو کے سوا) کسی قسم کی کھاد نہیں دی جاتی۔ ان اراضیات کی قوت زرخیزی کو برقرار رکھنے کے لئے ادواری طریق کاشت سے مدد لی جاتی ہے۔ ادواری طریقہ کاشت کے تحت کسان مقررہ کھیتوں میں ہر سال اجناس بدل کر بوتے ہیں۔ جس کی وضاحت صفحۂ آئندہ پر کی گئی ہے۔

---

[۵] ضمیمہ دوم۔ بیان نمبر (۴) دیکھئے۔

سال	کھیت			
	پہلا	دوسرا	تیسرا	چوتھا
پہلا	جوار	تل	السی	کپاس
دوسرا	تل	السی	کپاس	جوار
تیسرا	السی	روئی	جوار	تل
چوتھا	کپاس	جوار	تل	السی
پانچواں	جوار	تل	السی	کپاس

حسب صراحت بالا فرض کیجئے کہ ایک کسان کے ہاں کھیت کے چار ٹکڑے ـــــ پہلا۔ دوسرا تیسرا اور چوتھا ـــــ ہیں۔ پہلے سال ان چار ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑے پر جوار کی کاشت کیجاتی ہے۔ دوسرے پر تل بویا جاتا ہے۔ تیسرے پر السی اور چوتھے پر کپاس۔ دوسرے سال مذکورہ کھیتوں میں علی الترتیب جوار۔ تل السی اور کپاس کاشت نہیں کئے جاتے کیونکہ اس طرز عمل سے زمین کی قوت پیدائش نسبتاً گھٹ جاتی ہے لہذا اس قوت کو برقرار رکھنے کے لئے اجناس کاشت بدل دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً پہلے سال جس کھیت میں جوار بوئی گئی تھی دوسرے سال تل کی کاشت کی جاتی ہے۔ جس کھیت میں تل بویا گیا تھا اس میں السی کاشت کی جاتی ہے۔ جس میں السی کاشت کی گئی تھی اس میں کپاس بوئی جاتی ہے اور جس میں کپاس بوئی گئی تھی اس میں جوار بوئی جاتی ہے۔

اس طرح ہم دیکھ رہے ہیں کہ سال اول جوار پہلے کھیت میں بوئی گئی تھی تو اب وہ چوتھے کھیت میں بوئی گئی ہے۔ تل دوسرے کھیت میں بویا گیا تھا تو اب وہ پہلے کھیت میں بویا گیا ہے۔ السی کی کاشت تیسرے کھیت میں کی گئی تھی تو اب دوسرے کھیت میں کی گئی ہے۔ کپاس چوتھے کھیت میں بوئی گئی تھی تو اب تیسرے کھیت میں بوئی گئی ہے۔

جدول کے دیکھنے سے واضح ہو رہا ہے کہ تیسرے سال پر اسی قسم کا رد و بدل کیا جاتا ہے۔ چوتھے سال بھی یہی تبدیلی جاری رہتی ہے حتیٰ کہ پانچویں سال زیرِ بحث چاروں کھیتوں میں بالترتیب وہی اجناس کاشت کئے جاتے ہیں جو کہ چار سال قبل کاشت کئے گئے تھے۔ مابعد سالوں میں پھر وہی ترکیب اختیار کی جاتی ہے۔

واضح رہے کہ مزارعین کے بیان کے مطابق جوار کی کاشت سے زمین کے بہت سے قوتی اجزا کم ہو جاتے ہیں لیکن جب دوسرے سال جوار کے کھیت میں تل کی کاشت کی جاتی ہے تو تل کے پودوں کی پتیاں کھیت میں جھڑتی ہیں اور ان پتوں کی بدولت کھیت کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ تل کی کاشت کی وجہ سے زمین قوت دار ہو جاتی ہے لہٰذا تل کے بعد السی کی کاشت کی جاتی ہے۔ جوار کی طرح (مزارعین کے بیان کے مطابق) السی کے پودے بھی زمین کی بہت قوت کھینچ لیتے ہیں لہٰذا اسکے بعد کپاس بوئی جاتی ہے۔ کپاس کی پتیاں بھی زمین کو قوت دیتی ہیں۔ کپاس کی کاشت کے بعد جب زمین قوت دار ہو جاتی ہے تو پھر جوار بوئی جاتی ہے۔ اس طرح کسان ایک مرتبہ ایسے پودوں کی کاشت کرتے ہیں جو زمین کی قوت بہت کچھ کھینچ لیتے ہیں۔ دوسری مرتبہ اس نوعیت کے پودے لگائے جاتے ہیں جو زمین کی قوت کو جذب کرنے کی بجائے اپنی پتیوں کی ذریعہ اس کو زرخیز بناتے ہیں۔ جوار اور السی کی کاشت سے زمین کی زرخیزی گھٹ جاتی ہے لیکن تل اور کپاس کی کاشت سے اس کی زرخیزی پھر عود کر آتی ہے۔ لہٰذا کسان جوار، السی، تل اور کپاس میں رد و بدل کر کے کاشت کرتے رہتے ہیں۔ ادواری طریق کاشت کسانوں کے حق میں بہت مفید ہے چونکہ وہ اس کے ذریعہ کھاد میں بہت کچھ کفایت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس طریق پر عمل پیرا ہو کر وہ خشک زمینات پر کاشت کی جانے والی اجناس کو دھان، مرچ و تمباکو کے، کھاد نہیں دیتے[1]۔

جہاں تک کہ استعمال کھاد کا تعلق ہے سیدھی سادی اور قدرتی کھاد استعمال کی جاتی ہے۔ گوبر کے ساتھ مکانات کا کوڑا کرکٹ خراب گھانس اور راکھ وغیرہ جمع کی جاتی ہے۔ جب یہ چیزیں سڑ گل کر گوبر میں مل جاتی ہیں تو اس مرکب کو بطور کھاد استعمال کیا جاتا ہے۔ اس مرکب کو گوبر کی کھاد کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مینگنی کی کھاد گوبر کی طرح جمع نہیں کی جاتی بلکہ کھیتوں میں مینڈے بٹھلائے جاتے ہیں۔

مزارعین کا بیان ہے کہ موضع کی زمینات کا لحاظ کرتے ہوئے عمدہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے

---

[1] واضح رہے کہ کھاد صرف دھان، مرچ، تمباکو اور خشکہ کے کھیتوں [illegible]

دھان کے کھیت میں فی ایکڑ اوسطاً پندرہ بنڈی (چھکڑا) مرچ کے کھیت میں بیس بنڈی اور نیشکر کے کھیت میں چالیس بنڈی کھاد دی جانی چاہیئے۔ ۱۳۴۷ف (مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء تا ۵ اکتوبر ۱۹۳۸ء) میں دھان کا جملہ سالانہ رقبہ کاشت (ایک فصلہ و دو فصلہ) ۱۴۰ ایکڑ تھا۔ سات ایکڑ پر مرچ کی کاشت کی گئی تھی اور دس ایکڑ پر گنّا لگایا تھا۔ مزارعین کے مذکورہ حساب کے مطابق عمدہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے دھان۔ مرچ اور نیشکر کے مندرجہ رقبہ جات مزروعہ کیلئے بالترتیب ۲۱۰۰۔ ۱۴۰ ۔ ۴۰۰ اور ۳۶۰ بنڈی کھاد درکار تھی۔ بالفاظ دیگر ۱۳۴۷ف (مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ تا ۵ اکتوبر ۱۹۳۸ء) میں دھان۔ مرچ اور گنّے کا جو رقبہ کہ کاشت کیا گیا اس سے عمدہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے بحیثیت مجموعی ۱۲۷۱۰ بنڈی کھاد مطلوب تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ۱۳۴۷ف (مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء) میں جملہ کتنے بنڈی گنی اور گوبر پیدا ہوا اس میں کوڑا کرکٹ اور دیگر اشیاء کو مخلوط کرکے کتنے بنڈی کھاد تیار کی گئی کیا یہ کھاد مطلوبہ مقدار (۱۲۷۱۰ بنڈی) کے مساوی تھی۔ اگر مساوی نہ تھی تو کس قدر۔ اولاً ہم گوبر کی پیداوار کا اندازہ لگائینگے۔

پانچویں فصل میں ہم معلوم کرآئے ہیں کہ موضع زیر بحث میں ۱۳۴۷ف (مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ تا ۵ اکتوبر ۱۹۳۸ء) کے اعداد کے مطابق زرعی جانوروں کی جملہ تعداد ۹۷۵ ہے۔ ۹۷۵ جانوروں میں سے ۳۰۵ جانوروں کی عمر ۴ سال سے کم ہے اور ۶۷۰ جانور زاید از ۴ سال عمر والے ہیں۔ مزارعین کا بیان ہے کہ چار سال سے کم عمر والے سو جانوروں سے روزانہ ۳/۴ بنڈی گوبر حاصل ہوتا ہے اور زائد از چار سال عمر والے سو جانوروں سے ڈیڑھ بنڈی فی یوم جب کہ چار سال سے کم اور چار سال سے زاید عمر والے جانوروں کی تعداد علی الترتیب ۳۰۵ اور ۶۷۰ ہے تو ان سے روزانہ بالترتیب ۲٫۲ اور ۱۰٫۰ بنڈی گوبر حاصل ہوگا بحیثیت مجموعی تمام زرعی جانوروں سے روزانہ ۱۲٫۲ بنڈی گوبر دستیاب ہوگا جب کہ گوبر کی جملہ روزانہ پیداوار ۱۲٫۲ بنڈی ہو تو سالانہ پیداوار (۱۲٫۲×۳۶۵) ۴۴۵۳٫۰ بنڈی ہوگی۔

واضح رہے کہ گوبر کی یہ تمام مقدار کھاد بنانے کے لئے استعمال نہیں کی جاتی۔ بلکہ اسکا کافی حصہ جلانے میں صرف ہوتا ہے اور ایک قابل لحاظ حصے کو مکانات کے لیپنے اور ان کے چھپر کاؤ میں صرف کیا جاتا ہے۔ مزارعین کا بیان ہے کہ موضع ہذا میں نصف اپلی اور نصف لکڑی جلائی جاتی ہے۔ ایک خاندان جو اوسطاً پانچ افراد پر مشتمل ہو روزانہ دس اپلیاں جلاتا ہے۔ جب کہ ایک خاندان روزانہ دس اپلیاں جلائے

تو چونکہ جملہ ۲۴۶ خاندان ہیں لہٰذا روزانہ جلنے والی اپلیوں کی تعداد ۲۴۶۰ ہوگی۔ مزارعین کے بیان کے مطابق ایک ہنڈی گوبر میں ۵۰۰ اپلیاں تیار ہو سکتی ہیں۔ جب کہ ۵۰۰ اپلیاں مساوی ہیں ایک ہنڈی گوبر کو تو ۲۴۶۰ اپلیوں کے لئے روزانہ ۹ر۴ ہنڈی گوبر درکار ہوگا جب کہ روزانہ ۹ر۴ ہنڈی گوبر مطلوب ہے تو سالانہ (۹ر۴ × ۳۶۵) ۵ر۱۷۸۸ ہنڈی گوبر اپلیوں کی خاطر مطلوب ہوگا۔ فرض کیجئے کہ مکانات کے لیپنے اور چھڑکاؤ کرنے میں (ماہانہ دو ہنڈی کے حساب سے) سالانہ چوبیس ہنڈی گوبر صرف ہوتا ہے۔ اس طرح جملہ ۵ر۱۸۱۲ ہنڈی گوبر ہر سال جلانے لیپنے اور چھڑکنے میں صرف ہوگا۔ پیچھے ہم معلوم کر آئے ہیں گوبر کی سالانہ پیداوار ۲ر۴۵۴۳ ہنڈی۔ اگر اس مقدار میں سے ۵ر۱۸۱۲ ہنڈی منہا کر دیئے جائیں تو ۵ر۲۷۴۰ ہنڈی گوبر بچ رہے گا جس کی کھاد بنائی جا سکتی ہے۔ مزارعین کا بیان ہے کہ ایک ہنڈی خالص گوبر میں مکانات کا کوڑا کرکٹ۔ جلی ہوئی اپلیوں کی راکھ۔ اور خراب گھاس و کڑبی وغیرہ جمع کر کے دو ہنڈی کھاد تیار کی جاتی ہے۔ اس حساب سے ۵ر۲۷۴۰ ہنڈی خالص گوبر میں ۵۴۸۱ ہنڈی کھاد تیار ہوگی۔

گوبر کی کھاد کا اندازہ لگانے کے بعد اب ہم مینگنی کی کھاد کا تخمینہ لگائیں گے۔ موضع زیر بحث میں جملہ ۶۸۰ مینڈھے اور مینڈیاں ہیں۔ واضح رہے کہ جنگل میں جہاں کہیں بھی گوبر پایا جائے اس کو چن لیا جاتا ہے[1] لیکن مینگنیاں نہیں چنی جا سکتیں کیونکہ جانور پہاڑ کے دامن میں اِدھر اُدھر چرتے رہتے ہیں۔ البتہ سال میں تقریباً تین مہینے کھیتوں میں چرنے کا موقع ملتا ہے۔ لہٰذا کھیتوں میں گری ہوئی مینگنیاں کھاد کے کام آتی ہیں۔ اس طرح ۳۶۵ دنوں کے منجملہ ۹۰ یوم۔ رات اور دن کی مینگنیاں کھاد کے کام آتی ہیں۔ باقی ۲۷۵ یوم صرف رات کی مینگنیاں کام آ سکتی ہیں۔ ان تمام جزویات کا لحاظ کرتے ہوئے (دھنگروں کی مدد سے) ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ ۶۸۰ مینڈھے اور مینڈیوں وغیرہ سے سالانہ ۱۲۰ ہنڈی مینگنی حاصل ہوتی ہے۔ جان کینی کی کتاب "ہندوستان میں کاشت عمیق" کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مینگنی گوبر کے مقابل تقریباً دوگنی مقوی ہوتی ہے[2]۔ لہٰذا ہم مینگنی کی ہنڈیوں کو گوبر کی ہنڈیوں میں تبدیل کرنے کے لئے ۱۲۰ ہنڈیوں کو دو سے ضرب

---

[1] دیہات میں چھوٹی لڑکیوں کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ صبح ہوتے ہی جنگل سے سوکھا گوبر چن لائیں
[2] ترجمہ مظفر حسین صاحب صفحہ (۹۳) دیکھئے۔

دینگے۔ جس کے بعد ۱۲۰ بنڈی مینگنی ۲۴۰ بنڈی خالص گوبر کے مساوی ہوگی۔ ایک بنڈی خالص گوبر میں چونکہ دو بنڈی کھاد تیار ہوتی ہے۔ لہٰذا ۲۴۰ بنڈی خالص گوبر ۴۸۰ بنڈی کھاد کے مساوی ہے۔ اس طرح ہم دیکھ رہے ہیں کہ گوبر کی کھاد کی سالانہ پیداوار (۵۶۸۱ + ۴۸۰) ۶۱۶۱ بنڈی ہوگی۔

واضح رہے کہ گدہے اور گھوڑوں کی لید بھی رائیگاں نہیں کی جاتی۔ رات میں جسقدر لید حاصل ہوتی ہے اس کو جمع کرکے بطور کھاد استعمال کیا جاتا ہے۔ پانچویں فصل میں ہم معلوم کر آئے ہیں کہ موضع ہذا میں جملہ ۳۵ گدہے اور دو گھوڑے ہیں۔ دیہاتیوں کے اندازہ کے مطابق ان جانوروں سے سالانہ ۲۴ بنڈی لید حاصل ہوتی ہے جان کینی نے بتلایا ہے کہ گوبر کے مقابل لید ڈیڑھ گنی مقوی ہوتی ہے[۱]۔ اس حساب کے مطابق لید کی ۲۴ بنڈیوں کو گوبر کی بنڈیوں میں تبدیل کرنے سے ۳۶ بنڈیاں حاصل ہونگی۔ چونکہ ایک بنڈی خالص گوبر میں دو بنڈی کھاد تیار ہوتی ہے لہٰذا ۳۶ بنڈیوں میں ۷۲ بنڈی کھاد تیار ہوگی۔ اگر ہم ان بنڈیوں کو کھاد کی سابقہ بنڈیوں (۶۱۶۱) میں جمع کریں تو موضع زیر بحث میں کھاد کی سالانہ پیداوار مکمل طور پر حاصل ہوگی اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ موضع ہذا میں سالانہ (۷۲ + ۶۱۶۱) ۶۲۳۳ بنڈی کھاد تیار ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک سو بنڈی کھاد کی حمل ونقل میں ایک بنڈی ضایع ہوتی ہے۔ لہٰذا ۶۲۳۳ بنڈی کھاد کی حمل ونقل میں ۶۲ بنڈی سے کسیقدر زاید کھاد ضایع ہوگی۔ ۶۲۳۳ بنڈی میں سے ضایع شدہ ۶۲ بنڈی منہا کرنے کے بعد ۶۱۷۱ بنڈی کھاد بچ رہی جس کو ۱۳۴۷ف (مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء تا ۵ اکتوبر ۱۹۳۸ء) میں دھان مرچ اور عشکری کی کاشت کے لئے استعمال کیا گیا۔ واضح رہے کہ عمدہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے بحیثیت مجموعی ۱۲۷۰۰ بنڈی کھاد مطلوب تھی۔ لیکن صرف ۶۱۷۱ بنڈی دستیاب ہوئی۔ کھاد کی اس کمی کو بیان کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ عمدہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے اگر سو بنڈی کھاد درکار تھی تو صرف ۴۸.۵۵ بنڈی دستیاب ہوئے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ عمدہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے بحیثیت مجموعی جس قدر کھاد مطلوب تھی اس سے ۵۱.۴۴ فی صد کم دستیاب ہوئی۔ جب کہ کمی کھاد کی یہ حالت ہو اور

---

[۱] ہندوستان میں کاشت تحقیق مترجمہ مظفر حسین صاحب صفحہ (۹۳) دیکھئے۔

جب کہ یہی حالت کم و بیش کئی سال سے جاری ہے تو بھلا ایسی صورت میں زمین کی قوت پیداوری ایک اچھے معیار پر کیوں کر برقرار رہ سکتی۔ جس طرح ناکافی اور غیر صحت بخش غذا کی وجہ سے نسل انسانی دن بدن کمزور ہوتی چلی آرہی ہے اسی طرح ناکافی اور ناقص طریق کھاد کی بدولت زمین کی زرخیزی کا مسئلہ بھی اہم سے اہم تر ہوتا جارہا ہے۔

(ب) تخم ——— یہاں تک تو ہم نے زرعی اصل واُسکے ایک جزو یعنی کھاد کی تشریح کی لیکن اب اُس کے دوسرے جزو یعنی تخم کا حال معلوم کرینگے۔

عمدہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے جہاں اور امور کا لحاظ ضروری ہے ساتھ ہی ساتھ عمدہ تخم کی اہمیت کو بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کھاد کسقدر زائد کیوں نہ ڈالی جائے اگر تخم بھی عمدہ نہ ہوں تو خاطرخواہ پیداوار نہیں حاصل ہوسکتی۔

جملہ اجناس کے تخم مقامی طور پر حاصل کئے جاتے ہیں۔ تقریباً تمام کسان اختتام فصل پر اجناس کا ایک مناسب حصہ آئندہ تخم ریزی کے خاطر احتیاط کے ساتھ محفوظ کرلیتے ہیں۔ دھان کے تخم عام طور پر گمیوں میں رکھے جاتے ہیں۔ گمی بانس کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ تخم کو گمی میں بھرنے کے بعد اس پر دھان کا گھاس ڈالا جاتا ہے۔ اور بعد ازاں مٹی کی ایک پتلی تہہ اس طور پر بچھا دی جاتی ہے کہ گمی کا منہ مکمل طور سے بند ہو جائے۔ تخم ریزی سے قبل گمی کو چار پانچ مرتبہ کھولا جاتا ہے اور دھان سوکھائے جاتے ہیں۔ دھان کو سوکھانے کے بعد گمی کو پھر اسی طرح بند کردیا جاتا ہے۔ مزارعین کا بیان ہے کہ اس طرز عمل سے بیج خراب ہونے نہیں پاتا۔ چنے مونگ وغیرہ کے تخم میں راکھ نیم کا پتا اور بھلانوے ڈالکر کسی محفوظ چیز میں رکھ دیا جاتا ہے۔

حفاظت تخم کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسان انتہائے ہوشیاری کے ساتھ اسکو عمدہ حالت میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن قسم تخم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی ادنیٰ اور معمولی ہے۔ نہ صرف دھان بلکہ ہر جنس گھٹیا قسم کی بوئی جاتی ہے ناکافی کھاد اور گھٹیا تخم کی وجہ سے پیداوار فی ایکڑ بھی ادنیٰ ہوتی ہے۔ چنانچہ موضع ہذا کی مختلف پیداواروں کا تفصیلی حال آئندہ فصل میں بیان کریں گے۔

ساتویں فصل

طریقہ ہائے کاشت۔ زرعی پیداوار۔ زرعی فروخت

۱۔ طریقہ ہائے کاشت | دیگر امور کے علاوہ زرعی پیداوار کی زیادتی یا کمی پہ طریقہ ہائے کاشت کا بھی بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اگر طریقہ ہائے کاشت اصولی ہوں تو پیداوار بھی زیادہ ہوگی۔ برعکس اس کے غیر اصولی طریقہ ہائے کاشت کی بنا پر پیداوار کی تخفیف ایک لازمی امر ہے۔ اصولی طریقہ ہائے کاشت سے ہماری مراد یہ ہے کہ کھیت کی جتائی۔ کھاد دلوائی۔ بوائی۔ کلچائی (وپٹڈنگ) سینچائی۔ نکائی۔ اور کٹائی بروقت اور مناسب طریق پر کیجاتی چاہیئے۔ خصوصاً اچھی جتائی عمدہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ جتائی کی اہمیت کے متعلق جتھیروٹل (جو کہ بہت بڑا عالم زراعت گذرا ہے) کہتا ہے کہ "کھیت کی جتائی کرنا کھاد دینا ہے" کانپور کے سرکاری مزرعہ زراعت پر ۲۵ سال متواتر تجربہ کے بعد یہ ثابت ہوا ہے کہ اچھی جتائی کھاد دینے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ (واضح رہے کہ اچھی جتائی کا مدار بڑی حد تک عمدہ آلات پر بھی ہے۔) حقیقت تو یہ ہے کہ کھاد کا پورا پورا فائدہ بھی اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے جب کہ کھیت عمدگی کے ساتھ جوتا گیا ہو۔ عمدہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے کھیت کو نہ صرف عمدگی کے ساتھ جوتنا چاہیئے بلکہ اس کا بروقت جوتا جانا بھی ضروری ہے۔ ماہرین کی رائے میں کھیت کی جتائی بارش سے قبل ہو جانی چاہیئے۔ کیونکہ اسکی وجہ سے مختلف فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بارش کا پانی گہرائی تک پہونچ سکتا ہے جنگلی پودے بہت کم اُگتے ہیں اور مہلک کیڑے بھی مرجاتے ہیں۔

واضح رہے کہ موضع زیر بحث میں ۲ قسم کے کسان ہیں۔ ایک وہ جن کو "کبنی" کہا جاتا ہے۔ "کبنی"

حقیقی معنی میں زراعت پیشہ کہلانے کے مستحق ہیں۔ زراعت انکی آبائی ہوتی ہے۔ انکی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ کلیتہً زراعت ہی پر گذر بسر کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ انکی تمام تر توجہ زراعت ہی کی طرف رہتی ہے۔ انکی اراضی گو منتشر سہی لیکن کافی وسیع ہوتی ہے۔ اس قدر وسیع کہ جسکے ذریعہ وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کی پرورش دیہاتی نکتۂ نظر سے ایک اچھے معیار پر کرسکتے ہیں۔ ان کے مویشی عمدہ ہوتے ہیں۔ زراعت سے متعلق قدیم معلومات میں یہ لوگ یکتا ہوتے ہیں۔ کھیت کو بروقت اور نسبتاً بہتر طریق پر جوتتے۔ بوتے۔ کلپاتے۔ سینچتے۔ نکالتے اور کاٹتے ہیں۔ چونکہ انکے ہاں جانور زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں لہذا کھاد بھی کافی مقدار میں دستیاب ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ دیگر کاشتکاروں کے مقابل ان کی پیداوار فی ایکر زیادہ ہوتی ہے۔

ہندوستان میں عام طور پر دو خیالات کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک وہ جو ہندوستانی کسان کی تعریف کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے کسان نہایت محنتی جفاکش اور اپنے فن کی حد تک یکتا ہوتے ہیں جب وہ یہ کہتے ہیں تو ان کے پیش نظر اس قسم کے کسان ہوتے ہیں جنکو ہم نے کنبی کے نام سے موسوم کیا ہے[1]۔ برعکس اسکے ایک دوسری جماعت ایسے افراد کی ہے جو ہندوستانی کسانوں پر بری طرح تنقید کرتی ہے۔ اور پیشہ سے متعلق تمام نقصانات کا ذمہ دار کسانوں ہی کو قرار دیتی ہے۔ اس کے پیش نظر دوسری قسم کے

[1] ۔کنبی واقعتاً قابل تعریف ہیں کیونکہ وہ اپنی محنت جفاکشی اور ہوشیاری سے نہ صرف اس قدر کماتے ہیں کہ اوس سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کرسکیں۔ بلکہ اپنی کفایت شعاری کی بدولت تھوڑے بہت سرمایہ کے مالک بھی ہوتے ہیں۔ موضع ہذا میں بہت کم کنبی مقروض نظر آتے ہیں۔ برعکس اسکے ان کی اکثریت قرض لینے کی بجائے ایک محدود پیمانہ پر قرض دہی کا کاروبار بھی کرتی ہے۔ کنبی جو مالی حالت کا لحاظ کرتے ہوئے دیگر دیہاتیوں کے مقابل بہتر نظر آتے ہیں اسکی اہم وجہ یہ ہے کہ ان کی اراضیات بالعموم معاشی ہوتی ہیں ان کے بیل عمدہ اور طریقہ ہائے کاشت (گو قدیم سہی) نسبتاً اچھے ہوتے ہیں۔ فروخت کی حد تک ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کٹائی کے بعد پیداوار کو محفوظ کردیتے ہیں۔ اور اس وقت فروخت کرتے ہیں جبکہ اجناس کا نرخ گراں ہو۔ اس ترکیب کی وجہ سے اونھیں اجناس کی قیمت اچھی ملتی ہے۔ اور وہ نسبتاً اچھی زندگی گذارتے ہیں۔

کاشت کار ہوتے ہیں۔ ان کاشت کاروں کی حالت تقریباً ایسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ بیان کی جاتی ہے۔

آبادی کے بیان میں ہم معلوم کرائے ہیں کہ ۹ء ۱۹ فیصد خاندان ایسے ہیں جنکا اصل پیشہ تو کچھ اور ہے لیکن جو ذیلی طور پر زراعت کرتے ہیں۔ دھوبی حجام۔ بڑھی۔ جلاہے۔ درزی۔ بڑھی۔ لوہار سنار وغیرہ کو (جو اپنے آبائی پیشے کے ساتھ زراعت کرتے ہیں) مذکورہ طبقہ میں شامل کیا گیا ہے۔ ان افراد کے ہاں اراضیات بالعموم بہت مختصر ہوتی ہیں ان مختصر اراضیات پر کاشت کرنے کیلئے بیل خریدے جاتے ہیں جنکو خاطرخواہ طور پر مصروف نہیں رکھا جا سکتا۔ مزید براں ان کے ہاں کھاد کی بہت قلت ہوتی ہے اسلئے کہ ان کے پاس مویشی بہت محدود تعداد میں ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ لوگ اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے زراعت کی طرف خاطرخواہ طور پر توجہ نہیں کر سکتے نتیجہ یہ کہ کنبیوں کے مقابل پیداوار فی ایکڑ کم ہوتی ہے۔ دیہات کے ایسے افراد جو مفلس ہیں اخراجات کاشت میں کفایت کی خاطر ضروری کلپائی نہیں کرتے اپنی دانست میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چار مرتبہ کلپائی کرنے کی بجائے ایک مرتبہ کلپا کر کفایت کر رہے ہیں لیکن اس کفایت کا مخالف اثر پیداوار پر پڑتا ہے۔ کیونکہ جنگلی اور غیرضروری پودوں کو اسطرح چھوڑ دینے کی وجہ سے وہ فصل کیلئے ایک طرف تو ہوا۔ روشنی اور دھوپ کو کم کر دیتے ہیں تو دوسری طرف کھاد کا بڑا حصہ بھی کھا لیتے ہیں لہذا پیداوار کم ہوتی ہے۔ اکثر کسان ناقص کلپائی کی وجہ سے بہت کچھ نقصان اٹھاتے ہیں۔

بحیثیت مجموعی موضع ہذا میں طریقہ ہائے کاشت کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ جتائی۔ بوائی کھاد ڈلوائی۔ سینچائی۔ نکائی۔ کلپائی۔ نگرانی اور کٹائی جیسے اہم کاموں کو بہت کم کسان مناسب اور موزوں طریق پر انجام دیتے ہیں۔ دیر سے جوتنے دیر سے بونے اور دیر سے کاٹنے کا مرض عام ہے دیہات کے ہوشیار کسان ان باتوں سے ہر وقت احترا ز کرتے ہیں۔

دھان کی حد تک نار لگائی (ٹرانجس پلانٹیشن) کا طریق بہت مفید ہے۔ اس طریق کے تحت ایک کیاری میں دھان بو دئیے جاتے ہیں۔ ۱۵۔ ۲۰ دن بعد پودوں کو اکھاڑ کر کھیت میں لگایا جاتا ہے

اس طرح کاشت کرنے سے پیداوار فی ایکر بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن بہت کم کسان اس طریقے پر عمل کرتے ہیں۔
موضع زیر بحث میں دھان عام طور پر چھڑک کر بوئے جاتے ہیں۔

جہاں تک کہ کھاد کا تعلق ہے اس کی قلت بہت زیادہ ہے۔ دھان۔ گنے۔ مرچ اور تمباکو کے سوائے دیگر اجناس کو کسی قسم کی کھاد نہیں دیجاتی۔ مذکورہ اجناس میں بھی دھان گنے اور مرچ کو زیادہ کھاد دیجاتی ہے۔ واضح رہے کہ سب کسانوں کو کھاد یکساں طور پر دستیاب نہیں ہوتی۔ صرف چند کسانوں کو کافی مقدار میں کھاد ملتی ہے۔ دیر سے جوتنے۔ دیر سے بونے اور دیر سے کاٹنے ضروری کلچائی نہ کرنے اور مناسب کھاد نہ دینے کی وجہ سے پیداوار بہت ادنیٰ ہوتی ہے۔

۲۔ **زرعی پیداوار** ذیل میں ۲ کاشت کاروں کی پیداوار فی ایکر کے تقابلی اعداد دئیے گئے ہیں کاشت کار نمبر ا سے ہماری مراد ایسا کاشت کار ہے جسکے طریقہ ہائے کاشت نسبتاً بہتر ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ بر وقت جوتتا۔ بوتا۔ سینچتا۔ ضروری کھاد دیتا۔ کلچاتا۔ نکاتا۔ نگرانی کرتا اور بر وقت کاٹتا ہے۔ کاشت کار نمبر ۲ سے ایسا کاشت کار مراد ہے جسکے طریقہ ہائے کاشت میں توازن نہیں۔

نام جنس	کاشت کار نمبر ۲ اور پیداوار فی ایکر	کاشت کار نمبر ا اور پیداوار فی ایکر
دھان	۱۰ تا ۱۵ من	۱۵ تا ۲۰ من
جوار	۲ تا ڈھائی من	ڈھائی تا ساڑھے تین من

مندرجۂ بالا اعداد سے واضح ہے کہ کاشت کار نمبر ا کے مقابل کاشت کار نمبر ۲ کی پیداوار فی ایکر (خواہ جوار ہو یا دھان) کم ہے۔ جسکی اہم وجہ ہر دو کے طریقہ ہائے کاشت ہیں۔ اگر دیگر کاشت کار بھی کنبیوں کے سے طریقے اختیار کریں تو دھان اور جوار کی فی ایکر پیداوار میں علی الترتیب ۵ من اور ایک من اضافے کی گنجایش ہے۔

بلحاظ پونڈ فی ایکر چاولوں کی پیداوار کم سے کم ۸۰ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰۴۸ پونڈ رہتی ہے۔ اوسط پیداوار فی ایکر بھی ۸۰ پونڈ ہے۔ جب ہم ان اعداد کا مقابلہ دیگر مقامات کی

پیداوار سے کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوسط سب سے کم ہے۔ ذیل کے اعداد ملاحظہ ہوں

نشان	نام مقام	اوسط پیداوار چاول فی ایکر پونڈوں میں
۱	ریاست ہائے متحدہ امریکہ	۱۰۹۰
۲	اٹلی	۲۱۵۱
۳	مصر	۱۴۵۶
۴	جاپان	۲۴۷۷
۵	ہندوستان[۱]	۹۱۱
۶	دوپلی	۸۷۰

واضح رہے کہ دھان اور جوار موضع ہذا کی اہم پیداواریں ہیں۔ سب سے زیادہ اہمیت دھان کو حاصل ہے۔ دھان کے بعد جوار کا درجہ ہے۔ ۱۳۴۷ف ام اکتوبر ۳۸۔ ۱۹۳۷ء میں جو رقبہ مختلف فصول کے تحت کاشت کیا گیا وہ حسب ذیل ہے۔ ان اعداد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مختلف فصلوں (یعنی خریف۔آبی۔ربیع۔تابی) میں کس قسم کی اجناس کاشت کی گئیں۔ کن اجناس کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

تفصیل فصل	نام جنس	رقبہ ایکر	رقبہ گنٹہ
	تمباکو	۱۱	۹
خریف	آسمانی دھان	۸	۲۷
	مونگ	۲	۱۳
	اڑد	۳	۱۵
	گگاس	۱۸	۲۱

---

[۱] ۔ جنتہار اینڈبری۔ جلد اول صفحہ ۱۹۲ ایڈیشن ۱۹۳۳ء

خریف	مکئی	۳	۳۴
	کودرو	۷	۱
	متفرق	۱۱	۳
آبی	آسمانی دھان	۴	۱۴
	گھاس	۸	۱
	تمباکو	۱	۵
	مونگ پھلی	۴	۳۳
	دھان	۵۰۲	۳۸
ربیع	مرچ	۷	-
	ارنڈی	۲	۳۰
	جوار	۳۰۳	۳۸
	کپاس	۲۵	۱۰
تابی	دھان	۲۹۷	۲
	نیشکر	۹	۲۶

ان اعداد سے ظاہر ہے کہ موضع زیر بحث میں چاروں فصول میں برابر کاشت ہوتی ہے۔ ان ہی اعداد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمباکو۔ آسمانی دھان۔ مونگ۔ اڑد۔ مکئی۔ کودرو۔ مونگ پھلی۔ ارنڈی۔ کپاس۔ مرچ۔ دھان اور جوار یہاں کی عام اجناس ہیں۔ دھان اور جوار کے علاوہ باقی تمام اجناس کا رقبہ کاشت محدود ہے۔ دھان اور جوار کی اس اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے ضرورت اس امر کی ہے کہ دیگر اجناس کے مقابل سب سے زیادہ توجہ انہی کی طرف کیجانی چاہیئے۔

۳۔ فروخت پیداوار یہاں تک تو ہم نے طریقہ ہائے کاشت اور زرعی پیداوار کی تشریح کی لیکن اب ہم اپنی توجہ فروخت پیداوار کی طرف مبذول کرینگے۔

مزارعین کی آمدنی میں تخفیف ایک طرف تو ادنی پیداوار (جو گوناگوں حالات کا نتیجہ ہوتی ہے) کی وجہ سے ہوتی ہے اور دوسری طرف ناقص طریقہ ہائے فروخت کی بہ دولت بھی قابلِ لحاظ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

جیسا کہ ہم پیچھے بتا چکے ہیں موضع زیر بحث کی سب سے اہم پیداوار دھان ہے ذیل میں ہم دھانوں کی فروخت کے مختلف طریقوں کی تشریح کرتے ہوئے یہ معلوم کرینگے کہ کسانوں کے لئے کونسا طریقہ مفید ہے لیکن عام طور پر کس طریق کے تحت دھان فروخت کئے جاتے ہیں۔

دھان کی فروخت کا پہلا طریقہ ——— دھان کی فروخت کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس کو چاول کی شکل میں تبدیل کرکے نظام آباد کی مارکیٹ میں فروخت کیا جاتا ہے۔ بنظر سہولت ہم یہ فرض کر لینگے کہ ایک کھنڈی (۲۰ من) دھانوں کی فروخت عمل میں آرہی ہے۔ موجودہ حالات کے تحت ایک کھنڈی دھان کو چاول کی شکل میں تبدیل کرنے اور نظام آباد کی مارکٹ میں فروخت کرنے کیلئے حسب ذیل اخراجات لاحق ہوتے ہیں۔

(الف) صرفہ حمل و نقل از دیہات تا گرنی

	روپیہ	آنے	پائی
۱۔ کرایہ حمل و نقل	۳	۰	۰
۲۔ چیٹھی راہ داری بحساب فی بنڈی ایک آنہ	۰	۲	۰
جملہ	۳	۲	۰

(ب) صرفہ جو گرنی میں دھانوں کو چاول کی شکل میں تبدیل کرنیکی وجہ سے لاحق ہوتا ہے

	روپیہ	آنے	پائی
۱۔ دھانوں کو چاول کی شکل میں تبدیل کرنے کی اُجرت	۴	۱۱	۰
۲۔ اُجرت حمالی	۰	۴	۲
۳۔ دھرم داؤ	۰	۱	۲
۴۔ بالاجی	۰	۱	۲
جملہ	۵	۲	۲

(ج) صرفہ جو چاولوں کو گرگی میں فروخت کرنے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے۔

	روپیہ	آنے	پائی
۱۔ کرایہ ہنڈی از گرگی تا گنج۔	.	۴	۶
۲۔ لوکلفنڈ	.	۱	.
۳۔ اڑتی بحساب فیصد ایکروپیہ آٹھ آنے	۱	۵	۶
۴۔ دھرم داؤ	.	.	۹
۵۔ بالاجی	.	.	۹
۶۔ اُجرت باردار (تولنے والا)	.	۶	.
۷۔ صرفہ سُتلی	.	۱	۶
۸۔ اُجرت حمالی	.	۱	۶
جملہ............................	۲	۵	۶

اس طرح ایک کھنڈی کو چاولوں کی شکل میں تبدیل کرکے فروخت کرنے کے جملہ اخراجات ۱۰ روپیہ ۱۰ آنے ہوتے ہیں۔ ایک کھنڈی دھان میں سواسات پلّے چاول نکلتے ہیں۔ بازاری نرخ کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی قیمت ۸۶ روپیہ ہوتی ہے۔ ۸۶ روپیہ میں سے جملہ اخراجات فروخت منہا کرنے کے بعد کسان کو ۷۵ روپیہ ۶ آنے ملتے ہیں۔

دھان کی فروخت کا دوسرا طریقہ ——— دھان کی فروخت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مختلف مقامات کے تاجر دیہات آتے ہیں اور مقامی طور پر دھان خریدتے ہیں۔ دھان کی خریدی عام طور پر ۷۰ یا زیادہ سے زیادہ ۷۲ روپیہ کھنڈی کے حساب سے ہوا کرتی ہے۔ تاجر کثیر مقدار میں دھان خرید کر گرگی میں محفوظ کروا دیتے ہیں۔ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ چاولوں کا نرخ بڑھ گیا ہے تو فوراً دھان کو چاولوں کی شکل میں تبدیل کرکے فروخت کر دیتے ہیں۔ اس ترکیب کی وجہ سے انہیں فی کھنڈی ۷۵ روپیہ ۶ آنے سے بھی زاید قیمت ملتی ہے جسکی اہم وجہ تاجروں کی معاملہ فہمی ہے۔

دھانوں کی فروخت کا تیسرا طریقہ ——— دھانوں کی فروخت کا تیسرا طریقہ لاونی کا ہے۔

کسان ابتدائے کاشت کے وقت ساہوکار سے قرض حاصل کرتا ہے۔ اور اس سے وعدہ کرتا ہے کہ کٹائی فصل کے بعد اصل وسود کی ادائی بشکل زر کرنے کی بجائے ایک مقررہ نرخ سے (جو بازاری نرخ سے کم ہوتا ہے) اسقدر غلہ فروخت کریگا کہ حساب بے باق ہو جائے۔ بعض ساہوکار ۵۰ فیصد تخفیف کے ساتھ خریدتے ہیں مثلاً یہ کہ اگر ایک ساہوکار ابتدائے فصل پر کسان کو ۳۵ روپیہ قرض دے تو وہ اس سے وعدہ لیتا ہے کہ اختتام فصل پر ایک کھنڈی دھان دے۔ اس وقت ایک کھنڈی دھان کا بازاری نرخ ۷۰ روپیہ ہوتا ہے گویا آسامی کو ساہوکار کے ہاتھ مال فروخت کرنے کی وجہ سے ۳۵ روپیہ کا نقصان ہو رہا ہے۔ (ساہوکار نہ صرف کم قیمت پر مال خریدتے ہیں بلکہ نپائی کے وقت سرکاری ناپ کے مقابل نسبتاً بڑا ناپ استعمال کرتے ہیں۔ مزید برآں انکے ناپنے کا طریقہ کچھ اس طور کا ہوتا ہے کہ اسکی بدولت زیادہ دھان نپ جاتے ہیں اگر ان امور کا پورا پورا لحاظ کیا جائے تو کسان کا نقصان ۳۵ روپیوں سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

لیکن اس نقصان کو نقصان خام کہنا چاہیئے۔ اسلئے کہ ۳۵ روپیوں کا سود بھی اسی میں شامل ہے ۳۵ روپیوں پر اگر ایک فیصد ماہانہ کے حساب سے سود لگایا جائے تو اسکی مقدار (۶ ماہ کیلئے) ۲ روپیہ ایک آنہ ۶ پائی ہوتی ہے۔ ۳۵ روپیوں میں سے یہ مقدار منہا کرنے کے بعد ۳۲ روپیہ ۱۴ آنے چھ پائی بچ رہتے ہیں۔ اور یہی نقصان خالص ہے۔ چونکہ دیہاتی تھوڑی تھوڑی رقومات مثلاً ۲۔ ۴۔ ۶۔ ۸ اور ۱۰ قرض لیتے ہیں لہذا انہیں نقصان کا حقیقی احساس نہیں ہوتا۔ مزید برآں وہ اپنی لاعلمی کی بدولت اس کا حساب بھی نہیں لگا سکتے۔

واضح رہے کہ قرض لیکر ۵۰ فیصد تخفیف کے ساتھ مال فروخت کرنے کا وعدہ صرف وہی کسان کرتے ہیں جو بہت ہی مجبور ہوتے ہیں۔ ساہوکار ان کی مجبوری سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بعض ساہوکار ایسے بھی ہیں جو ۵۰، ۴۲ فیصد کی تخفیف کے ساتھ مال خریدتے ہیں مثلاً یہ کہ اگر وہ ابتدائے فصل پر کسان کو ۴۰ روپیہ قرض دیں تو اس سے وعدہ لیتے ہیں کہ اختتام فصل پر ایک کھنڈی دھان دیئے جائیں۔ اس صورت میں کسان کا نقصان خام ۳۵ کی بجائے ۳۰ ہو جاتا ہے۔ اگر ۴۰ روپیوں پر ایک فیصد ماہانہ کے حساب سے ۶ ماہ کا سود لگایا جائے تو اسکی مقدار ۲ روپے ۶ آنے ۵ پائی ہوتی ہے۔

نقصان تمام میں سے یہ مقدار منہا کرنے کے بعد نقصان خالص کی مقدار ۷ ۲ روپیہ ۱۱ آنے ۷ پائی رہتی ہے۔

دھان کی خریدی کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ ساہوکار ابتدائے فصل پر اگر ۱۲۰ روپیہ قرض دے تو وہ آسامی سے وعدہ لیتا ہے کہ ۶۰ روپیوں پر ڈیڑھ فیصد ماہانہ کے حساب سے رقمی سود ادا کرے۔ باقی ۶۰ روپیوں کے دھان ۱۰ فیصد تخفیف کے ساتھ فروخت کرے یعنے یہ کہ اگر بازار میں ایک کھنڈی دھان کا نرخ ۷۰ روپیہ ہو تو ۶۰ روپیہ میں فروخت کرے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس طریق کی وجہ سے کسان کو کسقدر نقصان ہوتا ہے۔ ساہوکار کو چاہیئے تھا کہ وہ قرض دے کر رقمی سود وصول کرتا۔ اگر وہ ۱۲۰ روپیوں پر ایک فیصد ماہانہ کے حساب سے خالص رقمی سود وصول کرے تو چھ ماہ کا جملہ سود ۷ روپیہ ۳ آنے ۲ پائی ہوتا ہے۔ لیکن ساہوکار کسان سے اصل کے علاوہ ۵ روپیہ ۶ آنے ۵ پائی (۶۰ روپیوں پر فیصد ڈیڑھ روپیہ ماہانہ کے حساب سے ۶ ماہ کا سود) جمع ۱۰ روپے (منافع بابتہ خریدی دھان) وصول کرتا ہے۔ گویا ساہوکار اصل کے علاوہ بحیثیت مجموعی ۱۵ روپیہ ۶ آنے ۵ پائی وصول کرتا ہے اگر اس میں سے ۱۲۰ روپے پر ۶ ماہ کیلئے فیصد ایک روپیہ ماہانہ کے حساب سے سود منہا کر دیا جائے تو جو باقی بچ رہے گا وہ کسان کا نقصان خالص ہوگا۔ جو کہ اسکو اپنی مجبوری کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس عمل کے بعد ۸ روپیہ ۹ آنے ۸ پائی بچ رہتے ہیں۔ گویا یہی نقصان خالص ہے۔ اگر زاید ناپ کا بھی پورا پورا لحاظ کیا جائے تو نقصان کی مقدار میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

واضح رہے کہ فروخت پیداوار کے اول الذکر طریق (یعنی ۱۰ فیصد تخفیف کے ساتھ فروخت کرنے) میں کسانوں کو ۷ر۴ فیصد حقیقی نقصان ہوتا ہے۔ دوسرے طریق کے تحت حقیقی نقصان کی مقدار ۶ر۳۹ فیصد رہتی ہے۔ تیسرے طریق میں یہ نقصان تقریباً ۶ر۶ فیصد رہتا ہے۔ اوّل الذکر دو طریقوں کے تحت نسبتاً بہت کم مال فروخت کیا جاتا ہے البتہ تیسرے طریق کے تحت سب سے زیادہ دھان فروخت ہوتے ہیں اندازاً دیہات کے جملہ فروخت شدنی دھانوں کا ۵۰ فیصد حصہ اسی طریق کے تحت فروخت ہوتا ہے۔

جب ہم بحیثیت مجموعی دیہات کے جملہ طریقہ ہائے فروخت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کسانوں کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ دھانوں کو چاولوں کی شکل میں تبدیل کر کے فروخت کریں۔

لیکن گوناگوں مجبوریوں کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کرسکتے۔ (صرف چند کسان جو غیر مقروض ہیں اور جنکے ہاں ذاتی بنڈیاں ہیں اپنی اجناس کو نظام آباد کی مارکٹ میں فروخت کرتے ہیں) سب سے اہم وقت جو انہیں اس کام سے روکتی ہے وہ ساہوکاروں کا قرض ہے۔ چونکہ کسان ساہوکاروں کے مقروض ہوتے ہیں لہذا وہ اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ اپنا غلّہ ساہوکاروں ہی کے ہاتھ فروخت کریں۔ ورنہ وہ انہیں قرض دینے سے انکار کردیتے ہیں۔ کسان اگر اپنی پیداوار کو معاشی اصول پر فروخت کریں تو ان کی آمدنیوں میں قابل لحاظ اضافہ ہوسکتا ہے۔

صرف دھان کی فروخت کے حالات خصوصیت کے ساتھ اسلئے بیان کئے گئے ہیں کہ وہاں نہ صرف موضع زیر بحث کی سب سے اہم پیداوار ہے بلکہ یہ ایک تجارتی جنس بھی ہے۔ جہاں تک کہ دیگر پیداوار کا تعلق ہے (موضع ہذا کے لئے) انکی فروخت کا مسئلہ اسقدر اہم نہیں لہذا انہیں نظرانداز کردیا گیا ہے۔

آٹھویں اور نویں فصل میں ہم مقروضیت کے حالات کی تشریح کرینگے۔ جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ اعلی شرح سود کی وجہ سے بھی کسانوں کو قابل لحاظ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

آٹھویں فصل زرعی مقروضیت[1]

اس فصل میں ہم حسب ذیل عنوانات پر بحث کرینگے۔

۱- قرض کی تقسیم		۲- مجموعی قرض اور اسکا بار

۳- قرض کی ماہیت		۴- قرض کی خصوصیات

قرض کی تقسیم (الف) تقسیم قرض بلحاظ مذہب — موضع زیر بحث کا جملہ قرض[2] ۲۵۰۰۰ روپیہ ہے۔ اس کی تقسیم دو طرح پر کیجا سکتی ہے۔ ایک بلحاظ مذہب۔ دوسرے بلحاظ پیشہ۔ اولاً ہم قرض کی تقسیم مذہبی لحاظ سے معلوم کرینگے۔ ذیل کے اعداد میں ہم نے بتلایا ہے کہ مختلف مذاہب میں کتنے فیصد خاندان مقروض ہیں اور کتنے فیصد غیر مقروض۔ ہر مذہب والوں کا جملہ قرض کسقدر ہے۔ مجموعی قرض کا لحاظ کرتے ہوئے ہر ایک قرض کا فیصد کیا ہے۔ ہر مقروض اور غیر مقروض خاندان کا اوسطاً قرض کسقدر ہے نیز اس امر کی صراحت کی گئی ہے، کہ فی کس قرض کا بار کسقدر ہے۔

تفصیل مذاہب	خاندان		جملہ قرض	فیصد قرض بلحاظ مجموعی قرض	اوسط قرض		
	فیصد مقروض	فیصد غیر مقروض			فی مقروض خاندان	خاندان	فی کس
ہندو	۸۴	۱۶	۳۰۶۱۹	۷۴	۲۱۱	۱۷۸	۳۶
نیچ ذات	۹۲	۸	۹۰۹۴	۲۳	۱۵۲	۱۴۰	۲۴
مسلمان	۸۶	۱۴	۱۱۱۲	۳	۱۸۵	۱۵۹	۳۱
عیسائی	۰	۱۰۰	۰	-	۰	-	۰

۱؎ ضمنی طور پر غیر زرعی قرض کی بھی تشریح کی گئی ہے۔ ۲؎ سنہ ۱۳۴۷ف (م اکتوبر ۳۸-۱۹۳۷ء) کی قرضہ شماری کے مطابق جو بذات خود کی گئی ہے۔

مندرجہ صدر اعداد سے واضح ہے کہ قرض کا سب سے زیادہ بار (کیا بلحاظ خاندان اور کیا بلحاظ فرداً فرداً) ہندو خاندانوں پر ہے۔ اسکی ایک وجہ ہندو خاندانوں کی ساکھ اور پیمانہ کاروبار ہے۔ عمدہ ساکھ کی وجہ سے اگر ایک طرف قرض بآسانی حاصل کیا جاسکتا ہے تو دوسری طرف زاید مقدار میں بھی قرضہ لیا جاسکتا ہے۔

نیچ ذات (اچھوت) خاندانوں پر اسمیں شک نہیں کہ ہندو خاندانوں کے مقابل قرض کا بار کم ہے لیکن ان کی پست معاشی حالت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مقدار بھی زیادہ ہے۔ خصوصاً اس شرح سود کا لحاظ کرتے ہوئے جس پر کہ نیچ ذات افراد قرض حاصل کرتے ہیں۔

مسلمان خاندانوں میں اوسط قرضہ فی کس سب سے کم ہے لیکن بلحاظ خاندان قرض کا اوسط بڑھ جاتا ہے نیچ ذات خاندانوں میں فی مقروض خاندان قرض کا اوسط ۱۵۲ روپیہ ہے لیکن مسلمان خاندانوں میں یہ اوسط ۱۸۵ روپیہ ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مسلمان خاندان نیچ ذات خاندانوں کے مقابل مسرف ہیں بلکہ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ نیچ ذات خاندانوں کے مقابل مسلمانوں کا معاشی درجہ اور پیمانہ کاروبار بڑھا ہوا ہے یہی رشتہ مسلمان اور ہندو خاندانوں کے مابین ہے۔ ہندو خاندانوں کا معاشی درجہ اور پیمانہ کاروبار چونکہ مسلمانوں کے مقابل بڑھا ہوا ہے لہذا ان کا قرض بھی نسبتاً زیادہ ہے۔

مندرجہ صدر اعداد سے ظاہر ہے کہ عیسائیوں میں صد فی صد خاندان غیر مقروض ہے۔ لیکن یہ امر واضح رہنا چاہیئے کہ صرف ایک عیسائی خاندان تبلیغ مذہب کی خاطر مقیم ہے۔ چونکہ اس خاندان کی ماہانہ معینہ آمدنی ہے اور چونکہ اسکے افراد تعلیم یافتہ ہیں لہذا خرچ کو آمدنی کے حدود سے بڑھنے نہیں دیا جاتا۔ جب کہ خرچ آمدنی سے کم یا اس کے مساوی رہے تو قرض کا سوال ہی کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔

(ب) تقسیم قرض بلحاظ پیشہ —— تقسیم قرض بلحاظ مذہب بتانے کے بعد اب یہ دریافت کرنا ہے کہ پیشوں کے لحاظ سے اس کی کیا نوعیت ہے۔ آبادی کے بیان میں پیشوں کی ایک عام تقسیم دو طرح پر کی گئی تھی (۱) زراعتی (۲) غیر زراعتی۔ اسی قسم کا لحاظ کرتے ہوئے قرض کا تجزیہ کیا جائیگا۔

۱- غیر زرعی قرض ـــــ ۴۰۸۲۵ روپیوں میں سے غیر زرعی قرض ۱۷۲۲ روپیہ ہے۔ بالفاظ دیگر مجموعی قرض کا لحاظ کرتے ہوئے غیر زرعی قرض ۴.۲ فیصد ہے۔ ذیل کی جدول میں مختلف نقاط نظر سے اس قرض کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

تفصیل غیر زراعت پیشہ	خاندان		جملہ قرض	اوسط قرضہ		
	فیصد مقروض	فیصد غیر مقروض		فی مقروض خاندان	فی غیر مقروض خاندان	فی کس
خالص دستکار	۲۰	۸۰	۸۷۲	۴۳۶	۸۷	۱۹
خالص ملازم سرکار	۱۰۰	۰	۱۵۰	۷۵	۷۵	۲۵
خالص تجار	۵۰	۵۰	۶۰۰	۶۰۰	۳۰۰	۱۵۰
گداپیشہ[۵]	۳۰	۷۰	۱۰۰	۳۳	۲۵	۱۰

واضح رہے کہ غیر زراعت پیشہ افراد میں دستکار۔ ملازمت پیشہ۔ تجارت پیشہ اور گداپیشہ افراد کو شامل کیا گیا ہے۔ اس تقسیم کا لحاظ کرتے ہوئے قرضہ کا سب سے زیادہ بار تجارت پیشہ خاندانوں پر ہے ـــ لیکن اس بار کو بار نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کا تقریباً تمام حصہ پیداوار ہے۔ خالص ملازمت پیشہ صرف دو خاندان ہیں اور یہ دونوں خاندان مقروض ہیں اسی لئے انہیں صد فیصد مقروض بتلایا گیا ہے ـــ خالص دستکار خاندانوں میں اس میں شک نہیں کہ ۸۰ فیصد غیر مقروض ہیں لیکن مقروض خاندان بری طرح قرض میں مبتلا ہیں ـــ پیشہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ذاتی بدروئگی کی وجہ سے۔ گداپیشہ خاندان بھی اپنی بضاعت کے موافق مقروض نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ان خاندانوں میں اوسط قرضہ فی کس صرف دس روپیہ ہے۔

اگر ہم غیر زراعت پیشہ خاندانوں کے قرض کا مطالعہ مجموعی نقطہ نظر سے کریں تو ہم ۴۴ فیصد خاندان مقروض اور ۵۶ فیصد غیر مقروض ملینگے۔ اوسط قرضہ فی خاندان ۹۶ روپے ہے۔ فی مقروض خاندان

[۵] گداپیشہ خاندانوں کو بہ نظر سہولت غیر زراعت پیشہ خاندانوں میں شامل کیا گیا ہے۔ حالانکہ انہیں بالکل علیحدہ رکھنا چاہیے۔

قرض کا اوسط ۱۲۵ روپیہ ہے۔ فی کس قرض کا بار ۲۷ روپیہ ہے۔

(۲) زرعی قرض۔۔۔۔ غیر زرعی قرض کی تشریح کے بعد اب ہم زرعی قرض کا حال معلوم کرینگے۔ مجموعی قرض یعنی ۴۰۸۲۵ روپیوں میں ۳۹۱۰۲ روپیہ زرعی قرض ہے۔ گویا مجموعی قرض کے تناسب سے زرعی قرض ۹۵،۸ فیصد ہے۔ ذیل کی جدول میں بتلایا گیا ہے کہ یہ قرض مختلف خاندانوں میں کیونکر منقسم ہے۔

تفصیل زراعت پیشہ	خاندان		جملہ قرض	اوسط قرضہ		
	فیصد مقروض	فیصد غیر مقروض		فی مقروض	فی خاندان	فی کس
خالص زراعت پیشہ	۹۳	۱۷	۱۴۶۶۰	۲۵۶	۲۰۶	۴۱
اصل پیشہ زراعت ذیلی طور پر دیگر پیشے	۹۲	۸	۱۳۶۱۱	۲۰۶	۱۸۹	۳۶
اصلی طور پر دیگر پیشے ذیلی طور پر زراعت	۸۹	۱۱	۸۲۰۰	۱۸۶	۱۶۵	۳۶
خالص زرعی مزدور	۸۶	۱۴	۲۶۳۲	۸۵	۷۳	۲۱

مندرجۂ بالا اعداد سے واضح ہے کہ طبقہ اول (خالص زراعت پیشہ کے خاندانوں میں غیر مقروض خاندانوں کا فیصد اس میں شک نہیں کہ دیگر طبقوں کے مقابل بڑھا ہوا ہے لیکن قرض کا بار (کیا بلحاظ خاندان اور کیا بلحاظ فی کس) سب سے زیادہ اس طبقے پر ہے۔

دوسرے طبقے (وہ خاندان جنکا اصل پیشہ تو زراعت ہے لیکن جو ذیلی طور پر دیگر کاروبار بھی کرتے ہیں) میں غیر مقروض خاندانوں کا فی صد طبقہ اول کے مقابل بہت کم ہے لیکن جہاں تک کہ بار قرض کا تعلق ہے یہ طبقہ اسقدر زیادہ مقروض نہیں۔

تیسرے طبقے (وہ خاندان جنکا اصل پیشہ تو کچھ اور ہے لیکن جو ذیلی طور پر زراعت کرتے ہیں) میں مقروض خاندانوں کا فی صد طبقہ دوم کے مقابل زیادہ اور طبقہ اول کے مقابل کم ہے۔ بار قرض کے

لحاظ سے بھی یہ طبقہ نسبتاً کم مقروض ہے۔ البتہ اوسط قرض فی کس طبقہ دوم کے مساوی ہے۔

چوتھے طبقے (خالص زرعی مزدور) پر قرض کا بار (ہر لحاظ سے) سب سے کم ہے۔ لیکن اس کمی کا یہ مطلب نہیں کہ یہ طبقہ دیگر طبقوں کے مقابل خوش حال ہے۔ قرض کی کمی پست معاشی درجے اور ادنیٰ ساکھ کا نتیجہ ہے نہ کہ خوش حال زندگی کا باعث۔

جب ہم مجموعی لحاظ سے زرعی مقروضیت پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ۲۲۸ زراعت پیشہ خاندانوں میں سے ۲۰۱ یا ۸۸ فی صد خاندان مقروض اور ۲۷ یا تقریباً ۱۲ فیصد غیر مقروض نظر آتے ہیں اوسط قرضہ فی خاندان تقریباً ۱۷۲ روپیہ ہے۔ فی مقروض خاندان قرض کا اوسط تقریباً ۱۹۵ روپیہ ہے فی کس قرض کا بار تقریباً ۳۶ روپیہ ہے۔

زرعی اور غیر زرعی قرضہ کی جدا جدا تشریح کے بعد ہر دو کا مقابلہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ چنانچہ ذیل میں تقابلی اعداد پیش کئے جاتے ہیں۔

تفصیل پیشہ	خاندان		جملہ قرض	فیصد قرض بلحاظ مجموعی قرض	اوسط قرضہ		
	فیصد مقروض	فیصد غیر مقروض			فی مقروض خاندان	فی خاندان	فی کس
غیر زراعت پیشہ	۴۴	۵۶	۱۷۲۲	۴٫۲	۲۱۵	۹۶	۲۷
زراعت پیشہ	۸۸	۱۲	۳۹۱۰۳	۹۵٫۸	۱۷۲	۱۷۲	۳۶

مندرجہ صدر اعداد سے ظاہر ہے کہ غیر زراعت پیشہ خاندانوں میں صرف ۴۴ فیصد مقروض اور ۵۶ فی صد غیر مقروض ہیں۔ زراعت پیشہ خاندانوں میں نوعیت بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ صرف ۱۲ فیصد قرض سے بری اور ۸۸ فیصد مقروض ہیں۔

غیر زراعت پیشہ خاندانوں میں فی مقروض خاندان قرض کا اوسط تقریباً ۲۱ فیصد بڑھا ہوا ہے اس زیادتی کی وجہ یہ کہ غیر زراعت پیشہ خاندانوں میں بعض ناعاقبت اندیش خاندان بہت بری طرح

مقروض ہیں۔ان استثنائی خاندانوں کی وجہ سے قرض کا اوسط بہت بڑھ گیا ہے۔

جب ہم جملہ خاندانوں (مقروض وغیر مقروض) کا لحاظ کرتے ہوئے بار قرض پر غور کرتے ہیں تو غیر زراعت پیشہ خاندانوں کے مقابل زراعت پیشہ خاندانوں پر ۳۰ افیصد زاید بار نظر آتا ہے۔ غیر زراعت پیشہ خاندانوں کے مقابل زراعت پیشہ خاندانوں میں فی کس قرض کا بار بھی ۳۲ فیصد زیادہ ہے۔ جسکی ایک اہم وجہ پیشہ زراعت کی ادنی قوت پیدا آوری ہے۔

۲۔ **مجموعی قرض اور اسکا بار** یہاں تک تو ہم نے زرعی اور غیر زرعی قرض کے جدا جدا حالات بتلاتے ہوئے آخر میں ہر دو قرضوں کا تقابلی مطالعہ کیا لیکن اب ہم یہ دریافت کرینگے کہ بلاتفریق مذہب یا پیشہ آبادی پر قرض کا کسقدر بار ہے۔

پہلی فصل میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ موضع زیر بحث میں جملہ ۲۴۶ خاندان ہیں۔ان خاندانوں میں سے ۲۱۱ خاندان مقروض اور صرف ۳۵ غیر مقروض ہیں بالفاظ دیگر مجموعی خاندانوں کا لحاظ کرتے ہوئے ۸۵ فیصد مقروض اور ۱۵ فیصد غیر مقروض ہیں۔ اوسط قرضہ فی خاندان ۱۶۷ روپیہ ہے۔فی مقروض خاندان قرض کا اوسط ۱۹۳ روپیہ ہے۔فی کس قرض ۳۵ روپیہ ہے۔مندرجہ ذیل اعداد کے ذریعہ بتلایا گیا ہے کہ موضع ہذا اور دیگر مقامات ہند میں غیر مقروض خاندانوں کا فی صد کیا ہے۔

نشان	نام مقام	فیصد غیر مقروض خاندان
۱	پنجاب	۱۳
۲	صوبہ جات متحدہ	۴۶
۳	بہار و اڑیسہ	۳۵ تا ۵۰
۴	صوبہ جات متوسط	۴۶
۵	برما	۱۴
۶	آسام	۱۵
۷	گجرات	۲۲

۸	سندھ	۱۳
۹	تعلقہ بورسیڈ (واقع گجرات)[1]	۲۱٫۵
۱۰	موضع اٹیگام (واقع گجرات)[2]	۲۷٫۵
۱۱	موضع پنیٹہ (واقع حیدرآباد دکن)[3]	۳۲٫۶
۱۲	موضع پن گنٹہ (واقع حیدرآباد دکن)[4]	۴۳٫۲
۱۳	موضع پھل مامڑی (واقع حیدرآباد دکن)	۱۴٫۵
۱۴	موضع دوپلی (موضع زیربحث)	۱۵

مندرجہ بالا اعداد کے دیکھنے سے واضح ہے کہ زیربحث موضع میں بھی برما، آسام اور پنجاب وغیرہ کی طرح غیر مقروض خاندانوں کا اوسط نسبتاً بہت کم ہے۔ ذیل میں فی کس اوسط قرض کے تقابلی اعداد دیئے گئے ہیں۔

نام مقام	اوسط قرضہ فی کس		نام مقام	اوسط قرضہ فی کس	
	حالی	کلدار		حالی	کلدار
پنجاب	۶۶٫۱۲	۵۷	مارواڑ	۵۱٫۰۴	۴۴
صوبجات متحدہ	۲۹	۲۵	تعلقہ بورسیڈ	۱۲۵٫۲۸	۱۰۸
بہار و اڑیسہ	۴۷٫۵۶	۴۱	موضع اٹیگام	۴۹٫۸۸	۴۳
صوبجات متوسط	۲۶٫۶۸	۲۳	موضع پنیٹہ	۲۳	۱۹٫۸۲
برما	۴۲٫۹۲	۳۷	موضع پن گنٹہ	۴۲	۳۶٫۲
آسام	۲۷٫۸۴	۲۴	موضع پھل مامڑی	۵۱	۴۳٫۹۶
شمال مشرقی سرحدی صوبہ	۵۱٫۰۴	۴۴	موضع دوپلی	۳۵	۳۰٫۱۷

[1] یہ اعداد مسٹر اے۔ ڈی پٹیل کی کتاب ہندوستانی زرعی قرض کے صفحہ ۲۳۴ سے لئے گئے ہیں۔ [2] "لائف اور لیبر" از جی سی مکتیار صفحہ (۲۳۸) دیئے ہوئے اعداد کی مدد سے ہم نے فیصد نکالا ہے۔ [3] "موضع پنیٹہ" کی معاشی تحقیق" از محمد ناصر علی صاحب صفحہ ۲۵ [4] "موضع پن گنٹہ کی معاشی تحقیق" از شیخ علی مجلہ عثمانیہ جلد ۱۱ صفحہ ۵۸ [5] موضع پھل مامڑی کی معاشی تحقیق از احمد خاں (مضمون غیر مطبوعہ) نوٹ۔ ۱۱۶ حالی مساوی ہے ۱۰۰ کلدار روپیوں کے۔

مندرجہ بالا اعداد سے واضح ہے کہ صوبہ جات متحدہ صوبہ جات متوسط اور آسام کی طرح موضع دوپلی میں بھی قرض کا اوسط کم ہے۔ مسٹر بھروچہ زائد معتمد مال نے ۱۳۴۵ف (م اکٹوبر ۳۶-۱۹۳۵ء) میں حیدرآباد کے ۳۱۲ مواضعات میں زرعی قرضہ جات کی تحقیق کی (واضح رہے کہ صاحب موصوف کی تحقیق صرف زمیندار جماعتوں تک محدود تھی۔) اور اپنی رپورٹ ۱۳۴۶ف (م اکٹوبر ۳۷-۱۹۳۶ء) میں شائع کی۔ اس رپورٹ میں فی کس قرض کا بار ۳۰ روپیہ حالی بتلایا گیا ہے جو کہ ۲۵٫۸۶ روپیے کلدار کے مساوی ہے۔ موضع زیر بحث میں فی کس قرض کا بار مسٹر بھروچہ کے اعداد سے ۱۶٫۶۶ فیصد بڑھا ہوا ہے۔ لیکن اسکے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ موضع ہذا میں قرض کا بار کچھ زیادہ نہیں۔

۳۔ قرض کی ماہیت قرض کی تقسیم اور بار قرض کی تشریح کے بعد اب ہم اپنی توجہ ایک دوسرے دلچسپ عنوان یعنی ماہیت قرض کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ اس عنوان کے تحت ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مجموعی قرض میں سے (۱) سودی قرض کسقدر ہے اور غیر سودی کسقدر (۲) اسی طرح کفالتی قرضہ کتنا ہے اور غیر کفالتی کتنا (۳) جنسی قرضہ کسقدر ہے اور غیر جنسی کسقدر (۴) ذاتی۔ آبائی اور مخلوط قرضوں کی کیا مقدار ہے۔ ذیل میں ان امور کی سلسلہ وار تشریح کیجاتی ہے۔

(۱) سودی اور غیر سودی قرض ——— واضح رہے کہ غیر سودی قرض سے ہماری مراد قرض حسنہ ہے۔ اس قسم کے قرض کی مقدار بہت ہی قلیل ہے۔ ۴۰۸۲۵ روپیوں میں سے غیر سودی قرض کی مقدار صرف ۵۲۵ ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ مجموعی قرض کا لحاظ کرتے ہوئے غیر سودی قرض ۳ء۱ فی صد ہے۔ باقی ۴۰۳۰۰ روپیے یا ۹۸٫۷ فیصد قرض سودی ہے۔

غیر سودی قرض عموماً عزیز و اقارب ایک دوسرے سے حاصل کرتے ہیں۔ ان قرضوں کی مقدار بالعموم ۵۔ ۱۰۔ ۱۵۔ ۲۰ اور ۲۵ روپیوں سے زاید نہیں ہوتی۔ بعض مرتبہ ساہوکار بھی معتبر آسامیوں کو (جنسے ان کے دوستانہ تعلقات ہیں) ایک قلیل عرصہ کیلئے غیر سودی قرض دیتے ہیں۔

(۲) کفالتی اور غیر کفالتی قرض ——— جسطرح غیر سودی قرض کی مقدار بہت محدود ہے اسی طرح کفالتی قرض بھی بہت ہی قلیل ہے۔ ۴۰۸۲۵ روپیوں میں سے ۳۹۲۳۵ روپیہ غیر کفالتی قرضہ ہے

اور ۹۰ء۱۵ روپیہ کفالتی قرض ہے۔

۱۵۹۰ روپیوں میں سے ۱۳۵۲ روپیے جائداد غیر منقولہ مثلاً زمین اور مکانات کی کفالت پر حاصل کئے گئے ہیں۔ باقی ۲۳۸ روپیہ قرض اشیاء منقولہ (مثلاً سونے چاندی کی چیزیں) کی کفالت پر لیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ مجموعی قرض کا لحاظ کرتے ہوئے کفالتی قرضہ ۱ء۹ فیصد ہے اور غیر کفالتی قرض ۹ء۹۰ فیصد ہے۔ کسانوں کیلئے یہ چیز بہت ہی باعث سہولت ہے کہ انہیں غیر کفالتی قرضہ بآسانی ملجاتا ہے۔ شہروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی رقومات بھی عموماً بغیر کفالت کے قرض نہیں دیجاتیں خصوصاً بنیئے تو بغیر کفالت قرض ہی نہیں دیتے۔ اگر دیہاتوں میں بھی یہی کیفیت ہوتی تو زراعتی کاروبار کا چلنا محال تھا۔

دیہاتی چونکہ عموماً دیانت دار ہوتے ہیں لہذا انہیں غیر کفالتی قرضہ بآسانی ملجاتا ہے۔ چنانچہ ایک ساہوکار نے ہم پر اس کا اظہار بھی کیا ہے کہ اوسکو دیہاتوں کی جائداد سے کہیں زیادہ انکی زبان کا لحاظ ہوتا ہے۔ ساہوکار چونکہ ہر دیہاتی سے شخصی طور پر بخوبی واقف ہوتے ہیں اس لئے غیر کفالتی قرض کے دینے میں پس وپیش نہیں کیا جاتا۔ ساہوکاروں کو اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ اونکا قرضہ ڈوبیگا نہیں۔ آج نہیں تو کل۔ باپ سے نہیں تو بیٹے سے ضرور وصول ہو جائیگا۔

(۳) جنسی و رقمی قرض ـــــ رقمی قرض سے ہماری مراد وہ قرض ہے جو بشکل زر دیا جائے جنسی قرض وہ ہے جو جنس کی شکل میں دیا جائے[۵۱]۔ موضع زیر بحث میں ہر دو قسم کے قرض مروج ہیں۔

جنسی قرضے عام طور پر خوراک اور تخم ریزی کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں مگر یہ بالعموم قلیل المقدار ہوتے ہیں۔ ۲۰۸۲۵ روپیوں میں سے رقمی قرضہ ۲۰۱۷۳ روپیہ ہے۔ جنسی قرض کی مقدار (تقریباً ۹ کھنڈی[۵۲]) ۶۵۲ روپیے کے ہمقدار ہے۔ مجموعی قرض کے تناسب سے جنسی قرضہ ۶ء۱ فیصد ہے اور غیر جنسی یعنی رقمی قرض ۴ء۹۸ فیصد ہے۔

(۴) ذاتی آبائی اور مخلوط قرضے ـــــ ذاتی قرضوں میں ان قرضوں کو شامل کیا گیا ہے جسکو

۵۱۔ دوسرے ضمیمے میں صفحہ ۱۸۳ اسکے متعلق ایک بیان موجود ہے۔

۵۲۔ ایک کھنڈی ۲۰ من کی ہوتی ہے۔ اور ایک من ۱۶ پائیلی کا۔ ایک پائیلی ۴ سیر کے مساوی ہوتی ہے۔

کسی شخص موجود نے بذاتہ حاصل کیا ہو۔ آبائی قرضوں سے وہ قرضے مراد ہیں جو کسی شخص موجود کو ورثے میں ملے ہوں۔ بعض افراد کے قرضے اس نوعیت کے ہیں کہ اونہیں نہ تو کلیتاً آبائی قرض کہا جا سکتا ہے۔ اور نہ ذاتی۔ لہذا اس قسم کے قرضوں کو مخلوط قرضوں کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ذیل کے جدول میں ذاتی۔ آبائی اور مخلوط قرضوں کی تفصیل دی گئی ہے۔

نوعیت قرضہ جات	قرضہ جات		فی صد بلحاظ	
	تعداد	رقم	مجموعی تعداد	مجموعی رقم
ذاتی قرضے	۶۰۶	۳۰۹۱۸	۸۱	۷۶
آبائی قرضے	۱۲۰	۶۹۹۲	۱۶	۱۷
مخلوط قرضے	۲۲	۲۹۱۵	۳	۷
جملہ	۷۴۸	۴۰۸۲۵	۱۰۰	۱۰۰

مندرجہ بالا اعداد سے واضح ہے کہ جملہ قرضوں کی تعداد (جنکو ہر آسامی نے مختلف ساہوکاروں سے حاصل کیا ہے) ۷۴۸ ہے۔ ۷۴۸ قرضوں میں سے ۶۰۶ یا ۸۱ فی صد قرضے ذاتی ہیں۔ ۱۲۰ یا ۱۶ فیصد آبائی ۲۲ یا تقریباً ۳ فیصد مخلوط ہیں۔ اسی طرح رقم کا لحاظ کرتے ہوئے ۴۰۸۲۵ روپیوں میں سے ۳۰۹۱۸ یا ۷۶ فیصد روپیہ ذاتی قرض سے متعلق ہے۔ ۶۹۹۲ یا ۱۷ فیصد قرض آبائی ہے۔ ۲۹۱۵ یا ۷ فیصد مخلوط ہے۔

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ مخلوط قرض (۲۹۱۵) میں بھی ۱۶ فیصد قرضہ آبائی ہے تو اس مفروضہ کی بنا پر ۴۰۸۲۵ روپیوں میں سے ذاتی قرض کی مقدار ۳۱۳۸۴ رہتی ہے اور آبائی قرض ۹۴۴۱ روپیہ رہتا ہے۔ اس طرح مجموعی قرض کا لحاظ کرتے ہوئے ذاتی قرض کی مقدار ۷۷ فیصد اور آبائی قرض کی ۲۳ فیصد ہے بالفاظ دیگر ذاتی اور آبائی قرض کا باہمی تناسب تقریباً ۷ اور ۲ رہتا ہے۔ اس نتیجہ کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر مجموعی قرض ۹ روپیہ ہے تو اسمیں ذاتی قرضہ ۷ روپیہ اور آبائی ۲ روپیہ ہے۔ مانا کہ ذاتی قرض کے مقابل آبائی قرض کی مقدار بہت کم ہے لیکن یہی قلیل مقدار کسان کی مصیبتوں میں اور زیادتی کردیتی ہے

واضح رہے کہ ۲۱۱ مقروض خاندانوں میں سے ۱۴۸ یا تقریباً ۷۱ فیصد خاندان ایسے ہیں جن کے مجموعی قرض میں آبائی قرض کا کچھ نہ کچھ جزو شامل ہے۔ صرف ۶۳ یا ۲۹ فیصد خاندان ایسے ہیں جن کے مجموعی قرض میں آبائی قرض کا کوئی جزو شریک نہیں۔ جب کہ ۷۱ فیصد خاندانوں کو قرض کا کچھ نہ کچھ جزو بطور ورثے کے ملا ہے تو ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ موضع زیر بحث کے کسانوں کی اکثریت بھی مقروض پیدا ہوتی مقروض زندگی بسر کرتی اور مقروض فوت ہوتی ہے

۴۔ قرض کی خصوصیات موضع ہذا میں قرضہ جات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً ایک سے زاید ساہوکاروں سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ بہت کم قرضے ایسے ہیں جو صرف ایک ساہوکار سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ذیل کے اعداد سے ہمارے اس بیان کی وضاحت ہوتی ہے۔

قرضے	تعداد	فیصد
وہ قرضے جو صرف ایک ساہوکار سے حاصل کئے گئے ہیں۔	۴۹	۲۳
وہ قرضے جو دو ساہوکاروں سے حاصل کئے گئے ہیں	۳۲	
” ۳ ” ”	۵۱	
” ۴ ” ”	۲۲	
” ۵ ” ”	۱۷	
” ۶ ” ”	۱۳	۷۷
” ۷ ” ”	۸	
” ۸ ” ”	۶	
” ۹ ” ”	۶	
” ۱۰ ” ”	۴	
” ۱۱ ” ”	۳	
جملہ	۲۱۱	۱۰۰

سابقہ صفحہ کے اعداد سے ظاہر ہے کہ جملہ ۲۱۱ قرضوں میں سے صرف ۴۹ یا ۲۳ فیصد قرضے ایک ساہوکار سے حاصل کئے گئے ہیں۔ باقی ۱۶۲ یا ۷۷ فیصد قرضے دو تا بارہ مختلف ساہوکاروں سے حاصل کئے گئے ہیں۔

واضح رہے کہ کسان کی مقروضیت کا آغاز ایک ساہوکار سے ہوتا ہے۔ ابتداً منہ مانگی رقم قرض ملتی رہتی ہے اور سود واصل کا مطالبہ بھی شدت کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن کچھ مدت بعد جب کہ قرض کی مقدار بڑھ جاتی ہے تو ساہوکار کا طرزِ عمل بالکل بدل جاتا ہے۔ اور اب وہ جدید قرض دینے کی بجائے واجب الوصول اصل وسود کا سختی سے مطالبہ کرتا ہے لہٰذا کسان دوسرے ساہوکار سے تھوڑی بہت رقم حاصل کرکے قدیم ساہوکار کے قرض کا ایک حصہ بے باق کرتا ہے۔ لیکن اسی اثناء میں کسان کو بیل کی خریدی یا کسی دوسرے اہم کام کے لئے مزید قرضے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے نتیجہ یہ کہ وہ تیسرے ساہوکار کے ہاں جاتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے چنانچہ ہماری تحقیق کے مطابق ۳ خاندان گیارہ مختلف ساہوکاروں کے مقروض ہیں۔

قرضہ جات[1] کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ زیادہ تر قلیل المقدار (مثلاً ۵۔ ۱۰۔ ۱۵۔ ۲۰ اور ۲۵) ہوتے ہیں۔ چونکہ اکثر کسانوں کا مجموعی قرض متعدد اجزا پر مشتمل ہوتا ہے لہٰذا ۲۱۱ مقروض خاندانوں کے مجموعی قرضہ جات (۲۱۱) میں ۸۴۷ چھوٹے چھوٹے قرضے شامل ہیں جو کہ ۱ تا ۱۲ مختلف ساہوکاروں سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ذیل کے اعداد میں بتلایا گیا ہے کہ بلحاظ مقدار ان قرضوں کی کیا نوعیت ہے۔

نوعیت قرضہ جات	تعداد	فیصد
وہ قرضے جن کی مقدار ۱۰ روپیہ سے کم ہے۔	۱۴۹	
وہ قرضے جن کی مقدار ۱۰ اور ۱۵ روپیہ کے درمیان ہے	۲۵۱	۶۰
〃 〃 ۱۵ 〃 ۲۵ 〃	۵۱	
〃 〃 ۲۵ 〃 ۵۰ 〃	۹۹	

---

[1] پچھلے صفحہ پر قرض سے مراد کسی شخص کا مجموعی قرض ہے۔ اس صفحہ پر قرض سے ہماری مراد کسی شخص کا مجموعی قرض ہے۔

قرضے	تعداد	فیصد
وہ قرضے جن کی مقدار ۵۰ اور ۱۰۰ روپیہ کے درمیان ہے۔	۱۰۳	۲۷
〃 〃 ۱۰۰ 〃 ۲۰۰ 〃	۷۰	
〃 〃 ۲۰۰ 〃 ۳۰۰ 〃	۱۲	۱۳
〃 〃 ۳۰۰ 〃 ۴۰۰ 〃	۸	
〃 〃 ۴۰۰ 〃 ۵۰۰ 〃	۵	
جملہ	۷۴۸	۱۰۰

مندرجہ بالا اعداد سے واضح ہے کہ ۷۴۸ قرضوں میں سے ۶۰ فیصد قرضوں کی مقدار ۲۵ روپیوں سے کم ہے۔ ۲۵ اور ۱۰۰ روپیوں کے درمیانی قرضے ۲۷ فیصد ہیں۔ صرف ۱۳ فیصد قرضے ۱۰۰ اور ۵۰۰ روپیہ کے درمیانی ہیں۔

جب کبھی کسان کو بڑی رقم (مثلاً ۱۰۰ تا ۵۰۰) کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اس رقم کو مختلف ساہوکاروں سے حاصل کرتا ہے۔ ساہوکار بڑی رقمیں بہت کم قرض دیتے ہیں البتہ چھوٹی چھوٹی رقموں میں اصل وسود جمع کر کے بڑی رقموں کے مساوی کر دیتے ہیں۔

قرضہ جات کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جب وہ ایک مرتبہ حاصل کئے جائیں تو پھر ان کے لین دین کا سلسلہ مدتوں چلتا رہتا ہے۔ چنانچہ ۷۴۸ کھاتوں کا مدت وار تجزیہ حسب ذیل ہے۔

کھاتے	تعداد	فیصد
وہ کھاتے جنہیں قایم ہو کر ابھی ایک سال مکمل نہیں ہوا۔	۸۰	۱۱
وہ کھاتے جو ایک اور ۵ سال کے درمیان قائم کئے گئے ہیں۔	۲۳۰	۳۱
〃 ۵ 〃 ۱۰ 〃 〃	۱۸۹	۲۵
〃 ۱۰ 〃 ۱۵ 〃 〃	۱۱۵	۱۵
〃 ۱۵ 〃 ۲۰ 〃 〃	۸۳	۱۱
〃 ۲۰ 〃 ۲۵ 〃 〃	۴۱	۶
〃 ۲۵ 〃 ۵۰ 〃 〃	۱۰	۱
جملہ	۷۴۸	۱۰۰

تقریباً ہر کسان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ جس قدر قرض لیتا ہے اُوس کا تین چار گنا سود (ایک طویل مدت میں) ادا کرتا ہے۔ دوران تحقیق میں ہمیں متعدد مثالیں ایسے کسانوں کی ملتی ہیں جنہوں نے آٹھ ایک سال قبل صرف ایک مرتبہ قرض لیا تھا اور اب تک (جسقدر ممکن ہوسکے) صرف سود ہی ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔ خصوصاً متفرق چھوٹے چھوٹے قرضوں (مثلاً ۵-۱۰-۱۵-۲۰ اور ۲۵) میں یہ چیز بہت عام ہے۔ مثال کے طور پر ہم مسمی نانیا کو پیش کرسکتے ہیں۔ اس نے آج سے ۸ سال قبل ایک ساہوکار سے (۳۰ تولے اشیا رچاندی کی کفالت پر) دس روپے قرض حاصل کئے۔ اور وعدہ کیا کہ ہر ماہ دس روپیوں پر چار آنے سود ادا کریگا۔ مسمی مذکور کا بیان ہے کہ وہ حسب وعدہ ۸ سال سے مقررہ سود برابر ادا کر رہا ہے۔ جسکے متعلق ساہوکار کو بھی اعتراف ہے۔ گذشتہ ۸ سال میں اسامی نے سالانہ تین روپے (جس کی فیصد شرح ۳۰ رہتی ہے) کے حساب سے ۲۴ روپیہ بطور سود ادا کئے جو کہ حاصل کردہ اصل (۱۰ روپے) سے ۱۴۰ فیصد زیادہ ہے۔ سود کے ضمن میں اسمیں شک نہیں کہ اسقدر زاید رقم ادا کیجا چکی ہے لیکن ابھی تک ادائے اصل کی نوبت نہیں آئی۔ مزید برآں اشیائے کفالت بھی ساہوکار کے ہاں موجود ہیں۔ اچھوت خاندانوں میں اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

نویں فصل ۔ زرعی مقروضیت

(بہ سلسلہ سابق)

قرض کی تقسیم ۔ بار قرض ۔ ماہیت قرض ۔ اور خصوصیات قرض کے حالات معلوم کرنے کے بعد اب ہم یہ دریافت کرینگے کہ موضع زیر بحث میں قرض حاصل کرنے کے کیا ذرائع ہیں ۔ قرض کی وجوہات کیا ہیں ۔ اور کن شرحوں پر قرض حاصل کیا جاتا ہے ۔

۱ ۔ قرض حاصل کرنے کے ذرائع مزارعین کے بیان کے مطابق ذرائع قرض کو ۲ طرح پر تقسیم کیا جاسکتا ہے (الف) سرکاری ذرائع قرض اور (ب) خانگی ذرائع قرض ۔ ذیل میں ہم ان ہر دو ذرائع کی جدا جدا تشریح کرتے ہوئے آخر میں یہ بتلائینگے کہ قرض کا سب سے اہم ذریعہ کیا ہے ۔

(الف) سرکاری ذرائع قرض ——— واضح رہے کہ حکومت دو طرح پر قرض دیتی ہے ۔ (۱) براہ راست اور (۲) بالواسطہ براہ راست تقاوی کے ذریعہ اور بالواسطہ انجمن امداد باہمی کے توسط سے قرض دیا جاتا ہے ۔

(۱) تقاوی ——— موضع ہذا میں رقم تقاوی کی تقسیم سب سے پہلے سنہ ۱۳۴۰ف (م اکتوبر ۳۱-۱۹۳۰ء) میں ہوئی ۔ جملہ رقم ۲۵۵ روپے تھی جو کہ ۱۲ اشخاص کو دیگئی ۔ سنہ ۱۳۴۳ف (م اکتوبر ۳۴-۱۹۳۳ء) میں صرف ۷۵ روپیہ ایک شخص کو دیئے گئے ۔ تین سال بعد یعنی سنہ ۱۳۴۶ف (م اکتوبر ۳۷-۱۹۳۶ء) میں ۲۷۰ روپیہ ۱۱ مختلف اسامیوں کو دیئے گئے ۔ سنہ ۱۳۴۷ف (م اکتوبر ۳۸-۱۹۳۷ء) میں بھی رقم بہ ضمن تقاوی آسامیوں سے واجب الوصول تھی ۔ مجموعی قرض (۲۰۸۲۵) کا لحاظ کرتے ہوئے تقاوی کا قرضہ تقریباً ۹ فیصد ہے ۔

(۲) انجمن امداد باہمی ——— سرکاری ذرائع قرض کا دوسرا ذریعہ انجمن امداد باہمی ہے ۔ اس موضع میں انجمن کا قیام سنہ ۱۳۳۴ف (م اکتوبر ۲۵-۱۹۲۴ء) میں ہوا ۔ جملہ ۱۹ دیہاتوں نے اس کی

شرکت قبول کی۔ ۱۰۹۰ روپے صدر بنک سے حاصل کئے گئے اور ان کی تقسیم اراکین کے مابین ہوئی۔ ذاتی سرمایہ کی مقدار بتدریج بڑھتی گئی چنانچہ اب انجمن کلیتہً "ذاتی سرمایہ سے" کام کر رہی ہے۔ اس وقت اراکین کی تعداد ۲۵ ہے گویا قیام انجمن کے بعد سے اراکین کی تعداد میں ۴۲ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ سال حال اراکین کے ذمے ۱۱۲۶ روپے واجب الوصول ہیں اس طرح اوسط قرضہ فی رکن ۴۵٫۰۴ روپے ہے۔ مجموعی قرض کا لحاظ کرتے ہوئے انجمن کا قرض ۸ء۲ فیصد ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ سرکاری ذرائع قرض سے ۱۴۹۶ روپے حاصل کئے گئے ہیں جو کہ جملہ قرض (۴۰۸۲۵) کا ۷ء۳ فیصد ہے۔

(ب) خانگی ذرائع قرض ـــــــ خانگی یا غیر سرکاری ذرائع قرض سے ہماری مراد ساہوکار ہیں موضع زیر بحث میں جملہ ۲۲ ساہوکار ہیں[۱] جن میں سے ۳ مسلمان اور ۱۹ ہندو ہیں۔ بالفاظ دیگر ۱۴ فیصد مسلمان اور ۸۶ فیصد ہندو ساہوکار ہیں۔ ساہوکاروں کی ایک دوسری تقسیم ۲ طرح پر کی جا سکتی ہے۔ مقامی اور غیر مقامی جملہ ۲۲ ساہوکاروں میں سے صرف ۷ یا تقریباً ۳۲ فیصد مقامی ساہوکار ہیں۔ باقی ۱۵ یا ۶۸ فیصد غیر مقامی ہیں۔

غیر مقامی ساہوکار اس میں شک نہیں کہ مقامی ساہوکاروں کے مقابل دوگنے سے زائد ہیں لیکن اسکے باوجود انکا دیا ہوا قرض (۹۵۰۶) مجموعی قرض کا لحاظ کرتے ہوئے صرف ۲۳ فیصد ہے۔ مقامی ساہوکار گو تعداد میں کم ہیں لیکن ۷۷ فیصد قرض (۲۹۲۹۸) انہیں سے متعلق ہے۔ اس فرق کی اہم وجہ مقامی اور غیر مقامی ساہوکاروں کی شخصی واقفیت ہے۔ مقامی ساہوکار چونکہ ہر دیہاتی کو اچھی طرح جانتے ہیں لہذا حالات کے مدنظر ہر شخص کو اس کی حیثیت کے موافق قرض دیا جاتا ہے۔ برعکس اسکے غیر مقامی ساہوکار صرف انہیں آسامیوں کو قرض دیتے ہیں جن سے وہ بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ وصولات کی دقتیں بھی غیر مقامی ساہوکاروں کو زیادہ قرض دینے سے روکتی ہیں۔

یہ ایک ضمنی بحث تھی کہ کونسے ساہوکار (مقامی یا غیر مقامی) زیادہ قرض دیتے ہیں۔ ساہوکار

---

[۱]۔ مقالہ کے ساتھ جو دوسرا ضمیمہ شامل ہے اسمیں جملہ ساہوکاروں کی فہرست دی گئی ہے۔

خواہ وہ مقامی ہوں یا غیر مقامی زرعی مالیات میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس اہمیت کا اندازہ حسب ذیل اعداد سے ہو سکتا ہے۔

ذرائع قرض	مقدار رقم		فی صد	
الف۔ وہ قرض جو سرکاری ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے۔				
(۱) تقاوی	۳۷۰	۱۴۹۶	ر۹	۳ر۷
(۲) انجمن امداد باہمی	۱۱۲۶		ر۸	
ب۔ وہ قرض جو خانگی ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے۔				
(۱) جو مقامی ساہوکاروں سے لیا گیا ہے۔	۲۹۲۹۸	۳۹۳۲۹	۷۲	۹۶ر۳
(۲) جو غیر مقامی ساہوکاروں سے لیا گیا ہے۔	۹۵۰۶		۲۳	
(۳) جو عزیز و اقارب سے لیا گیا ہے۔	۵۲۵		۱ر۳	
جملہ	۴۰۸۲۵		۱۰۰	

مندرجۂ بالا اعداد سے واضح ہے کہ مجموعی قرض (۴۰۸۲۵) کا لحاظ کرتے ہوئے ۳ر۷ فیصد قرض سرکاری ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے۔ ۹۶ر۳ فیصد قرض خانگی ذرائع سے۔ خانگی ذرائع قرض میں صرف ۱ر۳ فیصد قرض عزیز و اقارب سے بطور قرض حسنہ لیا گیا ہے۔ اور باقی ۹۵ فیصد قرض مقامی و غیر مقامی ساہوکاروں سے متعلق ہے۔ ان حالات کے تحت ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ساہوکاری زرعی مالیات کی روح رواں ہیں۔

۲۔ قرض کے وجوہ ذرائع قرض کی تشریح کے بعد اب ہم یہ دریافت کرینگے کہ موضع زیر بحث میں کن مختلف وجوہات کیلئے قرض لیا جاتا ہے۔ ہمارے جمع کردہ اعداد کے مطابق وجوہ قرض کو ۱۱ مختلف مدات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ۱۔ شادی بیاہ ۲۔ تعمیر مکانات ۳۔ سابقہ قرضوں کی ادائی ۴۔ قرضہ بوجوہات نامعلوم ۵۔ خریدی بیل وغیرہ ۶۔ لاگوڑ (اخراجات کاشت کو مقامی زبان میں لاگوڑ کہا جاتا ہے) ۷۔ تجارت وغیرہ ۸۔ مالگزاری کی ادائی ۹۔ موت مٹی ۱۰۔ خوراک و لباس ۱۱۔ عقاید کی پابجائی۔ ذیل کے

اعداد میں اس امر کی صراحت کیگئی ہے کہ ۴۰۸۲۵ روپیوں میں کسقدر قرض مذکورہ بالا وجوہات کی بناپر لیا گیا ہے۔

نشان	قرضہ بوجہ	مقدار قرض	فی صد
۱	شادی بیاہ	۹۰۲۳	۲۲
۲	تعمیر مکانات	۶۶۶۰	۱۶
۳	سابقہ قرض کی ادائی	۴۶۹۰	۱۱
۴	نامعلوم	۴۱۶۱	تقریباً ۱۱
۵	خریدی بیل وغیرہ	۴۰۵۲	۱۰
۶	لاگوڑ (اخراجات کاشت)	۳۵۲۷	۹
۷	تجارت وغیرہ	۳۳۴۰	۸
۸	مالگذاری	۲۷۱۱	۷
۹	موت مٹی	۱۳۱۰	۳
۱۰	خوراک ولباس	۹۲۶	۲
۱۱	عقاید کی بجائی	۴۲۵	۱
جملہ	....	۴۰۸۲۵	۱۰۰

(۱) شادی بیاہ۔ موضع زیر بحث میں شادیاں نہ صرف قبل از وقت کیجاتی ہیں بلکہ قرض لے کر کیجاتی ہیں۔ سالگذشتہ کوئی ۱۴ شادیاں کی گئیں[لہ] جنمیں سے ایک شادی بلاحصول قرض کیگئی ورنہ باقی تمام شادیوں میں کچھ نہ کچھ قرض ضرور لیا گیا۔ فی نفسہ شادی کے اخراجات بہت زیادہ نہیں ہوتے۔ لیکن جس شرح پہ قرضے لئے جاتے ہیں وہ بہت تباہ کن (آئندہ عنوان میں ہم شرح قرض کا مفصل حال بیان کرینگے) ہوتی ہے۔ زاید شرح سود اور قرض کی رقم بتدریج جمع ہو کر ایک کی بجائے چار ہو جاتی ہے اور غریبوں کیلئے وبال جان ثابت ہوتی ہے۔ شادی بیاہ کے موجودہ قرض (۹۰۲۳) میں نہ معلوم جمع شدہ سود کا کسقدر جزو شامل ہے!

لہ۔ ضمیمہ میں ان افراد کی فہرست دیگئی ہے جنہوں نے سالگذشتہ شادیاں کیں۔

(۲) تعمیر مکانات - شادی بیاہ سے قبل تقریباً ہر دیہاتی کی یہ فکر ہوتی ہے کہ حتی الامکان اپنے مکان کی حالت ٹھیک کرے - جو افراد کہ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں انکی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ایک کمرے والا سفال پوش مکان بنایا جائے اسیطرح وہ افراد جو ایک کمرے والے مکانات میں رہتے ہیں اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مکان کو نسبتاً وسیع کیا جائے - اس رجحان کا نتیجہ یہ ہے کہ گذشتہ ۱۰ سال کے عرصے میں اکثر جھونپڑیاں ایک کمرے والے مکانات میں تبدیل ہو گئی ہیں اور بعض ایک کمرے والے مکانات وسیع تر کر دیئے گئے ہیں - حالات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتیوں کو تعمیر مکان کا بہت شوق ہے - اس شوق کی تکمیل بذریعہ قرض کی جاتی ہے - اور قرض کا سلسلہ مدتوں چلتا رہتا ہے - ہم اس بات پر معترض نہیں کہ مکانات کیوں تعمیر کئے جاتے ہیں - ہمارا اعتراض اس امر پر ہے کہ ان مکانات کی تعمیر اعلیٰ شرح سود پر قرض حاصل کرکے کیجاتی ہے - اس اعلیٰ شرح کی وجہ سے دیہاتیوں کو مدتوں پریشانی اٹھانی پڑتی ہے -

(۳) سابقہ قرضوں کی ادائی - پیچھے یہ بتایا جاچکا ہے کہ ۲۱۱ مقروض خاندانوں میں سے ۷۷ فی صد افراد دو تا بارہ مختلف ساہوکاروں کے مقروض ہیں - ان کی آمدنیاں چونکہ محدود ہوتی ہیں لہذا ہر ساہوکار کے مطالبات کو ذاتی آمدنی سے پورا نہیں کیا جاسکتا ترکیب یہ کی جاتی ہے کہ ایک ساہوکار سے قرض لیکر دوسرے کو اور بعض مرتبہ تیسرے سے قرض لیکر چوتھے کو ادا کیا جاتا ہے - اس ترکیب کی وجہ سے اس میں شک نہیں کہ ساہوکاروں کی ادائگی ہوتی رہتی ہے - لیکن قرضوں کا حقیقی بار گھٹتا نہیں بلکہ بتدریج بڑھتا جاتا ہے - فرق صرف اسقدر ہوتا ہے کہ قرض کی رقم ایک کھاتے سے دوسرے کھاتے میں منتقل ہو جاتی ہے -

(۴) قرضہ بوجوہات نامعلوم - اکثر قرضے اس نوعیت کے تھے کہ جنکے متعلق یہ نہیں معلوم کیا جاسکا کہ وہ کن اغراض کے تحت حاصل کئے گئے تھے - لہذا ایسے تمام قرضوں کو "قرضجات بوجوہ نامعلوم" میں شامل کیا گیا ہے -

(۵) خریدی بیل و بھینسے - کسانوں کو خریدی بیل و بھینسے وغیرہ کے لئے آئے دن قرض کی ضرورت لاحق ہوتی ہے - چنانچہ مجموعی قرض کا لحاظ کرتے ہوئے ۱۰ فیصد قرض اسی احتیاج سے متعلق ہے - بیل یا بھینسے کے فوت ہونے پر کسان اسبات پر مجبور ہوتا ہے کہ دوسرا جانور خریدے ورنہ زراعتی کاروبار نہیں چل سکتے -

(۶) لاگوڑ (اخراجات کاشت) - اخراجات کاشت مثلاً مینڈھ بندی، باڑ لگائی، کلپائی وغیرہ کیلئے

قلیل المقدار قرضے (مثلاً ۵-۱۰-۱۵) حاصل کئے جاتے ہیں۔ کٹائی فصل کے لئے بھی قرض حاصل کیا جاتا ہے۔
یہ قرضے عام طور پر چھوٹے چھوٹے ساہوکاروں سے لئے جاتے ہیں۔

(۷) تجارت وغیرہ۔ تجارتی قرضے بیشتر جلاہوں۔ دھنگروں۔ گولیوں اور دھوبیوں سے متعلق ہیں۔ بعض جلاہے نہ صرف کپڑا بنتے ہیں بلکہ گرنی کے بنے ہوئے کپڑوں کی تجارت بھی کرتے ہیں جس کے لئے قرض لیا جاتا ہے۔ دھنگر بکروں کی تجارت کیلئے قرض لیتے ہیں۔ گولیوں کو پھلوں کی تجارت اور مختلف قسم کے گنوں کے لئے قرض درکار ہوتا ہے۔ دھوبی دھان کا بیوپار کرتے ہیں۔ مزید برآں گدھے خرید کر حمل ونقل کا کام انجام دیتے ہیں۔ تجارتی قرضے جو کہ مجموعی قرض کا لحاظ کرتے ہوئے ۸ فیصد ہیں کلیتہً پیداوار قرار دئیے جا سکتے ہیں۔

(۸) مالگذاری۔ جب کہ فصلیں خراب ہوجاتی ہیں تو قیمت پیداوار سے اخراجات کاشت اور مالگذاری بھی نہیں وصول ہو سکتی۔ لہذا مالگذاری کی ادائی بذریعہ قرض کیجاتی ہے۔ ایسے موقعوں پر جب کہ فصلیں خراب ہوجاتی ہیں حکومت کی جانب سے ایک مناسب رقم معاف بھی کیجاتی ہے تاکہ رعایا پریشان نہونے پائے۔

(۹) موت مٹی۔ ہمارے دیہاتیوں کی بے سروسامانی کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ اونہیں پیدایش سے لیکر موت تک تقریباً تمام کاروبار کے لئے قرض لینا پڑتا ہے۔ چنانچہ موت مٹی اور اس سے متعلقہ امور کی تکمیل سے متعلق قرض ۱۳۱۰ روپیہ یا تقریباً ۳ فیصد ہے۔

(۱۰) خوراک ولباس۔ اکثر کسان خوراک ولباس کی خاطر بھی قرض لیتے ہیں۔ دھان ساہوکاروں سے قرض لئے جاتے ہیں اور کپڑا جولاہوں سے۔ مجموعی قرض کے تناسب سے صرف ۲ فیصد قرض خوراک ولباس سے متعلق ہے۔

(۱۱) عقاید کی پابجائی۔ دیہاتیوں کے عقاید بھی ایک حد تک ان کی مقروضیت کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ جب کبھی کوئی شخص بخار وغیرہ میں مبتلا ہو تو "فال" کے ذریعہ بیماری کا سبب معلوم کیا جاتا ہے۔ کسی شخص کے مکان میں اگر کوئی فوت ہوجائے اور اس کے بعد دوسرا شخص بیمار ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ اس شخص پر فوت شدہ شخص نے اثر کر لیا ہے۔ اس اثر کو دور کرنے کیلئے فوت شدہ شخص کے نام پر بکرا ذبح کیا جاتا ہے[۱]۔ اگر کسی شخص کی بیماری دوا سے کم نہو تو نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ مریض پر شیطان کا اثر ہو گیا ہے[۲]۔ اس اثر سے نجات

[۱و۲] ۔ ضمیمہ میں اسکے متعلق بیانات شامل کئے گئے ہیں۔

پانے کے لئے شیطان کے نام پر بکرے کی قربانی دیجاتی ہے۔ موضع ہذا کے دیہاتیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ شیطانی
اثرات نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں پر بھی ہوتے ہیں۔ اگر بیل یا بھینسے یکایک بیمار ہو جائیں تو خیال کیا جاتا ہے
جانور پر شیطان کا اثر ہے۔ لہذا شیطان کو منانے کے لئے اُسکے نام پر بکرے کا ذبح کیا جانا لازمی قرار دیا جاتا ہے
مزید برآں ان کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ فصل کی کٹائی سے قبل یا کٹائی کے بعد نیائی سے پہلے میشمی (دیوی کا نام)
کے نام پر بکرا ذبح کرنے سے غلے کی مقدار میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ بکروں کی قربانی عموماً بذریعہ قرض
کی جاتی ہے۔ چنانچہ ۵۲۵ روپیہ یا ایک فیصد قرض انہی قربانیوں وغیرہ سے متعلق ہے۔ ہماری تحقیق کے
مطابق سالگزشتہ ایک سال کے عرصے میں ۲۴۶ مکانات میں سے ۴۳ یا تقریباً ۱۹ فیصد مکانات میں شیطانوں
وغیرہ کے نام پر بکرے ذبح کئے گئے[1]۔ نہ صرف انپڑھ بلکہ پڑھے لکھے افراد بھی انہی عقاید کے تابع (خواہ کسی وجہ سے
کیوں نہو) نظر آتے ہیں۔

۴۔ قرض کی شرحین وجوہ قرض کی تشریح کے بعد اب ہم اپنی توجہ شروح قرض کی طرف مبذول کرینگے۔
موضع زیر بحث میں ۳ قسم کی شرحیں (الف- خالص رقمی شرح (ب) خالص جنسی شرح (ج) مخلوط شرح مروج ہیں۔
قبل ازیں ہم بتا چکے ہیں کہ ۴۰۸۲۵ روپیوں میں سے (جو کہ موضع کا جملہ قرض ہے) ۵۲۵ یا ۱٫۳ فیصد
قرض غیر سودی ہے۔ سودی قرضہ ۴۰۳۰۰ یا ۹۸٫۷ فی صد ہے۔ ذیل کے اعداد میں اس امر کی وضاحت کیگئی ہے کہ
۴۰۳۰۰ روپے سودی قرض میں سے کس قدر رقم مذکورہ بالا ۳ شرحوں سے متعلق ہے۔ بلحاظ مجموعی قرض ان رقومات کا
فیصد بھی دیا گیا ہے۔

	رقم جو قرض دی گئی	فیصد
(الف) خالص رقمی شرح پر	۱۳۷۰۰	۳۳٫۶
(ب) خالص جنسی شرح پر	۴۰۹۰	۱۰
(ج) مخلوط شرح پر	۲۲۵۱۰	۵۵٫۱
جملہ	۴۰۳۰۰	۹۸٫۷

[1] ضمیمہ دوم میں یہ بیانات شامل ہیں اور ان تمام افراد کی فہرست دیگئی ہے۔
جنہوں نے سالگذشتہ شیطانوں وغیرہ کے نام پر بکرے ذبح کئے۔

مندرجہ صدر اعداد سے واضح ہو رہا ہے کہ ۰۰ء۱۴۷ یا ۲ء۳۴ فیصد قرض میں سے ۳۰۔۴ یا ۷ء۹۸ فیصد قرض خالص رقمی شرح پر حاصل کیا گیا ہے۔ ۹۰ء۴ یا ۱۰ فیصد قرضہ خالص جنسی شرح سے متعلق ہے۔ باقی ۱۰ء۲۲۵ یا ۱ء۵۵ فیصد قرضہ مخلوط شرح پر حاصل کیا گیا ہے۔ شروحات کے اس تجزیہ کے بعد اب ہم یہ دریافت کرینگے کہ متذکرہ ہر سہ شروحات کے تحت کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کسقدر سود وصول کیا جاتا ہے۔

(الف) خالص رقمی شرح[1] اور مقدار سود — خالص رقمی شرح کے تحت کم سے کم ۶ اور زیادہ سے زیادہ ۳۶ فیصد سالانہ سود وصول کیا جاتا ہے۔ صرف تقاوی کے قرضے ۶ فیصد سالانہ کے حساب سے دئیے جاتے ہیں انجمن امداد باہمی سے ۹ روپیہ ۶ آنے فیصد کی شرح سے قرض ملتا ہے۔ ساہوکار کم سے کم بارہ اور زیادہ سے زیادہ ۳۶ فیصد سالانہ کی شرح سے سود وصول کرتے ہیں[2]۔

(ب) خالص جنسی شرح اور مقدار سود — جنسی شرح سود وصول کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

جنسی شرح سود وصول کرنے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اگر ابتدائے فصل پر ایک روپیہ قرض دیا جائے تو طرفین کی قرارداد کے مطابق فصل کے اختتام پر آتا ۲ پائیلی دھان بطور سود وصول کئے جاسکتے ہیں[3]۔ ایک پائیلی دھان کی قیمت ۳ آنے ۶ پائی سے لیکر ۳ آنے ۹ پائی تک رہا کرتی ہے۔ لہذا ۲ پائیلی کی قیمت ۷ آنے سے لیکر ۷ آنے ۶ پائی ہوگی۔ جبکہ ایک روپیے پر ایک فصل (اوسطاً ۶ ماہ) میں ۳ آنے ۶ پائی سے لیکر ۷ آنے ۶ پائی سود (بشکل زر) لیا جائے تو فیصد سالانہ شرح ۴۵، ۴۳ سے لیکر ۷۵، ۹۳ فیصد سالانہ ہوگی۔ مقامی زبان میں قرض دہی کے اس طریق کو "بیحل" کہا جاتا ہے۔

جنسی شرح سود وصول کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر ابتدائے فصل پر ایک من دھان دئیے جائیں تو اختتام فصل پر سوا من سے لیکر ڈیڑھ من تک وصول کئے جاتے ہیں۔ گویا ایک من پر ایک فصل کیلئے پاؤ من سے لیکر

---

[1] خالص رقمی شرح سے مراد وہ شرح ہے جو کلیتہً بشکل زر وصول کیجائے۔ [2] ضمیمہ دوم میں یہ بیانات شامل ہیں۔ ساہوکاروں نے اعتراف کیا ہے کہ وہ کم سے کم خالص رقمی شرح ۱۲ فیصد اور زیادہ سے زیادہ ۳۶ فیصد وصول کرتے ہیں۔

[3] دوسرے ضمیمہ میں یہ بیانات شامل ہیں۔ ساہوکاروں کو اعتراف ہے کہ وہ فی روپیہ ہر فصل پر آتا ۲ پائیلی دھان وصول کرتے ہیں۔ . . . . آسامیوں نے بیان کیا ہے کہ وہ اس شرح پر قرض لیتے ہیں۔

آدھ من تک سود وصول کیا جاتا ہے۔ جسکی فیصد شرح مختلف نرخوں کا لحاظ کرتے ہوئے (بشکل زر) ۵۰ فیصد سے لیکر ۱۰۰ فیصد تک رہا کرتی ہے۔

جنسی شرح سود وصول کرنے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ابتدائے فصل پر اگر ۲ روپیہ قرض دیئے جائیں تو آسامی سے وعدہ لیا جاتا ہے کہ وہ اختتام فصل (اوسطاً ۶ ماہ) پر ایک من دھان دے[1]۔ ایک من دھان کا نرخ ۳ روپیہ ۸ آنے سے لیکر ۳ روپے ۱۲ آنے تک رہا کرتا ہے۔ جبکہ ساہوکار اوسطاً ۶ ماہ قبل ۲ روپے قرض دے کر ۳ روپیہ ۸ آنے تا ۳ روپیہ بارہ آنے کا مال وصول کرے تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ وہ ۲ روپیوں پر ۶ ماہ میں ایک روپیہ آٹھ آنے تا ایکروپیہ ۱۲ آنے سود (بشکل زر) وصول کر رہا ہے۔ جسکی فیصد سالانہ شرح ۱۵۰ روپیوں سے لیکر ۱۷۵ روپیہ تک رہا کرتی ہے۔ مقامی زبان میں قرض دہی کے اس طریق کو "لاونی" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

جنسی شرح سود وصول کرنے کا چوتھا طریقہ (جسکو ہم لاونی و پچل کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں) یہ ہے کہ ساہوکار آسامی کو کچھ روپیہ قرض دینے کے بعد اس سے وعدہ لیتا ہے کہ قرض دیئے ہوئے روپیوں میں سے نصف روپیوں کا مال ایک مقررہ نرخ (جو کہ بازار سے عموماً ۲۵ تا ۵۰ فیصد کم ہوتا ہے) سے فروخت کرے نصف روپیوں پر فی روپیہ فی فصل ایک پائیلی (واضح رہے کہ ایک پائیلی ۴ سیر کے مساوی ہوتی ہے۔) دھان ادا کرے۔

اس طریق کی عملی مثال میں مسمی ڈیوپوجی کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس نے ایک ساہوکار سے ۱۴ روپیہ قرض حاصل کیے۔ ساہوکار سے وعدہ کیا کہ ۱۴ روپیوں میں سے نصف روپیوں، یعنی سات روپے کے دھان ۲ روپیہ فی من کے حساب سے فروخت کریگا (جبکہ بازار میں دھان کا نرخ ۳ روپیہ آٹھ آنے سے لیکر ۳ روپیہ ۱۲ آنے تک رہا کرتا ہے) اور باقی ۷ روپیوں پر فی فصل ایک پائیلی دھان ادا کریگا[2]۔

اس قرارداد کے مطابق آسامی کا فریضہ ہے کہ وہ ۷ روپیوں میں ساڑھے تین من دھان فروخت کرے جنکی بازاری قیمت حسب حالات ۱۲ روپیہ ۴ آنے سے لیکر ۱۳ روپیہ ۸ آنے ہوتی ہے اور فی روپیہ ایک پائیلی کے حساب سے ۷ روپیوں پر ۷ پائیلی دھان دے۔ ۷ پائیلی دھان کی قیمت حسب حالات ایک روپیہ آٹھ آنے چھ پائی سے

---

[1] ساہوکاروں نے بیان کیا ہے کہ وہ قرض دیکر کن معاہدات کے تحت مال خریدتے ہیں۔

[2] آسامی کے بیان کی تصدیق ہمنے ساہوکار سے بھی کی ہے

لے کر ایک روپیہ ۱۰ آنے ۳ پائی تک رہا کرتی ہے۔ اسطرح ساہوکار کو ۱۲ روپیوں پر ایک فصل (اوسطاً ۶ ماہ) میں ۶ روپیہ ۱۲ آنے ۶ پائی سے لیکر ۸ روپیہ ۲ آنے ۳ پائی تک سود (بشکل زر) ملتا ہے جسکی فیصد سالانہ شرح سود ۹۶٫۸ سے لیکر ۱۱۶٫۶ رہا کرتی ہے۔

ان حالات کے تحت جنسی شرح سود کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ (بشکل زر) کم سے کم ۴۳٫۴۵ اور زیادہ سے زیادہ ۱۷۵ فیصد سالانہ رہا کرتی ہے۔

(ج) مخلوط شرح اور مقدار سود — خالص رقمی اور خالص جنسی شرحوں کی تشریح کے بعد اب ہم مخلوط شرح کے حالات دریافت کرینگے۔ مخلوط شرح سے ہماری مراد وہ شرح ہے جسکا ایک حصہ بشکل زر حاصل کیا جائے اور دوسرا بشکل جنس۔ اس طریق کے تحت اگر ایک ساہوکار کسی آسامی کو ۱۰۰ روپیے قرض دے تو وہ اس سے وعدہ لیتا ہے کہ قرض دی ہوئی رقم کی نصف مقدار پر بشرح مقررہ رقمی سود ادا کرے۔ باقی نصف رقم کا مال بہ نرخ مقررہ فروخت کرے رقمی شرح سود کم سے کم ایک فیصد اور زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ فیصد ماہانہ وصول کیجاتی ہے۔ مال کم سے کم ۲۰ اور زیادہ سے زیادہ ۵۰ فیصد تخفیف کے ساتھ خریدا جاتا ہے۔ ہم نے حساب لگایا ہے کہ موضع زیر بحث میں مخلوط شرح (کلیتہً بشکل زر) کم سے کم ۳۱ فیصد اور زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ فیصد سالانہ رہا کرتی ہے۔

بحیثیت مجموعی (مذکورہ ہر سہ قسم کی شرحات کا لحاظ کرتے ہوئے) شرحات قرض کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ کم سے کم شرح سود ۶ فیصد اور زیادہ سے زیادہ ۱۷۵ فیصد سالانہ ہے۔

مسئلہ قرض داری کے بغور مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ بار قرض سے کہیں زیادہ اہم اور توجہ طلب مسئلہ شرحات قرض کا ہے۔ جنکی غیر معمولی زیادتی کی وجہ سے اگر ایک طرف آسامی مفلس و نادار ہوتے جاتے ہیں تو دوسری طرف ساہوکاروں کا تموّل بڑھتا جاتا ہے۔ اعلیٰ شرح سود کی وجہ سے مزارعین کی آمدنی قابل لحاظ طور پر گھٹ جاتی ہے۔ تخفیف آمدنی کا براہ راست اثر انکے معیار زندگی پر پڑتا ہے۔

سلہ۔ دوسرے ضمیمہ میں یہ بیان درج ہے جسمیں ساہوکار نے بیان دیا ہے کہ ابتداً اسنے تقریباً ایک ہزار روپیے کے سرمایہ سے لین دین و تجارت کا کاروبار شروع کیا لیکن اب اسکی جائداد ۲۰-۲۵ ہزار ہے۔

نوٹ:۔ تقریباً تمام ساہوکاروں کی ترقی کا یہی حال ہے۔

دسویں فصل اصلاحی تدابیر

دوسری فصل میں بتلایا گیا ہے کہ موضع زیر بحث کے باشندوں کا معیار زندگی بحیثیت مجموعی ادنیٰ اور معمولی ہے۔ اسی فصل کے آخری باب میں ادنیٰ معیار زندگی کی سب سے اہم اور بنیادی وجہ ادنیٰ آمدنی قرار دی گئی ہے مزید براں ادنیٰ آمدنی کے تین اہم وجوہ بتلائے گئے ہیں۔

(۱) اضافہ آبادی اور ذرائع معاش کی غیر متناسب رفتار ترقی۔ (۲) پیشوں کا فقدان اور زراعت پر زاید از ضرورت بار۔ (۳) نظام زراعت کے گوناگوں نقائص۔ مثلاً زرعی عوامل پیدائش کی غیر متناسب حالت طریقہ ہائے کاشت۔ طریقہ ہائے فروخت۔ اور طریقہ ہائے لین دین کے گوناگوں نقائص۔

زرعی عوامل پیدائش کے عدم تناسب اور غیر اصولی طریقہ ہائے کاشت کی وجہ سے اگر ایک طرف مصارف پیدائش نسبتاً زیادہ ہوجاتے ہیں تو دوسری طرف پیداوار فی ایکر بھی ادنیٰ اور معمولی ہوتی ہے مصارف پیدائش کی نسبتاً زیادتی اور پیداوار کے معمولی ہونیکی وجہ سے آمدنی میں بھی نسبتاً تخفیف ہوجاتی ہے ناقص طریقہ ہائے فروخت کی بنا پر آمدنی میں مزید تخفیف ہوئی ہے۔ ناقص طریقہ ہائے لین دین اور اعلیٰ شرح سود کی بدولت آمدنی میں اور بھی تخفیف ہوجاتی ہے۔ ادنیٰ اور معمولی آمدنی کا براہ راست اثر باشندوں کے معیار زندگی پر پڑتا ہے نتیجہ یہ کہ ادنیٰ آمدنی کی وجہ سے معیار زندگی بھی ادنیٰ اور معمولی ہوجاتا ہے۔

ان تمام حالات کی تشریح کے بعد ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باشندگان موضع ہذا کے موجودہ معیار زندگی کو کیوں کر بلند کیا جاسکتا ہے۔

معیار زندگی کو بلند کرنیکی سب سے اہم تدبیر (علاوہ دیگر امور کے) یہ ہے کہ آمدنیوں میں اضافہ کیا جائے

آمدنی میں اضافہ کے لئے حسب ذیل (الف) بالواسطہ اور (ب) بلاواسطہ تدابیر اختیار کئے جانے چاہئیں۔

(الف) بالواسطہ تدابیر ـــــ

(۱) تخفیف آبادی ـــــ آبادی کے قدیم اعداد کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موضع زیر بحث ۱۳۲۳ف (م اکتوبر ۱۹۱۳-۱۴ء) ہی میں کثیر الآباد ہوگیا تھا جب کہ اسکی آبادی ۱۰۳۲ تھی۔ کیونکہ ۱۳۲۳ف (م اکتوبر ۱۹۱۳-۱۴ء) میں جب آبادی اس نقطہ پر پہنچ گئی تو کثرت آبادی اور ذرائع خوراک کی قلت کی وجہ سے مابعد سالوں میں مالتھس کے ذکر کردہ مثبت موانعات (مثلاً ہیضہ۔ چیچک۔ طاعون اور قحط وغیرہ) کی بدولت مسلسل تخفیف شروع ہوئی چنانچہ ۱۳۲۳ف (م اکتوبر ۱۹۱۳-۱۴ء) تا ۱۳۲۹ف (م اکتوبر ۱۹۱۹-۲۰ء) کے سات سالوں میں بحیثیت مجموعی ۱۲۵ نفوس فوت ہوئے۔ جبکہ انہی سات سالوں میں صرف ۵۴ نفوس پیدا ہوئے۔ مزید برآں ۱۳۲۷ف (م اکتوبر ۱۹۱۷-۱۸ء) اور ۱۳۲۸ف (م اکتوبر ۱۹۱۸-۱۹ء) کی قحط سالیوں میں اکثر خاندان تلاش معاش کی خاطر دیگر مقامات کو منتقل ہوئے ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳۲۹ف (م اکتوبر ۱۹۱۹-۲۰ء) کے اختتام پر جملہ آبادی صرف ۹۸۷ رہ گئی۔ گویا سات سال کے عرصہ میں بحیثیت مجموعی ۴۵ نفوس کی تخفیف ہوگئی۔ لیکن ۱۳۳۱ف (م اکتوبر ۱۹۲۱-۲۲ء) کے بعد پھر بتدریج اضافہ شروع ہوا چنانچہ ۱۳۳۵ف (م اکتوبر ۱۹۲۵-۲۶ء) میں آبادی ۹۲۲ ہوگئی جسکی اہم وجہ یہ تھی کہ قحط سالی کے اثرات زائل ہوجانے کی بدولت وہ افراد جو تلاش معاش کی خاطر دیگر مقامات کو منتقل ہوئے تھے دوبارہ واپس ہونا شروع ہوئے۔ ۱۳۳۵ف (م اکتوبر ۱۹۲۵-۲۶ء) کے بعد بھی آبادی میں زیادتی شروع ہوئی حتیٰ کہ ۱۳۴۴ف میں آبادی ۱۱۵۴ تک پہنچ گئی۔ موجودہ آبادی ۱۳۱۱ف (م اکتوبر ۱۹۱۳-۳۴ء) کی آبادی کے مقابل ۱۱٫۸۲ فی صد زیادہ ہے۔ آبادی میں مناسب تخفیف یا ذرائع معاش میں مناسب اضافہ نہ کیا جائے تو پھر اس بات کا امکان ہے کہ مالتھس کے ذکر کردہ مثبت موانعات (مثلاً ہیضہ۔ چیچک۔ طاعون اور قحط وغیرہ) کے ذریعہ آبادی میں تخفیف ہوگی۔ موضع ہذا میں کثرت آبادی کا اندازہ اس امر سے بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں فی مربع میل ۳۶۱ نفوس پرورش پارہے ہیں حالانکہ ماہرین نے تخمینہ[۵۱] کیا ہے کہ اگر زراعت سے بہتر سے بہتر استفادہ کیا جائے تو

---

[۵۱] م معاشیات ہند مصنفہ جتھار اینڈ بیری ایڈیشن ۱۹۳۳ء صفحہ (۴۰)۔

اس کے ذریعہ فی مربع میل ۲۵۰ نفوس ایک معقول معیار آرام پر زندگی بسر کرسکتے ہیں۔

ان حالات کے تحت بہتر اور مناسب یہی ہے کہ موضع زیر بحث کے باشندوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے اور آئندہ کیلئے مثبت موانعات کے عمل درآمد کو روکنے کے لئے آبادی میں تخفیف کی جائے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ آبادی میں تخفیف کی جائے تو اس کے ساتھ ہی دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ آبادی میں کسقدر تخفیف کی جانی چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ یہ تخفیف کیونکر کی جاسکتی ہے۔

پہلے سوال کا جواب بہت ہی دقت طلب ہے۔ کسی مقام کی متوازن آبادی کے متعلق کوئی قطعی رائے نہیں قائم کی جاسکتی۔ بالفاظ دیگر قطعی طور پر یہ نہیں بتلایا جاسکتا کہ اگر کسی مقام کی آبادی اسقدر ہے تو وسائل معاش اسقدر ہونے چاہئیں۔ تاہم تخمینہ کے ذریعہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ موضع زیر بحث کی متوازن آبادی ۷۰۰ ہونی چاہیئے (اس تخمینہ کا قطعیت کے ساتھ صحیح ہونا ضروری نہیں) کیونکہ سنہ ۱۳۲۳ف (م اکتوبر سنہ ۱۹۱۳ء) کے بعد گوناگوں مثبت موانعات کی بدولت آبادی گھٹتے گھٹتے ۷۰۰ ہوگئی۔ اگر آبادی میں تخفیف کی مزید گنجائش ہوتی تو مثبت موانعات آبادی کو ۷۰۰ سے بھی زیادہ گھٹا دیتے لیکن۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ آبادی میں بتدریج اضافہ ہوتا ہے۔ جب کہ آبادی کی تعداد ۷۰۰ سے بڑھنے لگی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ موضع زیر بحث کے ذرائع معاش میں ۷۰۰ نفوس سے زاید افراد کو ایک معقول معیار آرام پر پرورش کرنے کی گنجایش ہے بلکہ اس زیادتی کی بنیادی وجہ ذرائع خوراک کی تحدید اور زیادہ آبادی کے مضر اثرات سے لاعلمی کا نتیجہ ہے[۱]۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ موضع زیر بحث کے موجودہ وسائل سے ۲۵۰ نفوس فی مربع میل ایک معقول معیار آرام پر زندگی بسر کرسکتے ہیں تو موضع کی جملہ زراعت پیشہ آبادی ۸۱۴۲ ہونی چاہیئے۔ جیسا کہ ہم اس سے قبل کہہ چکے ہیں کہ متوازن آبادی کو قطعی طور پر نہیں بتلایا جاسکتا۔ محض تخمینے اگر ایک طرف صحت سے کسقدر قریب ہوتے ہیں تو دوسری طرف اسکا بھی امکان ہوتا ہے کہ وہ صحت سے بہت دور ہوں۔ اس مجبوری کے تحت ہم موضع زیر بحث کی کوئی متوازن آبادی قطعیت کے ساتھ نہیں بتلا سکتے تاہم حالات حاضرہ کا لحاظ کرتے ہوئے اتنا ضرور کہینگے کہ موجودہ آبادی میں

---

[۱] اس قانون کی لاعلمی یا علم ہونے کے باوجود اس کی جانب سے لاپرواہی کی بناء پر ذرائع معاش کی تحدید کے باوجود آبادی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک حد معینہ کے بعد مثبت موانعات اثر پذیر ہوکر آبادی کو ناقابل لحاظ حد تک گھٹا دیتے ہیں

ایک مناسب اور موزوں تخفیف ہونی چاہیئے۔

جب ہم یہ رائے قائم کر لیتے ہیں کہ موجودہ آبادی میں ایک موزوں و مناسب تخفیف کیجانی چاہیئے تو پھر ہم دوسرے سوال سے دوچار ہوتے ہیں یعنی یہ کہ یہ تخفیف کیونکر کیجا سکتی ہے۔ اس تخفیف کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ موجودہ نفوس میں سے ایک قابل لحاظ نفوس کی تعداد کو ہلاک کر دیا جائے (اگر ہم نہ کریں تو قحط اور وبائیں اس کام کو پورا کرتی ہیں) یا یہ کہ اونہیں ایک ایسے مقام پر منتقل کیا جائے جہاں کافی ذرائع معاش موجود ہیں۔ جہاں تک کہ پہلی تدبیر کا تعلق ہے موجودہ حالات کے تحت وہ قطعاً ناممکن ہے البتہ دوسری تدبیر پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ ریاست کے ایسے مقامات میں جو غیر آباد ہیں موضع ہذا کے قابل لحاظ افراد کو (مختلف تحریصات اور سہولتیں بہم پہنچا کر) وہاں منتقل کرنا چاہیئے۔ جہاں تک کہ آئندہ پیدائشوں کا تعلق ہے اُن پر سختی سے تحدید کیجانی چاہیے۔ بچپن کی شادیاں قطعی طور پر ممنوع قرار دیجائیں جب تک کہ اس قسم کی سختی نہ کیجائے اعلیٰ شرح پیدائش کی تحدید دقت طلب امر ہے۔ مانا کہ اس ممانعت کی وجہ سے لازمی طور پر عام بے چینی (خصوصاً دیہاتیوں میں) پیدا ہو گی لیکن موزوں و مناسب تدابیر کے ذریعہ ایک مدت معینہ میں اس کو کلیتہً رفع کیا جا سکتا ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے کیلئے نہ صرف اس امر کی ضرورت ہے کہ بچپن کی شادی کے طریق کو روکا جائے بلکہ موثر پروپگنڈے کے ذریعہ افراد کو سمجھایا جائے کہ وہ اس وقت تک شادیاں نہ کریں جبتک کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ایک معقول معیار آرام پر پرورش کرنے کے قابل نہ ہوں۔ ہماری اس آخری تجویز پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ لوگ شادیاں تو دیر سے کر سکتے ہیں لیکن جنسی جذبات پر بہت عرصہ تک قابو نہیں رکھ سکتے لہذا بد اخلاقی کے عام ہونے کا اندیشہ ہے جسکی بدولت دیر سے شادیاں کرنے کا مقصد فوت ہو جائیگا۔ اعتراض ایک حد تک درست ہے۔ اگر جذبات پر قابو نہیں رکھا جا سکے تو ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ شادیوں کے بعد ضبط تولید کے ذرائع اختیار کئے جائیں۔ نہ صرف موضع زیر بحث بلکہ تمام ہندوستان کیلئے ہماری قطعی رائے ہے کہ اگر ہم موجودہ معیار زندگی کو بلند کرنا چاہیں تو ہمارے لئے نہ صرف یہ ضروری ہے کہ موجودہ ذرائع سے بہتر سے بہتر استفادہ کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کیجائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ آبادی کے بڑھتے ہوئے رجحان کو نہایت سختی کے ساتھ اُسوقت تک روکا جائے جبتک کہ ہم یہ محسوس نہ کرلیں کہ آبادی کی تحدید کی وجہ سے ہمیں کوئی حقیقی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

(۲) صنعتی ترقی ـــــ آمدنیوں میں اضافہ کرنے اور معیار زندگی کو بلند کرنے کیلئے تحدید آبادی کے ساتھ ساتھ ضرورت اس امر کی ہے کہ مختلف پیشوں کے مابین توازن قایم کیا جائے۔ قیام توازن کے لئے صنعتی ترقی (خواہ وہ کسی قسم کی ہو) ضروری ہے محض موضع زیر بحث کو لیکر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس میں صنعت پیشہ آبادی اسقدر ہونی چاہئیے اور زراعت پیشہ اسقدر۔ صنعتی ترقی کا مسئلہ کل ریاست سے متعلق ہے۔ ریاست کے ایک حصہ میں صنعتی ترقی کا اثر دوسرے حصہ پر پڑیگا۔ دوسرے حصہ میں ترقی کا اثر تیسرے حصہ پر پڑیگا اور بحیثیت مجموعی تمام ملک کے پیشوں کا لحاظ کرتے ہوئے ایک قسم کا توازن قائم ہوسکے گا۔ فی الوقت اگر موضع دوپلی پر بحث کیجا رہی ہے تو اسکے یہ معنی نہیں کہ ہم موضع دوپلی کو ایک خودکفیل معاشی اکائی فرض کر رہے ہیں۔

(۳) تعلیمی ترقی ـــــ دیہاتیوں کی لاعلمی انکے لئے گونا گوں مصیبتوں کا باعث بنی ہوئی ہے آئے دن اونہیں اپنی لاعلمی کی وجہ سے مختلف قسم کے مالی نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں۔ مثلاً دیہاتی چونکہ لاعلم ہوتے ہیں لہذا اونہیں جب کبھی دفتر وغیرہ سے متعلق کوئی کام پڑتا ہے (خواہ وہ کام کسقدر معمولی کیوں نہو) تو اسکی اجرائی کے لئے کچھ نہ کچھ صرف کرنا پڑتا ہے۔ فروخت پیداوار کی حد تک دلال اونکی لاعلمی و جہالت سے فائدہ اوٹھاتے ہیں۔ اسی طرح ساہوکار بھی اونکی لاعلمی وجہالت کی بدولت جا و بیجا طور پر اونکا استحصال کرتے ہیں اپنی لاعلمی کی وجہ سے وہ یہ نہیں معلوم کرسکتے کہ وہ کس شرح فیصد پر سود ادا کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی نہیں معلوم ہوسکتا کہ ساہوکار نے کھاتے میں کس قسم کا اندراج کرلیا ہے۔ کیا یہ چیز اونکی لاعلمی کی وجہ سے نہیں کہ وہ بغیر سوچے سمجھے سادھے کاغذ پر ابہام کردیتے ہیں۔ جسکی بدولت انہیں نقصان عظیم اٹھانا پڑتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ قانون سے ناواقف ہوتے ہیں لہذا جا و بیجا طور پر آبائی قرضوں کی ادائی کرتے رہتے ہیں جسکی وجہ سے ان کی آمدنی کا کافی حصہ مستقل طور پر منہا ہوتا رہتا ہے۔ اپنی لاعلمی ہی کی بدولت وہ نہ تو اخراجات کاشت کا حساب رکھ سکتے ہیں اور نہ یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ کس جنس کی کاشت میں انہیں نسبتاً زیادہ منافع مل سکتا ہے۔ دیگر مجبوریوں کے علاوہ اپنی لاعلمی وجہالت کی بدولت گوبر کا بری طرح استعمال کرتے ہیں۔ قلت کھاد کا اثر پیداوار پر پڑتا ہے۔ ادنی پیداوار کی وجہ سے آمدنی میں تخفیف ہوتی ہے۔ مزارعین کی حالت کو سدھارنے اور انہیں متذکرہ مختلف مالی نقصانات سے بچانے کیلئے تعلیم کا دیا جانا ضروری ہے۔ تعلیم کا بالواسطہ اثر مزارعین کی بیداری پر پڑتا ہے۔ بیداری کی وجہ سے

مذکورہ نقصانات سے بڑی حد تک سبکدوشی حاصل کیجا سکتی ہے۔ اگر دیہاتی تعلیم یافتہ اور ہوشیار ہوں تو دیہی تنظیم سے متعلق ہر قسم کی تحریک بآسانی کامیاب ہوسکتی ہے۔

جب ہم تعلیم کی اہمیت و ضرورت کو محسوس کرتے ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس قسم کی تعلیم دیجانی چاہیئے۔ موجودہ حالات کا لحاظ کرتے ہوئے نہ صرف مناسب و موزوں فنی تعلیم کا انتظام کیا جائے بلکہ حرفتی تعلیم بھی نہایت اہم و ضروری ہے خصوصاً زراعت کی تعلیم ازبس ضروری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے کسان خلیق و جفاکش ہوتے ہیں لیکن زراعت سے متعلق انکے جسقدر معلومات ہیں وہ نہایت ہی قدیم ہیں۔ موجودہ زمانہ اسکا مقتضی نہیں کہ انہی معلومات پر اکتفا کیا جائے۔ فی زمانہ حالات بالکل بدل گئے ہیں۔ زمینات کی گھٹتی ہوئی زرخیزی کا مسئلہ بہت ہی اہم ہوگیا ہے۔ کسانوں کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ کس زمین کی کیا خاصیت ہوتی ہے (مانا کہ بعض تجربہ کار کسانوں کو اسکا علم ہوتا ہے لیکن سب کسان زمین کی خاصیت کو نہیں جان سکتے) کس قسم کی جنس کے لئے کس نوعیت کی کھاد کس مقدار میں دیجانی چاہیئے۔ مزید برآں انہیں جانوروں اور فصلوں کی بعض معمولی بیماریوں کی خاصیت اور انکا علاج بھی معلوم ہونا چاہیئے لیکن کسانوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقی علاج و اشتباہ سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ فصلوں اور جانوروں کی مختلف بیماریوں کا نام تو بتلا سکتے ہیں لیکن انکا حقیقی علاج نہیں جانتے۔ زراعتی تعلیم میں کسانوں کو مذکورہ تمام باتوں کے علاوہ دیگر ضروری اور مفید معلومات سے بھی آگاہ کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک کہ باغبانی کا تعلق ہے ہمارے کسان بالکل بے بہرہ نظر آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ باغبانی کیلئے مالی مشکلات سد راہ ہوتے ہیں لیکن اگر انہیں حل بھی کیا جائے تو موجودہ حالات کے تحت ہمارے کسان کامیاب باغبانی کرنے کے قابل نہیں جبتک کہ انہیں باضابطہ تعلیم نہ دیجائے۔ باغبانی کے ذریعہ ایک قابل لحاظ تعداد معقول آمدنی کے ساتھ اپنی پرورش کرسکتی ہے۔ اگر "ڈیری فارمنگ" کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور عوام کو اس کی ترغیب دیجائے تو اس صنعت میں بھی قابل لحاظ افراد کی کھپت ہوسکتی ہے۔ بہرطور زراعتی تعلیم اس نوعیت کی ہونی چاہیئے جو تمام اجزائے زراعت پر حاوی ہو۔

جہاں تک کہ عام تعلیم کا تعلق ہے وہ کم از کم اس معیار کی ہونی چاہیئے کہ جسکی بدولت دیہاتی بلفاظ طور پر پڑھ لکھ سکیں۔ اور معمولی قسم کی سرکاری مراسلت بھی کرسکیں۔ علاوہ ازیں انہیں اتنی قابلیت بھی

ہونی چاہیئے کہ وہ مختلف اخبارات ورسائل کو پڑھ کر اپنے پیشہ سے متعلق ضروری اور مفید معلومات حاصل کرسکیں ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ جبتک لاعلم دیہاتیوں کی تعلیم کا باضابطہ اور موثر انتظام نہ کیا جائے دیہی اصلاح سے متعلق خاطرخواہ نتائج نہیں برآمد ہوسکتے۔ تقریباً ہر دیہات میں ایک مدرسے کا قیام ضروری ہے۔ مدرسین کی تعداد کا مدار دیہات کی وسعت پر ہو گا۔ اسمیں شک نہیں کہ ہر دیہات میں ایک مدرسہ قائم کرنے کی وجہ سے تعلیمی اخراجات بہت بڑھ جائینگے لیکن ان اخراجات کے بار کو بار نہ تصور کیا جائے۔ علاوہ ازیں معمر اشخاص اور ایسے لڑکوں کی تعلیم کیلئے جنہیں دن میں فرصت نہیں ملتی تعلیم شبینہ کا انتظام کیا جائے۔ جبتک ایسا نہ ہو عمومیت تعلیم کا مدعا سرعت کے ساتھ پورا نہیں ہوسکتا۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا بالواسطہ تدابیر کے علاوہ مزارعین کی آمدنیوں کو بڑھانے بالفاظ دیگر انکے معیار زندگی کو بلند کرنے کیلئے حسب ذیل بلاواسطہ تدابیر کا بھی اختیار کیا جانا ضروری ہے۔

(ب) بلاواسطہ تدابیر ——

(۱) تقسیم وانتشار اراضی کی اصلاح —— زراعت کو نفع بخش بنانے کے لئے زمینات کی تقسیم اور انتشار کو دور کرنے کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ زرعی اراضیات کے اس نقص کی وجہ سے نہ صرف موضع زیر بحث بلکہ تمام ہندوستان کے کسانوں کو قابل لحاظ نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ ہماری رائے میں تقسیم وانتشار اراضی کے مسئلہ کو حل کرنے کی کارگر تدبیر یہ ہے کہ ملک کے طول وعرض میں حسب حالات مناسب وموزوں صنعتوں کو ترقی دیجائے (ان صنعتوں کی نوعیت گھریلو ہی کیوں نہو۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ہر قسم کی صنعت کارخانہ ہی سے متعلق ہونی چاہیئے) پیشوں کی زیادتی کا اثر بالواسطہ طور پر زراعت پر پڑیگا۔ اور لوگ زراعت اختیار کرنے کے لئے ایسے مجبور نہ ہونگے جیسے کہ اب ہیں۔ گویا صنعتی ترقی کی وجہ سے زراعت کا موجودہ بار کم ہوگا اور تقسیم اراضی کی سابقہ شدت برقرار نہ رہے گی۔ تحدید آبادی کا بالواسطہ اثر بھی تقسیم اراضیات کی شدت کو کم کریگا۔ کیونکہ پیشوں کے فقدان کے ساتھ ساتھ جس سرعت سے آبادی میں اضافہ ہوگا (اشتراک خاندان کے زوال کی بدولت اسی سرعت کے ساتھ اراضیات کی تقسیم در تقسیم عمل میں آئیگی اور تقسیم اراضیات کے ساتھ انتشار کی کیفیت بھی بڑھتی جائیگی۔ لہذا تقسیم وانتشار اراضیات کی شدت کو روکنے کیلئے نہ صرف یہ ضروری ہے کہ ملک کے

طول وعرض میں مناسب حالی اور موزوں صنعتوں کو ترقی دیجائے بلکہ اسکے لئے آبادی کی تحدید بھی ضروری[1] ہے۔
مزید برآں موثر پروپگنڈے کے ذریعہ مزارعین کو تقسیم وانتشار اراضیات کے حقیقی نقصانات سے واقف کرایا جائے اور انہیں اس امر کی ترغیب دیجائے کہ بزرگ خاندان کی وفات پر ہر ہر قطعہ اراضی میں سے جداجدا حصص کرنے کی بجائے جہانتک ہوسکے اراضی کی اس طور پر تقسیم کریں کہ اسکی بدولت کم سے کم قطعات ہونے پائیں موجودہ انتشار کو کم کرنے کے لئے کسانوں کو الحاق یا اتصال اراضیات کی ترغیب دیجائے۔ چنانچہ یہ تحریک پنجاب اور صوبجات متوسط میں قابل لحاظ طور پر کامیاب ثابت ہوچکی ہے۔ پنجاب میں اس تحریک کی کامیابی کا ایک اہم سبب یہ بتلایا جاتا ہے کہ بلحاظ زرخیزی وہاں کی زمینات تقریباً یکساں ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ الحاق یا اتصال اراضیات میں اختلاف زرخیزی کی وجہ سے بہت رکاوٹ پیدا ہوتی ہے لیکن اس دقت کو بھی رفع کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ رفع کرنے کی کوشش کیجائے۔ فرض کیجئے دو کسان اپنی اراضی کے ایک قطعہ کا تبادلہ کرنا چاہتے ہیں لیکن دقت یہ ہے کہ ایک کسان کا قطعہ ۲ ایکر ہے اور دوسرے کا ڈیڑھ ایکر علاوہ ازیں اول الذکر قطعہ نسبتاً کم زرخیز ہے اور آخرالذکر نسبتاً زیادہ زرخیز۔ اگر فریقین حالات کو اچھی طرح سمجھ لیں تو ۲ ایکر اراضی (جو نسبتاً کم زرخیز ہے) کا ڈیڑھ ایکر اراضی سے (جو نسبتاً زیادہ زرخیز) تبادلہ کرنا طرفین کے حق میں باعث نقصان نہ ہوگا۔ اگر طرفین یہ محسوس کریں کہ اس قسم کے مبادلہ میں ان کا نقصان ہے تو اس نقصان کی تلافی بشکل زر کیجاسکتی ہے۔ بعض کسان ایسے بھی ملینگے جو بہرحال (خواہ مبادلہ میں انکا فائدہ ہو یا نقصان) اراضی کا مبادلہ نہیں کرنا چاہتے اس قسم کے کسانوں کو قانوناً مجبور کیا جانا چاہیئے۔ جو افراد اتصال اراضی کیخاطر قطعات اراضی کا مبادلہ کریں تو ان سے رجسٹری کا معاوضہ لیا جائے بلکہ ملکیت کا اندراج طرفین کے نام پر بلا فیس کیا جائے۔ اگر فیس رجسٹری لیجائے تو یہ چیز طرفین کے حق میں بار ثابت ہوگی۔ نہ صرف یہ بلکہ اتصال اراضیات میں رکاوٹ کا باعث بنے گی اتصال اراضی کا کام اگر موثر طریق پر جاری رکھا جائے تو فی الوقت قابل لحاظ اراضیات یکجا ہوسکتی ہیں جبکہ

---

[1] مختلف نقاط نظر سے ہندوستان کی موجودہ آبادی میں تحدید کی سخت ضرورت ہے اگر کمزور اور نہایت ادنیٰ کارگذار آبادی میں دن بدن اضافہ ہوتا جائے تو حالات بد سے بدتر ہوتے جائینگے۔ ہمارے لئے اضافہ آبادی کا مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا برعکس اسکے افراد کی کارکردگی کو بہتر بنانے کا مسئلہ بہت اہم ہے۔

ہم نے تقسیم و انتشار اراضیات کے گوناگوں نقائص کو چند باسمجھ اور تجربہ کار کسانوں کے سامنے بیان کیا اور اتصال اراضیات کی تحریک پیش کی تو تقریباً تمام کسانوں نے اس سے اتفاق کیا بشرطیکہ اس کی وجہ سے طرفین کا کوئی حقیقی نقصان نہو۔ کسانوں کو تقسیم و انتشار اراضی کے نقصانات سے بچانے کے لئے ایک طرف تو سرگرم طریق پر اتصال اراضیات کی ترغیب دیجانی چاہیئے اور دوسری طرف "مشترک کاشت" کی ترغیب بھی نہایت ضروری ہے۔ حالات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشتراک خاندان کا طریق ہندوستان کے مختلف حصص میں دن بدن کم زور ہوتا جا رہا ہے۔
موضع زیر بحث میں بھی بہت کم خاندان اس طریق پر عمل پیرا ہیں۔ سالہائے ماسبق میں ہندوستانی خاندان (بالخصوص ہندو) بالعموم مشترک طور پر دولت پیدا کرتے اور مشترک طور پر صرف کرتے تھے لیکن اب واقعات بالکل برعکس نظر آرہے ہیں۔ گوناگوں وجوہات کی بنا پر بزرگ خاندان کی وفات پر تقریباً ہر وارث یہ چاہتا ہے کہ اپنا گھر بار علیحدہ کرے۔ اس رجحان کی وجہ سے بھی تقسیم و انتشار اراضیات کا مسئلہ اہم تر ہوتا جا رہا ہے۔ فی زمانہ اگر اشتراک خاندان کا طریق غیر مفید ثابت ہو رہا ہے تو تقسیم و انتشار اراضیات کو حل کرنے کے لئے کم از کم مشترک کاشت کی ترغیب دیجانی چاہیئے۔ مشترک کاشت کا طریق موضع زیر بحث کیلئے کوئی نیا طریق نہیں۔ کیونکہ بعض خاندان، اس میں شک نہیں کہ علیحدہ علیحدہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن کاشت کی حد تک مشترک نظر آتے ہیں خصوصاً گنے کی کاشت (جسمیں زیادہ اخراجات لاحق ہوتے ہیں) بالعموم مشترکہ طور پر کیجاتی ہے کولہو عام طور پر مشترکہ طور پر خریدا جاتا ہے اور مشترکہ طور پر اس سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ ان حالات کے تحت اگر ہمارے دیہات میں کسانوں کو مشترک کاشت کے گوناگوں فوائد سے آگاہ کیا جائے اور موثر طور پر انہیں اس کی ترغیب دیجائے تو کوئی وجہ نہیں جو یہ تحریک کامیاب ہوتی نظر نہ آئے۔ مختصر یہ کہ صنعتی ترقی تحدید آبادی۔ اتصال اراضیات اور مشترک کاشت کی ترغیب کے ذریعہ تقسیم و انتشار اراضی کی موجودہ نوعیت کو قابل لحاظ طور پر کم کیا جا سکتا ہے۔ جسکی بدولت مزارعین کے مصارف کاشت میں تخفیف ہوگی بالفاظ دیگر انکی آمدنیوں میں اضافہ ہو سکے گا۔

(۲) زرعی اصل کی اصلاح ـــــ واضح رہے کہ زرعی اصل میں مویشی۔ آلات زراعت مصنوعی ذرائع آبپاشی۔ کھاد اور تخم کو شامل کیا گیا ہے۔ مزارعین کی آمدنیاں نہ صرف اراضیات کی تقسیم

انتشار کی وجہ سے کم ہوتی ہیں بلکہ زرعی اصل کے گوناگوں نقائص کا بھی کمی آمدنی پر نمایاں اثر پڑتا ہے۔

مویشی —— مویشیوں کی حد تک سب سے اہم مسئلہ انکی کارکردگی کا ہے۔ مویشیوں کی ادنیٰ کارکردگی کی وجہ سے غیر محسوس طریقہ پر مصارف کاشت بڑھ جاتے ہیں۔ مصارف کاشت کی زیادتی کا اثر آمدنیوں پر پڑتا ہے۔ لہذا آمدنیوں میں اضافہ کی خاطر نہ صرف تقسیم و انتشار اراضی کی اصلاح ضروری ہے بلکہ مویشیوں کی کارکردگی کو بہتر بنانے کا مسئلہ بھی اسقدر اہم ہے۔ مویشیوں کی کارکردگی کو بہتر بنانے کیلئے حسب ذیل تدابیر اختیار کئے جانے چاہئیں۔

الف۔ مویشیوں کی تعداد میں تخفیف۔

ب۔ مویشیوں کے رکھ رکھاؤ اور چارہ کا بہتر انتظام۔

ج۔ نسل کشی کا انتظام

د۔ علاج حیوانات کا معقول و بروقت انتظام۔

الف۔ موضع زیر بحث میں انسانی آبادی اور جانوروں کی آبادی ہر دو کے مسائل یکساں نظر آتے ہیں اگر ہم ہر دو مسائل کا تقابلی مطالعہ کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ ہر دو صورتوں میں اگر ایک طرف ذرائع معاش محدود ہیں تو دوسری طرف آبادی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ظاہر ہے کہ تحدید خوراک اور اضافہ آبادی (خواہ وہ انسانوں کی ہو یا جانوروں کی) کا اثر قلت خوراک کی صورت میں نمودار ہوگا اور قلت خوراک کی وجہ سے کارکردگی متاثر ہوگی۔ ۱۳۳۸ف (م اکٹوبر ۲۹۔ ۱۹۲۸ء) میں موضع زیر بحث کے جملہ زرعی و غیر زرعی جانوروں کی تعداد ۱۲۳۱ تھی لیکن اب ۱۹۹۲ ہوگئی ہے۔ اس اضافہ کے ساتھ ساتھ چاہیئے تھا کہ فی سو جانور رقبہ گاران میں بھی زیادتی ہوتی لیکن اسمیں تخفیف نظر آتی ہے۔ ۱۳۳۸ف (م اکٹوبر ۲۹۔ ۱۹۲۸ء) میں فی سو جانور اوسط رقبہ گاران ۳۱٫۷ یکر تھا لیکن اب ۲۳٫۵ یکر ہوگیا ہے۔ موضع زیر بحث میں جانوروں کی کثرت کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں پر فی سو یکر کاشت شدہ اراضی کیلئے بحیثیت مجموعی ۱۴۹ زرعی و غیر زرعی جانور ہیں۔ حالانکہ شاہی زرعی کمیشن نے بتلایا ہے کہ برٹش انڈیا میں فی سو کاشت شدہ رقبہ کیلئے بحیثیت مجموعی (۶۷+۲۷) ۹۴ جانور ہیں۔ کمیشن کی رائے میں یہ تعداد زیادہ ہے۔ لیکن موضع زیر بحث میں

فی سو ایکڑ کاشت شدہ رقبہ کیلئے جانوروں کی تعداد ۹۲ سے بھی بہت زائد یعنی تقریباً ۱۴۹ ہے۔ ان حالات کے تحت موضع ہذا کے جانوروں کی آبادی کے متعلق ہم یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ وہ کثیر الآبادی ہے جانوروں کیلئے قلت خوراک کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ خوراک کی مسلسل کمی اور کثرت کاری کی بدولت خصوصاً زراعتی جانوروں (جو زراعت میں براہ راست مدد دیتے ہیں) کی حالت ناگفتہ بہ نظر آتی ہے۔ لہذا ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے کیلئے ضرورت اس امر کی ہے کہ انکی تعداد میں تخفیف کیجائے۔ پانچویں فصل میں ہم بتا چکے ہیں کہ جملہ زرعی جانوروں کا لحاظ کرتے ہوئے ۴٫۸ فیصد جانور زیادتی عمر وغیرہ کی وجہ سے بالکل از کار رفتہ ہوگئے ہیں ان جانوروں کو قصابوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جانا چاہیئے۔ مزید برآں اُسی فصل میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ جملہ زرعی جانوروں کا لحاظ کرتے ہوئے ۶۰٫۴ فی صد جانور کارگذار ہیں۔ ۶۰٫۳ فی صد کارگزار جانوروں میں سے صرف ۸٫۲ فیصد معیاری ہیں اور باقی ۵۲ فی صد غیر معیاری جانور ہیں۔ ۵۲ فیصد جانوروں میں سے ۲۴٫۳ فیصد جانوروں کی کارکردگی مقابلتاً خراب اور ۲۷٫۷ فیصد کی بہت ہی خراب ہے۔ ہر کسان کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ جہانتک ہوسکے ۴ خراب جانوروں کی بجائے دو اچھے جانور رکھے۔ کیونکہ ۲ اچھے جانور اسی قدر کام کر سکینگے جسقدر کہ ۴ خراب جانور انجام دیسکتے ہیں۔ چنانچہ پانچویں فصل میں ہم نے بتلایا ہے کہ معیاری بیلوں کی ایک جوڑ روزانہ ۳۰ گنٹہ تری یا ۲۰ گنٹہ خشکی کی ہل چلائی کر سکتی ہے۔ حالانکہ ادنی قسم کے بیلوں کی ایک جوڑ روزانہ صرف ۱۵ گنٹہ تری یا ۱۰ گنٹہ خشکی کی ہل چلائی کر سکتی ہے۔ ان حالات کے تحت اگر کسان معیاری بیلوں کے رکھنے کی کوشش کریں تو موجودہ ادنی قسم کے بیلوں کی تعداد میں (جو کہ مجموعی زرعی جانوروں کی تعداد کا لحاظ کرتے ہوئے ۱۲٫۹ فیصد ہیں) ۵۰ فیصد تخفیف کی گنجائش ہے۔ ٹھیک اسی طور پر معیاری قسم کے بھینسے رکھنے کی وجہ سے ادنی قسم کے بھینسوں کی تعداد میں ۵۰ فیصد تخفیف ہوسکتی ہے۔ اگر درجہ دوم کے بیلوں اور بھینسوں کی حالت کو ٹھیک کیا جائے تو جانوروں کی تعداد میں تخفیف کی مزید گنجائش نکل آتی ہے۔

جہانتک کہ موضع زیر بحث کی گائیوں اور بھینسوں کا تعلق ہے ان کی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ ہے چنانچہ ہم نے پانچویں فصل میں درجہ اوّل و دوم اور سوم قسم کی گائیوں اور بھینسوں کی کارکردگی کا حال تفصیل کیساتھ بتلایا ہے۔ جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوت تولید اور خصوصاً دودھ دینے کی صلاحیت کیا

لحاظ کرتے ہوئے موضع ہذا کی گائیوں اور بھینسوں کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ یہ بات کسقدر قابل افسوس ہے کہ یہاں کی بہتر سے بہتر گائے روزانہ سوا سیر اور بہتر سے بہتر بھینس روزانہ ڈھائی سیر سے زاید دودھ نہیں دے سکتی واضح رہے کہ اس قسم کے گائیوں اور بھینسوں کی تعداد بہت ہی محدود ہے۔ دوم اور سوم قسم کی گائیں اور بھینسیں تعداد میں بہت زیادہ ہیں دوم قسم کی گائے روزانہ ڈھائی پاؤ اور سوم قسم کی گائے روزانہ پاؤ سیر سے زاید دودھ نہیں دے سکتی۔ اسیطرح دوم قسم کی بھینس روزانہ پونے دو سیر اور سوم قسم کی بھینس روزانہ سوا سیر سے زاید دودھ نہیں دے سکتی۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کی ادنی کارکردگی والی گائیوں اور بھینسوں کو ایک کثیر تعداد میں جمع رکھنے سے بجائے فائدے کے نقصان ہوگا۔ کیونکہ ادنی قسم کی گائیوں اور بھینسوں کی یہ تعداد چارہ کے ذرائع پر ایک قسم کا بار ثابت ہوگی۔ انکی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے زراعت میں براہ راست مدد دینے والے جانور یعنی بھینسے اور بیلوں کیلئے قلت چارہ کا مسئلہ بہت ہی اہم ہوجائیگا۔ نتیجہ یہ کہ کمی خوراک کی بدولت (جسکو ہمارے کسان حقیقی طور پر محسوس نہیں کرتے) اگر ایک طرف بیلوں اور بھینسوں کی حالت خراب ہوتی جائیگی تو دوسری طرف گائیوں اور بھینسوں کی حالت بد سے بدتر ہوگی۔ لہذا بہتر و مناسب یہی ہے کہ ادنی قسم کی گائیوں اور بھینسوں کی تعداد میں بھی تخفیف کیجائے۔ ۲ خراب گائیوں اور ۲ خراب بھینسوں کی بجائے ایک اچھی گائے اور ایک اچھی بھینس رکھی جائے تو انکی تعداد میں بھی ۵۰ فیصد تخفیف کیجاسکتی ہے۔ اگر ادنی قسم کے بھینسے۔ بیلوں گائیوں اور بھینسوں کی تعداد میں ممکنہ تخفیف کیجائے تو چارہ کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو جائے گا۔ اچھے جانوروں کو اچھی غذا مل سکے گی اور وہ عمدگی کے ساتھ اپنا کام انجام دے سکینگے۔

(ب) رکھ رکھاؤ اور چارہ کا بہتر انتظام ــــ مویشیوں کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے ایک طرف تو ان کی تعداد میں نمایاں تخفیف کی جانی چاہیئے اور دوسری طرف چارہ کے موجودہ ذرائع سے بہتر سے بہتر استفادہ کیا جائے۔ چنانچہ شاہی زرعی کمیشن نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے اور ہمیں کمیشن کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کیونکہ ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری مفید شکل نظر نہیں آتی۔

چارہ کے موجودہ ذرائع سے بہتر استفادہ کرنے کا ایک طریق یہ ہے کہ موسم بارش میں جبکہ چارہ کی کثرت ہوتی ہے اسکا ذخیرہ کیا جائے۔ ذخیرہ کے لئے سیلاج کا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ بشکل سیلاج چارہ کا

ذخیرہ کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ زمین میں ۱۰ فیٹ لانبا۔ ۸ فیٹ چوڑا اور ۸ فیٹ گہرا گڑھا کھود دیا جائے اس گڑھے کو چارہ سے بھر کر مٹی سے ڈھانک دیا جائے۔ سیلاج کا جمع کیا ہوا چارہ خصوصاً دودھ دیتے والے جانوروں کے لئے بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

دھان اور جوار کی فصلوں سے جو چارہ حاصل ہوتا ہے اسکو احتیاط کے ساتھ زیر سایہ رکھا جائے لیکن موضع ہذا میں قلت جگہ کی وجہ سے چارہ کو زیر سما گری کی شکل میں رکھا جاتا ہے۔ موسم گرما میں ان گریوں کو بعض مرتبہ آگ لگ جاتی ہے جسکی بدولت کسانوں کو بہت ہی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ مزید برآں بارش کے موسم میں چارہ کی گری بھیگ بھیگ کر چارہ سڑ جاتا ہے۔ بارش کی وجہ سے ہر سال چارہ کی قابلِ لحاظ مقدار خراب ہوتی رہتی ہے آگ اور پانی سے چارہ کی حفاظت کیجائے تو اسکی کافی مقدار بچ سکتی ہے۔

ہمنے یہ بھی دیکھا ہے کہ جب جانوروں کے آگے چارہ ڈالا جاتا ہے تو وہ اسکی قابل لحاظ مقدار کو کھندل کر خراب کر دیتے ہیں۔ چارہ ڈالنے کا انتظام اس طور پر کیا جائے کہ مویشی چارہ کو خراب نہ کر سکیں۔ جہانتک کہ کڑبی کا تعلق ہے وہ عام طور پر یوں ہی ڈالدی جاتی ہے جسکی وجہ سے اگر ایک طرف مویشیوں کو کڑبی چبانے میں دقت ہوتی ہے تو دوسری طرف وہ اسکو پوری طرح نہیں کھا سکتے۔ لہذا کڑبی (جسکی موضع ہذا میں بہت قلت ہے) کا کافی حصہ رائگاں جاتا ہے۔ اگر کڑبی کو کتر کر ڈالا جائے تو نہ صرف مویشیوں کو کھانے میں سہولت ہوگی بلکہ غیر ضروری طور پر کڑبی خراب بھی نہونے پائیگی۔

چارہ کی کفایت کیلئے موجودہ رقبہ گاران کا مناسب انتظام بھی ضروری ہے۔ فی الوقت رقبہ گاران کی کوئی تنظیم نہیں۔ جسکے جانور جدھر چاہیں چر سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ بہت سی گھاس محض روندنے میں خراب ہوجاتی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ گاران کے باضابطہ قطعات کئے جائیں اور باری باری چند یوم کے عرصے سے دیہات کے جملہ جانور ایک ایک قطعہ پر چرائے جائیں۔ اس ترکیب کی وجہ سے چارہ غیر ضروری طور پر خراب نہونے پائیگا۔ حصولِ چارہ کی ایک اور صورت یہ ہے کہ مزارعین کو چارہ کی ارزاں فصلیں اگانے کی ترغیب دیجائے مگر اس بارے میں سب سے اہم مالی دقت پیش آتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جن اراضیات پر چارہ کی فصل اگائی جائے اور نیز محصول آبپاشی معاف کیا جائے۔ موضع زیر بحث میں اگر یہ سہولت بہم پہونچائی جائے تو ہمیں توقع ہے کہ کسانوں کی

ایک قابلِ لحاظ تعداد چارہ کی فصلیں اگانے پر راضی ہوگی۔

(ب) جانوروں کے رکھ رکھاؤ کا باضابطہ انتظام —— مویشیوں کی کارکردگی کو بہتر بنانے کیلئے نہ صرف چارہ کا بہتر انتظام کیا جانا چاہیئے بلکہ مویشیوں کے رکھ رکھاؤ کا باضابطہ انتظام بھی ضروری ہے۔ جانوروں کے کوٹھے (وہ مقام جہاں کہ جانوروں کو باندھا جاتا ہے) نہ صرف بند ہوتے ہیں بلکہ غلیظ بھی۔ خصوصاً موسم باراں میں نکاسی آب کا باضابطہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے انکی حالت خراب رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ غلاظت کی وجہ سے کوٹھے بھی متعلق ہونگے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کوٹھوں کو ہمیشہ خشک اور صاف رکھا جائے اور ہوا کے داخل ہونے کے لئے باضابطہ روشندان رکھے جائیں۔ جانوروں کو عام طور پر بری طرح کوٹھے میں بھر دیا جاتا ہے۔ خصوصاً گائیوں کے ساتھ یہ طرزِ عمل بہت عام ہے۔ قلت جگہ اور جانوروں کی کثرت کیوجہ سے غیر محسوس طریق پر جانوروں کی صحت متاثر ہوتی ہے خصوصاً اُس زمانہ میں جبکہ کوئی متعدی بیماری پھیلی ہوئی ہو۔ جانور بہت جلد متاثر ہوجاتے ہیں۔ اکثر کوٹھے محض برائے نام ہوتے ہیں۔ انمیں نہ صرف بارش کا پانی نیچے اترتا ہے بلکہ سردی کے زمانے میں جانور اُوس سے بھی بچ نہیں سکتے۔ لہذا جانوروں کی صحت اور کارکردگی کو برقرار رکھنے یا بڑھانے کیلئے نہ صرف اچھی غذا دیجانی چاہیئے بلکہ اونکی رہائش کا انتظام بھی اچھا ہونا چاہیئے۔

(ج) نسل کشی کا باضابطہ انتظام —— مویشیوں کی کارکردگی کو بہتر بنانے کیلئے نہ صرف مویشیوں کی تعداد میں تخفیف کیجانی چاہیئے اور چارہ کے ذرائع سے بہتر سے بہتر استفادہ کیا جائے بلکہ اسکے لئے نسل کشی کا باضابطہ انتظام بھی ضروری ہے۔ فی الوقت ہمارے کسان اس کام کی جانب سے بالکل بے بہرہ نظر آتے ہیں اُنکے ہاں نسل کشی کا کوئی تخیل ہی نہیں گائے ران میں اچھے اور برے جانور یکساں طور پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ لہذا اچھی گائیوں اور خراب بیل۔ خراب گائیوں اور اچھے بیلوں کے اختلاط کی وجہ سے اچھی نسل پیدا ہونے نہیں پاتی۔ اکثر مرتبہ خراب گائیوں اور خراب بیلوں کا اختلاط بھی ہوا کرتا ہے۔ اس اختلاط کی وجہ سے جس نوعیت کی نسل پیدا ہوگی وہ پوشیدہ نہیں۔ بیلوں اور گائیوں کو گائے ران میں یکساتھ چھوڑ دینے کی وجہ سے اکثر مرتبہ غیر پختہ گائیوں (ان گائیوں سے ایسی گائیں مراد ہیں جنمیں بچہ دینے کی قابلیت بطور اتم پیدا نہیں ہوئی) کا اختلاط ہوجاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ گائیوں اور بیلوں کے

چرنے کا علیحدہ علیحدہ انتظام کیا جائے۔ اس انتظام کی وجہ سے اسمیں شک نہیں کہ تھوڑی بہت وقت اٹھانی پڑیگی لیکن اسکا بہت ہی مفید اثر مترتب ہوگا۔ سرکاری مزرعہ جات پر عمدہ قسم کے بیل زیادہ تعداد میں رکھے جائیں اور موثر پروپگنڈے کے ذریعہ مزارعین کو ایک طرف تو عمدہ قسم کی گائیں رکھنے کی ترغیب دیجائے اور دوسری طرف انہیں عمدہ اختلاط کے حقیقی فوائد سے آگاہ کیا جائے۔ بہرطور مویشیوں کی کارکردگی کو بہتر بنانے کیلئے عمدہ غذا کے علاوہ نسل کشی کا معقول انتظام نہایت ضروری ہے۔

(۳) علاج حیوانات ـــــ جس طرح کسان آئے دن متعدد بیماریوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں اسیطرح انکے مویشی بھی مختلف امراض[1] میں مبتلا رہتے ہیں جنمیں سے بہت کم بیماریوں کا علاج کسانوں کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے۔ بعض متعدی بیماریوں کے وقت کسان بالکل بے دست و پا ہوجاتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ چونکہ وبا کی وجہ سے بیماری ٹھیک نہیں ہورہی ہے لہذا جانور پر شیطان کا اثر ہوگیا ہے۔ اس اثر کو دور کرنے کیلئے شیطان کے نام پر بکرا ذبح کیا جاتا ہے۔ جسوقت محرر مقالہ موضع میں مقیم تھا دیہات کے تقریباً تمام جانور گالی کی بیماری میں مبتلا تھے۔ اُس بیماری کو دور کرنے کیلئے کسانوں میں اس تحریک کا آغاز ہوچکا تھا کہ بحیثیت مجموعی تمام دیہات سے چندہ کرکے کچھ بکرے ذبح کئے جائیں تاکہ گالی کی بیماری دیہات سے چلی جائے۔ ممکن ہے کہ ابتک اس تحریک کو عملی جامہ پہنا دیا ہوگا۔ مزارعین کو بیجا مصارف سے بچانے کے لئے موثر پروپگنڈے کے ذریعہ انکی توہم پرستی کو دور کیا جائے۔ مزید برآں علاج حیوانات کا معقول انتظام کیا جائے۔ فی الوقت نظام آباد (جو موضع زیر بحث سے تقریباً ۹ میل ہے) میں جانوروں کا ایک دواخانہ موجود ہے لیکن کسان اس سے خاطر خواہ طور پر مستفید ہوتے نظر نہیں آتے۔ امراض مویشیان کا معقول اور بروقت علاج نہ صرف اسلیئے ضروری ہے کہ اس کی بدولت جانوروں کی کارکردگی ٹھیک ہوسکتی ہے بلکہ اموات مویشیان میں تخفیف کی وجہ سے کسانوں کا قرض بھی بہت کچھ ہلکا ہوسکتا ہے کیونکہ کسانوں کو جانور بالعموم اسوقت خریدنا پڑتا ہے جبکہ وہ فوت ہوجاتے ہیں۔

آلات زراعت ـــــ جدید اور مناسب حال آلات کے استعمال کا مسئلہ بھی ایسا ہی اہم ہے جیسا کہ مویشیوں کی کارکردگی کا مسئلہ۔ مزارعین کی موجودہ پست معاشی حالت کا لحاظ کرتے ہوئے عام طور پر قدیم آلات کے

---

[1] ۔ مویشیوں کے مختلف امراض اس کا تذکرہ ہوچکا ہے۔

استعمال ہی کو مناسب خیال کیا جاتا ہے۔ مالی وقت کا سوال اسمیں شک نہیں کہ بہت اہم ہے لیکن اگر ہم اپنی زراعت کو
بہتر بنانا چاہیں اور فی یکر پیداوار کے اوسط کو بڑھانا چاہیں تو ماہرین کی رائے کے مطابق اس نوعیت کے آلات استعمال
کئے جائیں کہ جنکی بدولت ہل چلائی اور تخم ریزی وغیرہ کا کام بہتر سے بہتر طریق پر ہو سکے۔ ہمارا یہ خیال نہیں کہ قدیم آلات
چونکہ قدیم ہیں لہذا وہ برے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ قدیم آلات ہی میں اس قسم کی تبدیلی کرنی چاہیئے کہ جسکی بدولت
اگر وہ ایک طرف نسبتاً کم قیمت میں دستیاب ہو سکیں تو دوسری طرف اپنے مفوضہ کام کو بہتر سے بہتر طریق پر انجام دیں
اس قسم کے آلات کی فراہمی اور اس سے متعلقہ تحقیق محکمہ زراعت کا کام ہونا چاہیئے۔ مانا کہ ہمارے ہاں کے تجرباتی
مزرعہ جات پر تحقیق اور تجربوں کا کام نہایت عمدہ طریق پر ہو رہا ہے لیکن جہاں تک کہ پروپگنڈے کا تعلق ہے یہ
مزرعے بہت ہی قابل تنقید ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مزرعہ نظام آباد اور مزرعہ رودرور پر ہر سال نمائش
ہوتی ہے لیکن اس نمائش کا کام بالکل نمائشی ہوتا ہے جس سے کسان حقیقی طور پر استفادہ نہیں کر سکتے۔ موزوں اور مناسب حال
آلات کی ترویج کیلئے موثر پروپگنڈے کو کام میں لایا جائے۔ اور مختلف سہولتیں محکمہ زراعت کی جانب سے بہم پہنچائی جائیں
کسانوں کو اس بات کی ترغیب و تحریص دلانی چاہیئے کہ وہ جدید آلات کو مشترکہ طور پر خریدیں جسطرح کہ کولہو عام طور پر مشترک
حیثیت سے خریدا جاتا ہے خواہ جدید آلات ہوں یا ترقی یافتہ آلات ہر دو کا اصولی استعمال عمدہ پیداوار حاصل کرنے میں بہت ہی موثر ثابت ہوگا۔

مصنوعی ذرائع آب پاشی ——— ذرائع آب پاشی کی حد تک ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ موضع زیر بحث میں بطور
اتم موجود ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان ذرائع سے خاطر خواہ طور پر استفادہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ مزارعین کا
خیال ہے کہ چونکہ خشک اراضیات کے مقابل تر اراضیات کی مالگذاری بہت زیادہ ہوتی ہے لہذا انہیں خشک اراضیات کے
مقابل تر اراضیات کی کاشت میں بہت کم منافع ملتا ہے لیکن ہم نے بتلایا ہے کہ خشک اراضیات کے مقابل تر اراضیات کی
کاشت میں قلیل منافع کے وجوہ کچھ اور ہی ہیں.......... ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر تر اراضیات کی
کاشت مناسب اصول پر کیجائے تو اسمیں خشک اراضیات کی کاشت سے کہیں زیادہ منافع کی گنجائش ہے چونکہ
کسان تر زمینات سے عموماً بدظن نظر آتے ہیں لہذا موضع کی تر اراضیات کا ایک قابل لحاظ حصہ خارج از کاشت
پڑا ہوا ہے۔ جسکی بنا پر حکومت کو متوقعہ رقم مالگزاری (۱۹۳۷-۴) سے ۱۰۳۵۰ روپے کم مالگذاری وصول ہو رہی ہے
اگر زراعتی تعلیم کا باضابطہ انتظام ہو جائے اور کسان مناسب اصول پر تر اراضیات کی کاشت کرنے لگیں تو

اونہیں قابل لحاظ منافع ملنے لگے گا۔ موجودہ خارج از کاشت اراضیات زیر کاشت آجائیگی۔ اوسط رقبہ فی کاشت کار بڑھے گا اور حکومت کو بھی معقول آمدنی ہوگی جس سے فلاح عامہ کے بہت سے تعمیری کام کئے جا سکینگے۔

کھاد ــــــ اس سے قبل ہم نے کھاد کی طلب و رسد پر روشنی ڈالتے ہوئے بتلایا ہے کہ ۴۷-۱۳۴۶ فصلی (م اکتوبر ۲۸۔ ۱۹۳۷ء) کے جملہ کاشت شدہ رقبے سے عمدہ پیداوار حاصل کرنے کیلئے جسقدر کھاد درکار تھی اس سے ۴۴ء۱۵ فیصد کم کھاد دستیاب ہوئی اگر وہ اراضیات جو فی الوقت خارج از کاشت ہیں زیر کاشت آجائیں تو کھاد کی قلت میں مزید اضافہ ہو جائیگا نہ صرف موضع زیر بحث بلکہ تمام ہندوستان کیلئے قلت کھاد کا مسئلہ دن بدن اہم تر ہوتا جا رہا ہے اس مسئلہ کو حل کرنیکی سب سے بہتر اور کارگر تدبیر یہ ہے کہ ایک طرف تو کھاد کے قدرتی ذرائع سے پورا پورا استفادہ کیا جائے اور دوسری طرف ارزاں قسم کی مصنوعی کھادوں کی ترویج عمل میں لائی جائے۔

کھاد کے موجودہ ذرائع سے کلی طور پر استفادہ کرنے کیلئے ضرورت اس امر کی ہے کہ گوبر کی جملہ پیداوار کو نہایت احتیاط کے ساتھ محفوظ کر لیا جائے۔ ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ مکانات کے لیپنے چھڑکنے اور بطور ایندھن استعمال کرنے میں سالانہ ۲/۵ ۱۸۱ بنڈی گوبر صرف کیا جاتا ہے۔ اگر اس گوبر کو محفوظ کر لیا جائے اور اسکی کھاد تیار کیجائے تو ۴۴ء۱۵ فی صد کمی میں سے ۲۶ء۹۴ فی صد کمی کی تلافی کیجا سکتی ہے بالفاظ دیگر اگر گوبر کو مکانات کے لیپنے چھڑکنے اور بطور ایندھن جلانے میں صرف نہ کیا جائے اور اس کی کھاد تیار کر کے کاشت کیلئے استعمال کی جائے تو کھاد کی قلت ۴۴ء۱۵ فی صد کی بجائے ۲۴ء۵ فیصد رہے گی۔

مزارعین کیلئے یہ امر بہت وقت طلب ہے کہ وہ گوبر کے استعمال کو یک لخت ترک کر دیں۔ البتہ موثر پروپگنڈے کے ذریعہ یہ عادت بتدریج رفع ہو سکتی ہے۔ موضع ہذا کے قرب و جوار میں اکثر و بیشتر جنگل ہیں خصوصاً موسرہ کا جنگل بہت وسیع ہے یہاں سے لکڑی باسانی فراہم کیجا سکتی ہے ہمنے اندازہ لگایا ہے کہ اگر ایک خاندان گوبر جلانے کی بجائے لکڑی استعمال کرے تو سالانہ ۱۲ روپیہ کی کفایت کر سکتا ہے۔

گوبر سے پورے پورے طور پر استفادہ کرنے کے بعد کھاد کی جو قلت (۲۴ء۵) فیصد ہوتی ہے اسکو پورا کرنے کیلئے جانوروں کا پیشاب جمع کیا جائے جو کہ نائٹروجن حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ اگر مویشیوں کے

سلہ موضع پیٹہ کی معاشی تحقیق از محمد ناصر علی صاحب صفحہ ۱۹۔

پیشاب کرنے کی جگہ پر گڑھے کر دیئے جائیں تو پیشاب بآسانی جمع ہوسکتا ہے ۔ یا یہ کہ پیشاب کو خراب اگھاس میں بھی جذب کرلیا جاسکتا ہے ۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو پیشاب کی مٹی ایک مناسب موقعہ سے بدل دی جائے ۔ یہ امر واقعہ ہے کہ دیہات میں مویشیوں کا پیشاب کلیتاً رائیگاں جاتا ہے اگر اسکو محفوظ کرلیا جائے تو اس سے نائٹروجن کی کافی مقدار حاصل کیجاسکتی ہے ۔ ماہرین کی تحقیق کی بناء پر ہندوستانی زمینات میں عام طور پر نائٹروجن کم مقدار میں پائی جاتی ہے[5] ۔

کھاد کی مزید کمی کو پورا کرنے کیلئے انہیں ہڈی کی کھاد تیار کرنے کو نسبتاً آسان طریقے بتلائے جائیں کیونکہ ایک تو مردہ جانوروں کی ہڈی اطراف واکناف میں مفت ملجاتی ہے دوسرے یہ کہ ہڈی کی کھاد جاولوں کی کاشت کیلئے (جوکہ موضع کی سب سے اہم پیداوار ہے) بہت مفید ہے ۔ علاوہ ازیں انہیں بتلایا جائے کہ جاولوں کے چھلکوں سے (جوکہ مقدار کثیر مفت میں ملتے ہیں) کیونکر کھاد تیار کیجاسکتی ہے ۔ یہ کھاد گیہوں اور جوار کی کاشت کیلئے کافی زرخیز ثابت ہوئی ہے مزارعین کو اسکی بھی ہدایت دیجائے کہ گنے کے چھلکے (جو بکثرت ملتے ہیں) جلانے کی بجائے بطور کھاد استعمال کئے جائیں ۔ ان چھلکوں میں کاربن کی کافی مقدار موجود ہوتی ہے جوکہ پودوں کی خاص غذا ہے ۔ مزید براں انسانی فضلے کو (جو بالکل رائیگاں جاتا ہے) گڑھوں میں جمع کرکے سوکھنے کے بعد بطور کھاد استعمال کیا جائے ۔ ان طریقوں پر عمل کرنے کے بعد کھاد کی کمی بڑی حد تک پوری ہوجائیگی اگر نہ بھی ہو تو اسکو بیسیوں دیگر ذرائع سے رفع کیا جاسکتا ہے کیونکہ مسٹر پاکسن کے قول کے مطابق "روئے زمین پر کوئی ملک ایسا نہیں جس میں کھاد اس کثرت سے اور اتنے مختلف اقسام کی موجود ہو جیسے کہ ہندوستان میں موجود ہے ...... مگر کاشتکار اسکی قدر نہیں کرتے جسکا باعث نقص لاعلمی ہے[6]"

تخم ـــــ عمدہ پیداوار حاصل کرنے کیلئے عمدہ تخم کا انتخاب نہایت ضروری ہے ہمارے دیہات کی سب سے اہم پیداوار جاول ہے لیکن جاولوں کی کاشت کیلئے جس قسم کے تخم استعمال کئے جاتے ہیں وہ بہت ہی ادنیٰ اور معمولی ہوتے ہیں سالہاسال سے صرف ایک ہی قسم کے تخم کی کاشت کیجارہی ہے ۔ ادنیٰ قسم کے دھانوں کی بجائے اگر عمدہ قسم کے دھان کاشت کئے جائیں تو کسانوں کو عمدہ قیمت وصول ہوسکتی ہے ۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دیہاتیوں کو

---

[5] موضع زیر بحث کی زمینات میں بھی بحیثیت مجموعی نائٹروجن کی مقدار کم ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ڈاکٹر کرشنا اگریکلچرل کیمسٹ صدر مرزعہ حمایت ساگر کی ہدایات کے موافق موضع دوپلی سے مٹی کے نمونے لائے گئے تھے ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف انکی [illegible] (ان نمونوں کا طبعی) و کیمیائی تجزیہ کیا ۔ بعض وجوہ کی بناء پر تجزیہ کے نتائج بہت دیر بعد وصول ہوئے ۔ اسلئے ان سے [illegible] استفادہ نہیں کیا جاسکا تاہم معلومات کی خاطر اس تجزیہ کے اعداد ضمیمہ دوم میں دیئے گئے ۔ [6] ہندوستانی کھاد مصنفہ مسٹر پاکسن صفحہ (۲۰-۲۱) ترجمہ

اسکا کوئی خیال ہی نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ماحول کا لحاظ کرتے ہوئے محکمہ زراعت کی جانب سے عمدہ قسم کے تخم کی تشہیر کا کام موثر طریقہ پر جاری رکھا جائے۔ بعض کسانوں کو عمدہ قسم کے تخم مفت دیئے جائیں اور بعض مستطیع کسانوں سے رعایتی قیمت وصول کیجائے۔ ابتداً مختلف سہولتوں کے ذریعہ کسانوں کی توجہ عمدہ تخم کے استعمال کی طرف مبذول کرائی جائے۔ جب وہ اسکے فواید سے آگاہ ہوجائینگے تو اس وقت عمدہ تخم کا استعمال عام ہوجائیگا۔

فصلوں اور اونکی بیماریوں کا سدباب ——— انسانوں اور جانوروں کی طرح فصلوں کو بھی آئے دن مختلف قسم کی بیماریاں ہوتی رہتی ہیں۔ مزارعین کا بیان ہے کہ نہر نظام ساگر کی اجرائی کے بعد سے "کا مارو گم" "بردی روگم" اور "اٹکیا روگم" بہت عام ہوگئے ہیں۔ کامارو گم کی وجہ سے دھان کے پودے میں ایک قسم کا چھوٹا پودا اُگ آتا ہے۔ یہ پودا فصل کو کمزور کر دیتا ہے۔ بردی روگم کی وجہ سے دھان سفید ہوکر خراب ہوجاتا ہے۔ اٹکیا روگم کی بدولت دھان کے خوشے لال ہوکر جھڑ جاتے ہیں۔ ان بیماریوں کی وجہ سے کسانوں کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ کسانوں کا بیان ہے کہ انہیں ان بیماریوں کا کوئی علاج معلوم نہیں۔ حکومت کے جانب سے بھی ان بیماریوں کے علاج کی طرف کوئی توجہ نہیں کیگئی۔ محکمۂ زراعت کو چاہیئے کہ بہت جلد اپنی توجہ اس طرف مبذول کرے اور مزارعین کو نقصان سے بچائے۔ اجرائی نہر کی وجہ سے ایک جدید مسئلہ زمینات کی رطوبت سے متعلق پیدا ہوگیا ہے۔ پانی کی زیادتی کی وجہ سے زمینات ہروقت مرطوب رہنے لگی ہیں نتیجہ یہ کہ بعض زمینات میں اسقدر کھار پیدا ہوگیا ہے کہ کلیتاً خارج از کاشت ہوگئی ہیں۔ مختلف بیماریوں کی وجہ سے پیداوار کا قابلِ لحاظ حصہ مارا جاتا ہے اور مزارعین کی آمدنیاں گھٹ جاتی ہیں۔ لہذا آمدنیوں کو بڑھانے کی خاطر فصل کی بیماریوں کا سدباب اور زمینات کے کھار کا مسئلہ نہایت ہی اہم ہے۔

فروخت پیداوار ——— کسان اپنی لاعلمی اور دیگر مجبوریوں کی بدولت جہاں اور امور میں نقصان اٹھاتے ہیں وہاں فروخت پیداوار کے تحت بھی انہیں کافی خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔ ساہوکار انکی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاکر غلہ کی خرید میں غیر معمولی نفع کماتے ہیں۔ مزارعین کی آمدنیاں اگر ایک طرف ادنی پیداوار (جسکے مختلف وجوہ بیان کئے گئے ہیں) کی وجہ سے کم ہوجاتی ہیں تو دوسری طرف ناقص طریقہ ہائے فروخت کی بدولت بھی انکی آمدنیوں کا قابلِ لحاظ حصہ مارا جاتا ہے۔ موضع زیر بحث کی پیداوار کا بہت بڑا حصہ "لائنی" کے تحت فروخت ہوتا ہے۔ چنانچہ ساتویں فصل میں ہم بتا چکے ہیں کہ اس طریق کے تحت پیداوار فروخت کرنیکی وجہ سے کسانوں کو کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ

کسقدر نقصان اوٹھانا پڑتا ہے۔

مزارعین کو نقصان سے بچانے بالفاظ دیگر انکی آمدنیوں میں اضافہ کرنے کی خاطر ضرورت اس امر کی ہے کہ پیداوار کی فروخت کا مناسب انتظام کیا جائے۔ لاؤنی کے تحت مال خریدنے کے طریق کو قطعاً ممنوع قرار دیا جائے۔ ساہوکارونکو اس امر کا پابند کیا جائے کہ وہ قرض دیکر مقررہ رقمی سود (جسکا آگے ذکر کیا جائے گا) وصول کریں۔ اگر قرضہ بشکل جنس دیا گیا ہے تو بھی مقررہ رقمی شرح کا لحاظ کرتے ہوئے سود وصول کیا جائے۔ مقامی انجمن امداد باہمی کے تحت فروخت غلہ کا ایک گودام قایم کیا جائے اس گودام سے ارکین کو دو قسم کے فوائد حاصل ہونگے۔ پہلا یہ کہ انہیں رفع احتیاجات (مثلاً ادائی مالگذاری وغیرہ) کیلئے بروقت رقم مل سکے گی دوسرے یہ کہ کچھ عرصے تک غلے کا ذخیرہ کرنے کے بعد اسکو فروخت کیا جائیگا تو قیمت بھی اچھی وصول ہوگی سرکاری پیمانوں کے علاوہ دیگر قسم کے بڑے پیمانوں کے استعمال پر سختی کے ساتھ نگرانی رکھی جائے۔

ناندیڑ۔ سیلو۔ عمری۔ جالنہ اور لاتور وغیرہ کی طرح نظام آباد کی مارکٹ میں بھی "مارکٹ کمیٹی" کا قیام عمل میں لایا جائے۔ کمیٹی کے قیام کی بدولت اوزان پیمانہ جات۔ اڑتی اور بعض غیر ضروری مدات کی وصولی پر کافی نگرانی رکھی جاسکے گی۔

قرضہ جات ـــــ ناقص طریقہ ہائے فروخت کے علاوہ ناقص طریقہ ہائے لین دین کی بدولت بھی کسانوں کی آمدنی مستقل طور پر کم ہوتی رہتی ہے۔ طریقہ ہائے لین دین کو بہتر بنانے کے یہ معنی ہیں کہ کسانوں کی آمدنیوں میں اضافہ کیا جارہا ہے۔ آمدنیوں میں اضافے کی وجہ سے معیار زندگی بھی نسبتاً بلند ہوسکے گا۔

قرضہ جات سے متعلق سب سے اہم مسئلہ شرح سود کا ہے۔ نویں فصل میں ہم یہ معلوم کرائے ہیں کہ موضع ہذا میں زیادہ سے زیادہ ۷۵ فیصد سالانہ شرح سود وصول کیجاتی ہے۔ دستورالعمل قرض دہندگان کی رو سے اس میں شک نہیں کہ کفالتی قرض پر زیادہ سے زیادہ ۹ فیصد سالانہ سود سادہ اور غیر کفالتی قرض پر زیادہ سے زیادہ ۱۲ فیصد سالانہ سود سادہ مقرر کیا گیا ہے لیکن اسپر عمل ہونا نظر نہیں آتا۔ اسی قانون کی رو سے ساہوکاروں کیلئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ لائسنس خریدیں لیکن موضع زیر بحث میں ایک بھی ساہوکار ایسا نہیں جسکے پاس سرکاری لیسنس ہو۔ اس دستورالعمل کا لحاظ کرتے ہوئے ساہوکار اسکے بھی پابند قرار دیئے گئے ہیں کہ وہ اپنے آسامیوں کو مرتبہ نمونوں کے موافق حساب کتاب دیں قانون اسمیں شک نہیں کہ بہت مفید ہے۔ لیکن سوال اسکے عمل اور عدم عمل کا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ ساہوکاروں کو اسکا پابند بنایا جائے۔ ساہوکار اسوقت تک پابند نہ ہونگے جب تک ان پر نگرانی نہ رکھی جائے۔

نویں فصل میں ہم معلوم کرائے ہیں کہ مزارعین کے قرضہ جات کے دو اہم مدات شادی بیاہ اور تعمیر مکان ہیں کیونکہ مجموعی قرض کا لحاظ کرتے ہوئے ۲۲ فیصدی قرض شادی بیاہ سے متعلق ہے اور ۱۶ فیصد تعمیر مکانات سے۔ مزارعین کو سمجھایا جائے کہ بچپن کی شادی کی وجہ سے انہیں قبل از وقت زیر بار ہونا پڑتا ہے چونکہ شادی کا قرضہ کلیتہً غیر پیداوار ہوتا ہے اور چونکہ اسکی شرح بھی بہت زیادہ ہوتی ہے لہذا اسکی ادائی کا سلسلہ مدتوں چلتا رہتا ہے اور آمدنیوں میں مستقل کمی ہوتی رہتی ہے اگر شادیاں بروقت کی جائیں تو قرض کے بیجا بار میں بہت کچھ تخفیف ہوسکتی ہے۔ بہتر ہوگا کہ انجمن امداد باہمی سے شادی بیاہ اور تعمیر مکان کیلئے طویل المدت کفالتی قرضے دیئے جائیں۔ قرض دہی کرتے وقت اس امر کا تعین کردیا جائے کہ یہ قرضہ اسقدر مدت میں وصول ہونا چاہیئے اس مدت کا سود اقساط کی ادائی کا لحاظ کرتے ہوئے اصل میں جمع کردیا جائے۔ اصل و سود کی جملہ رقم کو ایک جا کرکے اسکی قسط بندی کردینی چاہیئے۔ تعمیر مکانات کیلئے بھی اسی قسم کے طویل المدت قرضوں کا انتظام کیا جائے اس طریق کی بدولت اراکین کو نہ صرف ادنیٰ شرح پر قرض مل سکے گا بلکہ اسکی ادائی بھی آسانی سے ہوسکے گی۔

نویں فصل میں ہم یہ بھی معلوم کرائے ہیں کہ ایک فیصد قرض مزارعین کی توہم پرستی کی وجہ سے ہے۔ توہم پرستی کا سدباب اگر ایک طرف موثر پروپگنڈے کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے تو دوسری طرف اسکے لئے عام بیداری کی ضرورت ہے جو بذریعہ تعلیم حاصل ہوسکتی ہے۔ مزید برآں دیہاتیوں کو اسراف سے بچنے کی ترغیب دی جائے انہیں سمجھایا جائے کہ موجودہ سودی لین دین کا لحاظ کرتے ہوئے قرض ایک بری بلا ہے۔ اور اس سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کیجائے۔

مزارعین کے موجودہ بار قرض کو کم کرنے کیلئے قدیم قرضہ جات کے تصفیے کئے جائیں۔ ان قرضوں کی تحقیق اور تصفیوں کیلئے ایک کمیٹی کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس کمیٹی میں محکمہ تنظیم دیہی (جسکی ہم آئندہ سفارش کرینگے) کا ایک عہدہ دار ہوگا اس عہدہ دار کے علاوہ دیہات کے دو دیانت دار افراد بھی شریک ہونگے۔ کمیٹی کا فریضہ ہوگا کہ افراد کے قدیم قرضہ جات کی تحقیق کرے اور انکے مابین ایک مناسب تصفیہ کرے۔ ہمارے خیال میں قدیم قرضہ جات کے تصفیوں کا کام بہت ہی کامیاب ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کے تصفیوں کیلئے نہ صرف قرضدار بلکہ ساہوکار بھی راضی نظر آتے ہیں۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان تصفیوں کی وجہ سے طرفین کا فائدہ ہوگا[۱۵]۔ چنانچہ ہم نے فریقین کے

---

[۱۵] ضمیمہ دوم میں یہ بیانات نمبر ۱۷-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱-۲۲-۲۳-۲۴- اور ۲۵ درج کئے گئے ہیں۔

اس رجحان کے دیکھتے ہوئے اپنے قیام کے دوران میں کوئی نو ساہوکاروں اور ہما آسامیوں کے مابین قدیم قرضہ جات کا تصفیہ کیا ہے[۱]۔ تصفیہ سے قبل آسامی سے یہ دریافت کیا جاتا تھا کہ اسنے کب اور کسقدر قرض کس شرح پر حاصل کیا حصول قرض کے بعد اصل یا سود کی ادائی کیونکر اور کسقدر عمل میں آئی مقروض کے بیان کی تصدیق ساہوکار سے اور ساہوکار کے بیان کی تصدیق مقروض سے کی جاتی تھی اختلاف بیان کی صورت میں کوئی ایک درمیانی راستہ بتلایا جاتا تھا جبکہ فریقین کی رضامندی سے تصفیہ قطعی قرار پاتا تو مقروض کیجانب سے ایک کاغذ ساہوکار کو لکھوا دیا جاتا اور ساہوکار کیجانب سے ایک کاغذ مقروض کو۔

بہر طور مزارعین کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی سب سے کارگر تدبیر یہ ہے کہ انکی آمدنیوں میں اضافہ کیا جائے۔ آمدنیوں میں خاطر خواہ اضافہ اسوقت تک نہیں کیا جا سکتا جبتک کہ متذکرہ بالواسطہ اور بلاواسطہ تدابیر یکجا اختیار نہ کی جائیں ہمیں قوی توقع ہے کہ اگر آبادی میں تخفیف کی جائے صنعت و حرفت کو ترقی دیجائے۔ عام اور زراعتی تعلیم کا معقول انتظام کیا جائے۔ زرعی زمین۔ زرعی اصل۔ طریقہ ہائے کاشت۔ طریقہ ہائے فروخت اور طریقہ ہائے لین دین کی اصلاح کیجائے تو مزارعین کی آمدنیوں میں قابل لحاظ اضافہ ہوگا۔ اگر ان آمدنیوں کو بہتر سے بہتر طریق پر صرف کیا جائے تو موجودہ معیار زندگی (گو کہ اس معیار تک نہ پہنچ سکے جسکی ہم نے دوسری فصل میں تعریف کی ہے) قابل لحاظ طور پر بلند ہو سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ مجوزہ اصلاحی کاموں کی تکمیل کیلئے اخراجات کی ضرورت ہوگی۔ ہماری رائے میں حکومت کو چاہئیے کہ وہ اپنے بجٹ میں اسطور پر تبدیلی کرے کہ جسکی بدولت دیہی فلاح و دیہی خوش حالی کیلئے زیادہ سے زیادہ رقم صرف ہو سکے کیونکہ دیہی فلاح اور دیہی خوش حالی ریاست کی فلاح اور خوش حالی کے مترادف ہے۔

دیہی تنظیم کیلئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سے متعلق ایک علحدہ محکمہ قائم کیا جائے جو کہ "محکمہ تنظیم دیہی" کے نام سے موسوم ہوگا۔ تنظیم دیہی کا انفرادی کام عہدہ داران مال سے بھی لیا جا سکتا ہے مگر اس صورت میں یہ تحریک اسقدر عمدگی کیساتھ کامیاب نہ ہو سکے گی جیسی کہ ایک مستقل ادارہ کی جد و جہد کی بدولت ہو سکتی ہے عہدہ داران مال کیلئے انکی دفتری مصروفیات ہی کچھ کم نہیں۔ ان مصروفیات کے باوجود ان سے اس امر کی توقع رکھنا کہ وہ مصالحت قرضہ کے کاروبار میں حصہ لیں اور دیہی اٹھان سے متعلق بھی دیگر قسم کی جد و جہد کریں کچھ زیادہ مفید نہیں معلوم ہوتا البتہ محکمہ تنظیم دیہی کے عہدہ داروں کے ساتھ عہدہ داران مال اعزازی طور پر شریک رہکر جسقدر ممکن ہو سکے امداد دے سکتے ہیں۔ محکمہ تنظیم دیہی ذاتی جد و جہد اور دیگر محکمہ جات مثلاً محکمہ زراعت۔ محکمہ صنعت و حرفت اور محکمہ انجمن امداد باہمی کے تعاون سے دیہی فلاح اور دیہی خوش حالی کیلئے ہر قسم کا مفید کام انجام دیگا فقط

---

[۱] ضمیمہ میں ان ساہوکاروں اور آسامیوں کی فہرست دیگئی ہے جنکے مابین قدیم قرضہ جات کے تصفیئے کئے گئے۔

ضمیمے

پہلا ضمیمہ (صفحہ ۱ تا ۱۱) دوسرا ضمیمہ (صفحہ ۱۲ تا ۲۸)

پہلی فصل

آبادی سے متعلق مواد کی فراہمی میں سب سے پہلے مندرجۂ ذیل جدول کی خانہ پری کی گئی ہے۔

جدول نمبر (۱)

نمبر مکان	تعداد خاندان فی مکان			تعداد نفوس فی مکان			زبان	مذہب	پیشہ	
	مشترک	منفرد	جملہ	مذکر	مونث	جملہ			اصلی	ذیل
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱

اس جدول سے ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ موضع زیر بحث میں جملہ کتنے خاندان ہیں۔ ان خاندانوں میں کتنے خاندان مشترک ہیں اور کتنے منفرد۔ مشترک خاندانوں سے ہماری مراد ایسے خاندان ہیں جن کے افراد مشترکہ طور پر دولت پیدا کرتے اور مشترک طور پر صرف کرتے ہیں۔ اسی جدول سے ہم یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں کہ موضع ہذا میں جملہ کتنے نفوس ہیں۔ ان میں مذکر کتنے ہیں اور مونث کتنے۔ نیز یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہاں پر کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں مختلف مذاہب کے اعداد بھی اسی کے ذریعہ دستیاب ہوتے ہیں۔ پیشوں کا تجزیہ بھی اسی کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔

جدول نمبر (۲)

نمبر مکان	تعداد خاندان	تعداد ذکور	عمر	خواندہ ناخواندہ یا زیر تعلیم	شادی شدہ	غیر شادی شدہ	بے زن
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸

اس جدول کے ذریعہ یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ موضع میں جس قدر ذکور ہیں ان کی عمر وار تقسیم کیا ہے۔ ان میں کتنے خواندہ کتنے ناخواندہ اور کتنے زیر تعلیم ہیں۔ شادی شدہ غیر شادی شدہ اور رنڈوؤں کی تعداد بھی معلوم کی جا سکتی ہے شادی شدہ غیر شادی شدہ اور رنڈوے ذکور افراد کا عمر وار تجزیہ بھی اسی جدول کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔ خواندہ افراد کے متعلق یہ معلوم کرنا چاہیں کہ وہ کس زبان میں خواندہ ہیں تو مزید ایک خانے کا اضافہ کر دیا جائے۔

جدول نمبر (۳)

مکان نمبر	تعداد خاندان	تعداد اناث	عمر	خواندہ یا ناخواندہ یا زیر تعلیم	شادی شدہ	غیر شادی شدہ	بیوہ
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸

جدول نمبر دو اور تین میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر جدول ذکور سے متعلق ہے اور آخر الذکر اناث سے

جدول نمبر دو کے ذریعہ جتنی باتیں ذکور کے متعلق معلوم کی جاسکتی ہیں جدول نمبر تین کے ذریعہ اسی قدر امور اناث کے متعلق معلوم کئے جاسکتے ہیں۔

واضح رہے کہ جدول نمبر ایک۔ دو اور تین کو ملاکر صرف ایک جدول بھی تیار کی جاسکتی ہے لیکن ہم نے سہولت کی خاطر علیحدہ علیحدہ جدولوں کی خانہ پُری کی ہے۔ چونکہ موضع متوسط قسم کا ہے لہذا علیحدہ علیحدہ جدولوں کی خانہ پُری میں بہت زیادہ وقت نہ ہوئی۔

جدول نمبر (۴)

نمبر مکان	تعداد خاندان	منتقل شدہ (مستقلاً) ذکور	وجہ منتقلی	منتقل شدہ (مستقلاً) اناث	وجہ منتقلی	آباد شدہ (مستقلاً) ذکور	وجہ توطن داخلی	آباد شدہ (مستقلاً) اناث	وجہ توطن داخلی
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰

مندرجہ بالا جدول کی خانہ پُری کے وقت ہر بزرگ خاندان سے بالتفصیل یہ دریافت کیا جاتا تھا کہ گذشتہ سات سال (۱۳۴۱ف تا ۱۳۴۷ف) میں کتنے مذکر و مونث تمہارے مکان سے دیگر بیرونی مقامات کو مستقلاً منتقل ہوئے۔ وجہ منتقل کیا تھی۔ اسی طرح یہ بھی دریافت کیا جاتا تھا کہ گذشتہ سات سال (۱۳۴۱ف تا ۱۳۴۷ف) میں کتنے ذکور و اناث افراد دیگر بیرونی مقامات سے تمہارے مکان کو مستقلاً منتقل ہوئے۔ وجہ منتقلی کیا تھی۔ ان جوابات سے ہمیں معلوم ہوسکتا ہے کہ موضع ہذا میں گذشتہ سات سال کے عرصہ میں توطن داخلی وخارجی کا کیا حال رہا توطن داخلی کی رفتار زیادہ رہی یا توطن خارجی کی۔ توطن داخلی وخارجی کے اعداد حاصل کرنے کے لئے اس ترکیب کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔

جہاں تک کہ شرح پیدائش و شرح اموات کے تختہ جات کا تعلق ہے وہ پولیس پٹیل سے حاصل کئے گئے قدیم مواد محافظ خانہ دفتر تحصیل سے حاصل کیا گیا۔

موضع کی مذکر کارگذار آبادی کو معلوم کرنے کے لئے دیہاتیوں سے حسب ذیل سوالات کئے گئے۔

۱۔ تمہارے دیہات میں دس سے کم عمر لڑکے عموماً کیا کام کرتے ہیں۔

۲۔ دس اور پندرہ سال کی درمیانی عمر والے لڑکے کس طور پر مشغول رہتے ہیں انہیں کس قسم کا معاوضہ ملتا ہے اور کس قدر

۳۔ کس عمر میں تم ایک لڑکے سے اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ وہ کسب معاش میں کلی طور پر بزرگ خاندان کا ہاتھ بٹائے۔

۴۔ تمہارے دیہات میں لوگ عموماً کس عمر تک کام کرسکتے ہیں۔

۵۔ عمر کا وہ کون سا حصہ ہے جب کہ لوگ عموماً نیم کارگذار زندگی بسر کرتے ہیں۔

۶۔ اور عموماً کس عمر میں بالکل از کار رفتہ ہوجاتے ہیں۔

موضع کی مونث کارگذار آبادی کو معلوم کرنے کے لئے حسب ذیل سوالات کئے گئے۔

۱۔ تمہارے دیہات میں ایک عورت عموماً کس عمر میں بالکل از کار رفتہ ہو جاتی ہے۔
۲۔ عمر کا وہ کون سا حصہ ہے جبکہ عورتیں عموماً نیم کار گذار زندگی بسر کرتی ہے۔
۳۔ تمہارے دیہات میں عورتیں عموماً کس عمر سے کس عمر تک کام کر سکتی ہیں۔
۴۔ سن بلوغ سے قبل عمر کے مختلف مدارج (مثلاً آٹھ سال سے کم یا آٹھ تا تیرہ سال) میں کس نوعیت کا کام کرتی ہیں۔

نوٹ۔ مواد کے حاصل کرنے میں صرف سوالات پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ذاتی مشاہدہ سے بھی ان کی تنقید کی گئی ہے۔

دوسری فصل

اس فصل سے متعلق مواد کی فراہمی میں حسب ذیل سوالات کئے گئے۔
۱۔ تمہارے دیہات میں عموماً جوار استعمال کی جاتی ہے یا چاول۔
۲۔ گیہوں کا استعمال کس حد تک کیا جاتا ہے۔
۳۔ کس قسم کی دالیں استعمال کی جاتی ہیں۔
۴۔ مسالے کی قسم سے کونسی اشیا، استعمال کی جاتی ہیں۔
۵۔ تمہارے دیہات میں کس قسم کی سبزیاں ملتی ہیں۔ بیرون دیہات کس قسم کی سبزیاں دستیاب ہوتی ہیں ۔۔ سبزیات کے استعمال کا کیا حال ہے۔
۶۔ انڈے۔ مرغی اور گوشت کے استعمال کا کیا حال ہے۔
۷۔ کیا تمہیں مچھلی بہ کثرت دستیاب ہوتی ہے۔
۸۔ تیل اور گھی کا استعمال کب اور کیونکر ہوتا ہے۔
۹۔ کیا دودھ۔ دھی اور چھاچ عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔
۱۰۔ تہواروں کے موقع پر کس قسم کی غذا استعمال کرتے ہو۔

نوٹ:۔ ہوشیار دیہاتیوں کی مدد سے ہم نے جملہ خاندانوں کو ان کی معاشی حالت کا لحاظ کرتے ہوئے تین طرح پر تقسیم کیا ہے۔ خوشحال۔ متوسط حال اور خستہ حال واضح رہے کہ یہ تقسیم ایک اضافی حیثیت رکھتی ہے اس تقسیم کے بعد ہر ہر طبقہ کے چند منتخبہ افراد سے یہ دریافت کیا گیا کہ ان میں کا ایک شخص ماہانہ کس قسم کی اشیاء کن کن مقداروں میں بطور غذا استعمال کرتا ہے۔

۱۱۔ تمہارے دیہات میں مرد اور عورت عموماً کس قسم کا لباس استعمال کرتے ہیں۔ یہ اشیاء کن قیمتوں کی ہوتی ہیں۔
۱۲۔ خوش حال۔ متوسط حال اور خستہ حال افراد کے لباس میں کیا خاص فرق محسوس کرتے ہو۔

جدول نمبر (۵)

نمبر مکان	نوعیت مکان بلحاظ ساخت					تعداد روشندان فی مکان	جملہ تعداد نفوس فی مکان	قیمت مکان	کیفیت
	اینٹ		مٹی						
	یک منزلہ	دو منزلہ	یک منزلہ گھاس پوس	یک منزلہ سفالی	دو منزلہ (سفالی)				
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰

اس جدول کے ذریعہ ہم یہ معلوم کرسکتے ہیں موضع زیربحث کے جملہ مکانات میں کتنے مکانات اینٹ کے ہیں اور کتنے مٹی کے۔ اینٹ کے مکانات میں ایک منزلہ مکان کس قدر ہیں اور دو منزلہ کسقدر۔ اسی طرح مٹی کے مکانات کی تفصیلی کیفیت معلوم کی جاسکتی ہے یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مختلف نوعیت کے مکانات میں تعداد نفوس کیا ہے خانہ نمبر (۹) سے مکانات کی قیمت معلوم ہوسکتی ہے۔

تعلیمی حالت کے معلوم کرنے میں جدول نمبر (۲) اور (۳) کے پانچویں خانے سے مدد لی گئی۔

تیسری فصل

ملکی اراضیات کی تقسیم کو معلوم کرنے کے لئے مختلف سنین کے سیتواروں اور تختہ جات جمع بندی سے مدد لی گئی ہے۔ سیتوار میں پٹہ داروں کا نام لکھا ہوتا ہے۔ نام کے روبرو اس بات کا اندراج رہتا ہے کہ فی پٹہ دار جملہ کسقدر اراضی ہے۔ یہ اراضی کتنے ٹکڑوں پر مشتمل ہے سیتوار کے ذریعہ یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ ہر ہر زمین پر کسقدر مالگذاری ہے اور یہ مالگذاری کس حساب سے عاید کی گئی ہے مزید برآں تختہ پٹہ داران وشکمی واران سے بھی مدد لی گئی ہے اس تختہ میں اس امر کی وضاحت رہتی ہے کہ فی پٹہ دار شکمی واروں کی کیا تعداد ہے اور ہر ایک شکمی دار کتنی اراضی کا حصہ دار ہے۔

تقسیم اراضیات بلحاظ کاشت معلوم کرنے کے لئے ہر کاشت کار سے یہ دریافت کیا گیا کہ وہ جملہ کسقدر اراضی کاشت کرتا ہے اور یہ اراضی جملہ کتنے قطعات پر مشتمل ہے یہ مواد پٹواری کے دفتر سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن اس سے یہ نہیں معلوم کیا جاسکتا کہ موضع ہذا کے آسامی بیرون دیہات کتنی اراضی کاشت کرتے ہیں۔

مختلف قسم کی زمینات کا طبعی اور کیمیائی تجربہ ڈاکٹر کرشنا صاحب (اگریکلچرل کیمسٹ صدر محکمۂ زراعت) کے ذریعہ کروایا گیا ہے۔ صاحب موصوف کی ہدایات کے موافق مٹی کے نمونے لائے گئے تھے۔

چوتھی فصل

تعداد مزدوران کو معلوم کرنے کے لئے جدول نمبر ایک کے دسویں اور گیارویں خانوں سے مدد لی گئی۔

جنس مزدوران اور ذات مزدوران کا مواد بھی جدول نمبر (۱) سے لیا گیا ہے۔ مزدوروں کی سالانہ مصروفیات وغیرہ کا حال معلوم کرنے کے لئے ان سے حسب ذیل سوالات کئے گئے۔

۱۔ کیا تمہیں سال کے باروں مہینے برابر کام ملتا رہتا ہے۔

۲۔ تمہاری سالانہ مصروفیات کا مفصل حال بیان کرو۔

۳۔ تمہارے دیہات میں ادائی اُجرت کے کیا طریق ہیں۔

۴۔ اُجرت بشکل زر اور بشکل جنس کسقدر دی جاتی ہے۔

۵۔ کیا مقامی مزدور بیرون دیہات بھی کام کیلئے جاتے ہیں۔

۶۔ کیا مقامی اور بیرونی مزدوریاں برابر ہوتی ہیں۔

۷۔ تمہیں کب سے کب تک کام کرنا پڑتا ہے۔ کیا دوران کار میں وقفہ بھی دیا جاتا ہے۔

۸۔ تمہارے دیہات میں بھگیلے کس کس کے ہاں ہیں۔

۹۔ بھگیلوں کو ماہانہ کیا تنخواہ دی جاتی ہے۔

۱۰۔ ایک ایسے شخص کو جو اپنے آقا کا مقروض نہ ہو ماہانہ کسقدر تنخواہ ملتی ہے۔

۱۱۔ بھگیلے کو تنخواہ کے علاوہ کس قسم کی چیزیں دیجاتی ہیں۔

۱۲۔ کیا یہ چیزیں غیر مقروض ملازم کو بھی دی جاتی ہیں۔

۱۳۔ بھگیلے کو روزآنہ کتنے گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے۔

۱۴۔ کیا تم یہ بتلا سکتے ہو کہ تمہاری نسل کے افراد کیوں کمزور ہوتے جارہے ہیں۔

پانچویں فصل

جانور شماری کے لئے حسب ذیل جدول کی خانہ پری کی گئی۔

جدول نمبر (۶)

نمبر مکان	پاڑے و بیل	عمر	درجہ	بھینسے وغیرہ	عمر	درجہ	گائے و پاڑیاں	عمر	درجہ	بھینس وغیرہ	عمر	درجہ	مرغ وغیرہ
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴

اس جدول کے ذریعہ جملہ جانوروں (زرعی وغیر زرعی) کی تعداد معلوم کی جاسکتی ہے۔ گائے۔ بیل اور بھینس وغیرہ کی عمروار تقسیم بھی اسی کی مدد سے کی جاسکتی ہے نیز ان کی درجہ بندی بھی اسی کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔ یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے، موضع ہذا میں مرغیوں کی کیا تعداد ہے۔

نوٹ:- جانور شماری کے وقت دو تین تجربہ کار کسانوں کو ساتھ رکھا جاتا تھا۔ عمر کا اندراج ذاتی تشخیص اور ان کی رائے سے کیا جاتا تھا۔ جانوروں کی درجہ بندی بذات خود کی گئی ہے۔

دیگر امور کی تحقیق کے لئے مزارعین سے حسب ذیل سوالات کئے گئے۔

۱۔ تمہارے دیہات میں بیل اور کھلگے (بھینسے) عموماً کس عمر میں ناگرکشی کے قابل ہوتے ہیں۔

۲۔ کیا بہ حالت مجبوری اس عمر سے کچھ قبل بھی ناگرکشی کی جاتی ہے۔

۳۔ اگر غیر پختہ جانوروں سے ناگرکشی کا کام لیا جائے تو کس قسم کے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۴۔ بیل اور کھلگے (بھینسے) عموماً کس عمر میں بالکل از کار رفتہ ہو جاتے ہیں۔

۵۔ اوّل دوم اور سوم قسم کے بیل اور کھلگے (بھینسے) کی ایک جوڑ روزآنہ کتنے ایکڑ اراضی کی ناگرکشی کر سکتی ہے۔ تر اور خشک زمینات کا علحدہ علحدہ حساب بتلایا جائے۔

۶۔ میں نے دیکھا ہے کہ تمہارے دیہات میں بیل اور کھلگوں کے مقابل گایوں کی طرف سے بہت لاپروا ہی برتی جاتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ تمہارے عقائد کے مطابق گائے ایک مقدس جانور ہے لیکن اس کے باوجود اس لاپرواہی اور عدم توجہی کی کیا وجہ ہے۔

۷۔ ادنیٰ قسم کی گائیں ایک کثیر تعداد میں کیوں رکھی جاتی ہیں۔

۸۔ درجہ چہارم کی گایوں کو قصاب کے ہاتھوں کیوں نہیں فروخت کر دیا جاتا ہے۔

۹۔ تمہارے دیہات میں درجہ اول دوم اور سوم کی گائے اور بھینسیں عموماً کس عمر میں بچہ دینے کے قابل ہوتی ہیں۔ کس عمر تک بچے دیتی ہیں۔ اپنی عمر میں جملہ کتنے بچے دیتی ہیں۔

۱۰۔ اوّل دوم اور سوم درجہ کی گائے اور بھینس روزآنہ کسقدر دودھ دیتی ہیں۔ صبح کسقدر۔ اور شام کسقدر۔

۱۱۔ ان بیل اور کھلگوں کو جو زراعت کا کام کرتے ہیں کس قسم کی غذا دیتے ہو۔

۱۲۔ گائیوں اور بھینسوں کو کس قسم کی غذا دی جاتی ہے۔

۱۳۔ کیا تم یہ محسوس کرتے ہو کہ تمہارے مویشیوں کے لئے چارہ کی قلت ہوتی ہے۔

۱۴۔ کیا تم یہ بتلا سکتے ہو کہ تمہارے مویشیوں کی اسقدر ابتر حالت کیوں ہے۔

۱۵۔ کیا تمہارے دیہات میں نسل کشی کا کوئی خاص طریقہ ہے۔

۱۶۔ کیا تمہارے دیہات میں مویشیوں کا کوئی خاص حکیم ہے۔

۱۷۔ مویشیوں کے علاج میں حکومت کی جانب سے کسی قسم کی امداد ملتی ہے۔

۱۸۔ کیا تم اپنے مویشیوں کو دواخانہ بھی لے جاتے ہو۔

۱۹۔ تمہارے مویشیوں کو عموماً کس قسم کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔

۲۰۔ تمہارے دیہات میں امہات مویشیان کا کیا حال ہے۔

چھٹی فصل

آلات شماری کے لئے حسب ذیل جدول استعمال کی گئی۔

جدول نمبر (۷)

مکان نمبر	ناگر	بکھر	دوڑ	واتری		ٹُنیا	کولھو	بنڈی	سبل	کلہاڑی	کوتکی	کھرپی	تپائی	پھاوڑا	دراتی	سوہب	جنبیاں
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸

مندرجہ جدول سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ موضع ہذا میں مختلف قسم کے آلات کی کیا تعداد ہے۔ دیگر امور کی تحقیق کیلئے مزارعین سے حسب ذیل سوالات کئے گئے۔

۱۔ مختلف آلات زراعت کا استعمال کیوں کر کیا جاتا ہے۔ ہر ایک کے استعمال سے کس قسم کی مدد ملتی ہے۔

۲۔ ہر ایک آلہ زراعت کس قیمت میں تیار ہوتا ہے اور کس مدت تک کام دے سکتا ہے۔

۳۔ کیا تم جدید طرز کے آلات زراعت سے واقف ہو۔

۴۔ تمہیں جدید آلات پسند ہیں یا قدیم۔ اگر قدیم آلات پسند ہیں تو اسکے وجوہ کیا ہیں۔

۵۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جدید آلات کے استعمال میں تمہارا فائدہ ہے تو پھر یہ آلات کیوں نہیں استعمال کرتے۔

نوٹ: آبپاشی سے متعلق بہت سارا مواد پٹواری کے دفتر سے حاصل کیا گیا ہے مزید برآں مزارعین سے بھی چند سوالات کئے گئے۔

۶۔ نہر نظام ساگر کی اجرائی سے تمہیں کس قسم کا فائدہ ہوا۔

۷۔ خشک اراضیات میں کاشت کی جانے والی اجناس کو کس قسم کی کھاد دیتے ہو۔

۸۔ ادواری طریق کاشت سے تمہیں کس قسم کے فائدے حاصل ہوتے ہیں عموماً کن اجناس کا ردوبدل کیا کرتے ہو۔

۹۔ تر زمینات کو کس قسم کی کھاد دیتے ہو۔

۱۰۔ تمہارے دیہات کی زمینات کا لحاظ کرتے ہوئے عمدہ پیداوار حاصل کرنے کیلئے فی ایکر اوسطاً کسقدر کھاد دی جانی چاہیے۔

۱۱۔ تمہارے ہاں کھاد تیار کرنے کے کیا طریقے ہیں۔ خالص گوبر بطور کھاد استعمال کیا جاتا ہے یا اسمیں دیگر چیزیں بھی ملائی جاتی ہیں اگر خالص گوبر میں دیگر اشیاء بھی ملائی جائیں تو ایک بنڈی خالص گوبر میں کتنی کھاد تیار ہوتی ہے۔

۱۲۔ مینگنی کی کھاد کن کھیتوں میں استعمال کرتے ہو۔

۱۳۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے ہاں ایک سو اور چار سال کے درمیان مختلف العمر سو جانور ہیں۔ اندازہ لگاؤ کہ

ان جانوروں سے روزانہ کسقدر گوبر حاصل ہوگا۔ گوبر کا اندازہ اس بنڈی کی مناسبت سے لگاؤ جو عام طور پر کھاد کی حمل ونقل میں استعمال کی جاتی ہے۔

۱۴۔ اچھا یہ بتلاؤ کہ زاید از چار سال سو مختلف العمر جانوروں سے روزانہ کسقدر گوبر حاصل ہوگا۔

۱۵۔ تمہارے دیہات میں صرف گوبر ہی بطور ایندھن استعمال کیا جاتا ہے یا لکڑی بھی صرف کی جاتی ہے۔

۱۶۔ ایک خاندان جو اوسطاً پانچ افراد پر مشتمل ہو روزانہ کتنی اپلی جلائیگا۔

۱۷۔ کیا تم یہ بتلا سکتے ہو کہ ایک بنڈی کچے گوبر میں کتنی اپلیاں تیار ہوسکتی ہیں۔

۱۸۔ کیا تم اسکا سرسری اندازہ لگا سکتے ہو کہ تمہارے دیہات میں مکانات کے لیپن اور چھپر کاؤمیں ماہانہ کسقدر گوبر صرف ہوتا ہوگا۔

نوٹ:۔ مینگنی کی سالانہ پیداوار کا اندازہ دھنگروں کی امداد سے لگایا گیا ہے۔

۱۹۔ ہمارے جمع کردہ اعداد کے مطابق تمہارے دیہات میں جملہ (۶۸۰) مینڈھے اور مینڈیاں ہیں۔ کیا تم یہ اندازہ لگا سکتے ہو کہ ان جانوروں سے ماہانہ کسقدر مینگنی حاصل ہوگی۔ یہ فرض کرتے ہوئے اندازہ لگاؤ کہ رات اور دن کی مینگنی جمع کی جارہی ہے۔

۲۰۔ بتلاؤ کہ تمہارے جانوروں کو سال میں تقریباً کتنے دن کھیتوں میں چرنے کا موقع ملتا ہے۔ باقی دنوں میں تمہارے جانور کہاں چرتے ہیں۔

۲۱۔ تمہاری اکثر راتیں جنگل میں گزرا کرتی ہیں۔ اس وقت مینگنی کے جمع کرنے کا کیا انتظام کرتے ہو۔

۲۲۔ ایک خاندان کو (جو اوسطاً پانچ افراد پر مشتمل ہو) اگر ایندھن کی ایک بھری بنڈی دی جائے تو وہ اسکو کتنے عرصہ میں جلائیگا۔

۲۳۔ تمہارے قرب وجوار میں جنگلات کہاں ہیں۔

۲۴۔ تمہیں لکڑی کی ایک بھری بنڈی کتنے میں دستیاب ہوتی ہے۔

۲۵۔ تمہارے دیہات میں گوبر کی کھاد کس قیمت میں فروخت ہوتی ہے۔

نوٹ:۔ گدھوں سے حاصل ہونے والی لید کا اندازہ دھوبیوں سے کروایا گیا ہے۔ جہاں تک ہوسکے اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ اندازہ ٹھیک ہو۔

۲۶۔ تمہارے دیہات میں ۳۵ گدھے اور دو گھوڑے ہیں۔ اندازہ لگاؤ کہ ان سے فی رات کسقدر لید حاصل ہوگی۔ اسی اندازے کے مطابق بتلاؤ کہ ان سے ماہانہ کسقدر لید حاصل ہوگی۔

۲۷۔ تمہارے دیہات میں تخم عموماً کس طور پر حاصل کئے جاتے ہیں۔

۲۸۔ کیا تمہارے دیہات میں بہتر قسم کے تخم استعمال کرنیکی کوشش کی جاتی ہے۔

۲۹۔ تمہارے ہاں تخم کی حفاظت کے کیا طریقے ہیں۔

۳۰۔ جو تخم کہ ساہوکاروں سے بطور قرض حاصل کئے جاتے ہیں کس نوعیت کے ہوتے ہیں۔

ساتویں فصل

زرعی پیداوار کا مواد پٹواری کے دفتر سے حاصل کیا گیا ہے۔ مختلف اجناس کی پیداوار فی ایکڑ معلوم کرنے میں تجربہ کار کسانوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ موضع میں فروخت پیداوار کا مواد مندرجہ ذیل سوالات کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہے۔

۱۔ اندرون دیہات کس قسم کی چیزیں فروخت کرتے ہو۔

۲۔ ہفتہ واری بازاروں میں کس قسم کی چیزیں فروخت کی جاتی ہیں۔

۳۔ مقامی اور بازاری قیمتوں میں کیا فرق ہوتا ہے۔

۴۔ تمہارے دیہات میں کس قسم کے اوزان و پیمانے مستعمل ہیں۔ ان کا مفصل حال بیان کرو۔

۵۔ کیا تمہارے قرب وجوار میں کوئی باضابطہ منڈی بھی ہے۔

۶۔ تجارتی اجناس (وہ اجناس جو زیادہ تر فروخت کرنے کی خاطر اگائی جاتی ہیں) کہاں فروخت کی جاتی ہیں۔

۷۔ تمہارے دیہات میں حمل ونقل کی کیا سہولتیں ہیں۔ حمل ونقل کے اخراجات کا مفصل حال بیان کرو۔

۸۔ اگر پیداوار کو مقامی طور پر فروخت کرنے کے بجائے مارکٹ میں فروخت کیا جائے تو کیا منافع مل سکتا ہے۔

۹۔ تمہارے دیہات کا زیادہ مال مقامی طور پر فروخت ہوتا ہے یا مارکٹ میں۔

۱۰۔ مقامی طور پر مال کی خریدی کون کرتے ہیں۔

۱۱۔ فروخت پیداوار کی حد تک ساہوکاروں سے تمہارا کیا تعلق ہوتا ہے۔ مفصل واقعات بیان کرو۔

۱۲۔ نوٹ:۔ فروخت پیداوار کا مواد نہ صرف مقامی طور پر حاصل کیا گیا ہے بلکہ ضلع نظام آباد کی مارکٹ سے بھی بہت کچھ مواد لیا گیا کہ وہاں پر مختلف اجناس کی فروخت کیونکر عمل میں آتی ہے اوزان کس قسم کے ہوتے ہیں تولنے کا کیا طریقہ ہے۔ اجرت فروخت کیونکر لی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

آٹھویں فصل

جدول نمبر (۸)

مقروضیت کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل جدول کی خانہ پوری کی گئی۔

نمبر مکان	تعداد خاندان	جملہ تعداد نفوس	مذہب	پیشہ		ساہوکار جسسے قرض لیا گیا			مقدار قرضہ		ذاتی آبائی یا مخلوط	میعاد قرض	وجہ قرض	شرح قرض	کفالتی یا غیر کفالتی
				اصلی	ذیلی	نام	مذہب	سکونت	جنسی	رقمی					
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۳	۱۵	۱۶

ایک تا سات خانوں کی تکمیل قبل از قبل کر لی جاتی تھی کیوں کہ یہ مواد جدول نمبر (١) سے حاصل ہو سکتا تھا۔ ان خانوں کا اندراج محض سہولت کی خاطر کیا گیا ہے۔ صرف نمبر مکان ڈال دینا کافی نہ تھا۔ اس جدول کے ذریعہ حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔

١۔ موضع میں جملہ کتنے خاندان ہیں۔ ان خاندانوں میں مقروض کتنے ہیں اور غیر مقروض کتنے۔ اوسط قرضہ فی خاندان کیا ہے۔ اسی طرح اوسط قرضہ فی مقروض خاندان بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

٢۔ فی کس قرض کا بار بھی اسی کے ذریعہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔

٣۔ بلحاظ مذہب قرض کی تقسیم بھی اس کے ذریعہ کی جا سکتی ہے۔

٤۔ قرض کا پیشہ وارانہ تجزیہ بھی اس کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔

٥۔ نیز یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ موضع ہذا میں جملہ کتنے ساہوکار قرض دیتے ہیں۔ بلحاظ مذہب ان کی کیا تقسیم ہے۔ ان ساہوکاروں میں مقامی کتنے ہیں اور غیر مقامی کتنے۔

٦۔ مزید برآں یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فی آسامی کتنے مختلف ساہوکاروں کا قرض دار ہے۔

٧۔ قرض کی جنسی اور رقمی تقسیم بھی اسی کی مدد سے کی جاتی ہے۔

٨۔ یہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ قرض میں ذاتی قرضہ کس قدر ہے۔ آبائی کس قدر اور مخلوط کس قدر۔

٩۔ خانہ نمبر (١٣) کے ذریعہ مختلف قرضوں کی مدت معلوم کی جا سکتی ہے۔

١٠۔ پیداوار اور غیر پیداوار قرضہ کا مواد خانہ نمبر (١٤) سے لیا جا سکتا ہے۔

١١۔ پندرھویں خانہ سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ موضع ہذا کن کن شرحوں پر قرضے دیئے جاتے ہیں جملہ قرضہ میں کس کس قدر قرضہ کس کس شرح پر دیا گیا ہے۔

١٢۔ سولھویں خانے سے کفالتی اور غیر کفالتی۔ سودی اور غیر سودی (قرضۂ حسنہ) قرضہ کا مواد لیا جا سکتا ہے۔

نوٹ: ۔ مواد کی فراہمی میں صرف اسامیوں کے بیان پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ ساہوکاروں کے بھی باضابطہ بیانات قلم بند کئے گئے۔ مزید برآں بڑے بڑے ساہوکاروں کے (موضع دد ہلی کی حد تک) کھاتہ جات کے نقول بھی حاصل کئے گئے۔ ساہوکاروں اور رعایا کے مواد کی مطابقت سے صحیح حالات پیش کئے گئے ہیں۔

واضح رہے کہ ساہوکاروں کے مواد حاصل کرنے کی خاطر عہدہ داران مال کی امداد حاصل کی گئی ہے۔ رعایا کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے محقق نے مختلف تدابیر اختیار کئے۔

مثلاً تحقیقات کے دوران میں محقق دھوتی باندھ کر رہا کرتا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ بعض لوگ اس چیز کو بیکار تصور کریں۔ لیکن محقق کی رائے میں رعایا کو ہم خیال بنانے کے لئے

یہ ایک اہم چیز تھی ہمارے دیہاتیوں کی یہ ذہنیت ہے کہ جب کبھی وہ کسی شخص کو عمدہ لباس میں دیکھتے ہیں تو یقینی طور پر اسکو ایک عہدہ دار تصور کرنے لگتے ہیں اور اس کے قریب نہیں آتے۔ دھوتی ان کا لباس ہے اور وہ دھوتی پہننے والے کو اپنا تصور کرتے ہیں انہیں مانوس کرنے کیلئے اس ترکیب کے علاوہ روزآنہ شام میں پٹرومکس سلگایا جاتا تھا جو تقریباً تمام دیہاتیوں کیلئے ایک نئی چیز تھی۔ مزید برآں ہر روز شام میں تلنگی ریکارڈ بھی سنائے جاتے تھے۔ تلنگی ریکارڈ بطور خاص دیہاتیوں کی خاطر لائے گئے تھے کیونکہ تلنگی وہاں کی عام زبان ہے۔

پٹرومکس کی روشنی اور تلنگی ریکارڈوں کی آواز دیہاتیوں کو ان کے مکانات سے اسطرح کھینچ لاتی تھی جس طرح لوہے کو مقناطیس کھینچتا ہے۔ ادھر پٹرومکس روشن ہوا اور ریکارڈ کی آواز گونجنے لگی اور ادھر دیہاتی کشاں کشاں چاوڑی (جسمیں محقق مقیم تھا) میں آموجود ہوتے۔ نو ساڑھے نو بجے تک چاوڑی کا صحن بالکل بھر جاتا تھا۔ اب محقق کا اختیار تھا کہ جو چاہے ان سے پوچھے اور جو چاہے سمجھائے!!!

دیہاتیوں کو اپنا بنانے کیلئے روزآنہ دو ایک آنے کا تمباکو بھی صرف کیا جاتا تھا۔ دیہاتی چٹا پلانے والے کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔

ان تدابیر کے ذریعہ محقق کو مواد کے فراہم کرنے میں غیر معمولی سہولت ہوئی۔ اور اب وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اس نے ہر قسم کا مواد بہت ہی باوثوق طور پر فراہم کیا ہے۔ ہر محقق کی (اگر وہ اس موضع کا باشندہ نہیں جہاں کی وہ تحقیق کر رہا ہے) اولین کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ وہ رعایا کو اس امر کا یقین دلائے کہ وہ جو کچھ بھی دریافت کر رہا ہے ان کی فلاح اور ان کی بہبود کے لئے ہے۔ جب تک ایسا نہ کیا جائے صحیح مواد نہیں فراہم کیا جا سکتا۔

بیان نمبر (۱)

مسمی شوا کی خاندانی تاریخ سے متعلق اس کے پڑپوتے مسمی بینکا (معمر ۶۵ سال کا بیان)

"میرے پڑدادا مسمی شوا کو چار بیٹے ـــــ گڈ کا۔ دھرمیا۔ چھوٹا شوا اور لچھما ـــ تھے بڑے شوا کے انتقال کے بعد گڈ گا اور دھرمیا چند نا معلوم وجوہ کی بنا، پر دیہات چھوڑ کر چلا گئے اور پھر واپس نہ ہوئے لہذا بڑے شوا کی زمین اسکے دو بیٹوں (یعنی چھوٹا شوا اور لچھما) میں تقسیم ہوئی۔

چھوٹے شوا کو دو بیٹے ہوئے۔ ایک کا نام پربھا تھا اور دوسرے کا بوریکا۔ پربھا میرا باپ تھا۔ میرے اور دو بھائی تھے ایک کا نام لچیکا تھا اور دوسرے کا ابوگا۔ میرے چچا یعنی بوریکا کو صرف ایک لڑکا ہے۔ اس لڑکے کا نام بھی لچیکا ہے۔

مجھے ایک لڑکا ہے اس لڑکے کا نام گنگیا ہے۔ میرے بھائی کی ایک لڑکی جوگو ابی اس وقت موجود ہے میرے دوسرے بھائی لچیکا کے دو بیٹے ہیں ـــ اسیم ابوگا اور بوتا لچما۔ میرے چچا زاد بھائی لچیکا کی ایک لڑکی لچھمی موجود ہے۔ چھوٹے شوا کے اس وقت پانچ وارث ہیں ـــــ اسیم ابوگا۔ بوتا لچھما۔ جوگو ابی۔ لچھمی اور میں

یہ تو چھوٹے شوا کے حق دار جہاں تک کہ چھوٹے شوا کے بھائی لچھما کا تعلق ہے اسکو دو بیٹے ہوئے۔ لنگا اور راجا۔ لنگا کے بطن سے دھرما اور لچھما پیدا ہوئے۔ راجا کا بیٹا پڈمٹ پوچیکا ہے۔ دھرما کا ایک لڑکا پوچیکا اس وقت موجود ہے۔ لچھما کو ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے لڑکے کا نام لنگا ہے اور لڑکی کا نام جوگو گنڈی پڑوی اسطرح بڑے شوا کے بیٹے لچھما کے اس وقت تو حق دار ہیں۔" فقط

ابہام بینکا ولد پربھا

نوٹ:۔ زمینات کی تقسیم کا حال معلوم کرنے کیلئے سینتوار سے مدد لی گئی ہے۔ مزید برآں بھاؤرا ؤصاحب پٹواری (معمر ۶۵ سال) سے بھی بہت کچھ مواد لیا گیا۔

بیان نمبر (۲)

دھرمو کی خاندانی تاریخ سے متعلق اس کے پڑپوتے مسمی سایا ریڈی (معمر ۵۰ سال) کا بیان ہے۔

"میری پڑدادی کا نام دھرمو تھا۔ دھرمو کو تین بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک کا نام نرسا ریڈی۔ دوسرے کا چینا ریڈی اور تیسرے کا گنگا ریڈی تھا۔ نرسا ریڈی کو ایک لڑکی تولد ہوئی۔ اسکا نام بھی دھرمو تھا اس دھرمو کو بھی ایک لڑکی ہوئی۔ اس کا نام بھی دھرمو رکھا گیا۔ دھرمو فوت ہو چکی ہے لیکن اب اس کا شوہر (جو کہ اسکا وارث ہے) موجود ہے۔

نرسا ریڈی کے بھائی چینا ریڈی (ولد دھرمو کلاں) کو گنگا ریڈی نامی ایک لڑکا ہوا جواب تک بقید حیات ہے۔

ترسا ریڈی وچنا ریڈی (ولد دھرمو کلاں) کے بھائی گنگا ریڈی (ولد دھرمو کلاں) کو دو لڑکے ہوئے ایک کا نام سایا ریڈی کلاں اور دوسرے کا سایا ریڈی خورد تھا۔ سایا ریڈی کلاں کے بطن سے تین لڑکے اور ایک لڑکی ــــــ سایا ریڈی۔ گنگا ریڈی کلاں۔ گنگا ریڈی خورد اور گنگو بائی ــــــ ہے۔ سایا ریڈی کلاں کو دو لڑکے ہیں ان لڑکوں کا نام بھی سایا ریڈی کلاں اور سایا ریڈی خورد ہے۔ دھرمو کلاں کے اس وقت آٹھ حق دار۔ لنگا ریڈی گنگا ریڈی۔ سایا ریڈی۔ گنگا ریڈی کلاں۔ گنگا ریڈی خورد۔ گنگو بائی۔ سایا ریڈی کلاں اور سایا ریڈی خورد ــ ہیں۔ فقط

دستخط سایا ریڈی ولد سایا ریڈی کلاں

مویشیوں کی کارکردگی سے متعلق چند تجربہ کار کسانوں کا بیان

بیان نمبر (۳)

" ہمارے دیہات کے بیل عموماً پانچ سال میں ناگرکشی کے قابل ہوتے ہیں لیکن مجبوری کے تحت چار سال کی عمر سے کام لیا جانے لگتا ہے نتیجہ یہ کہ عموماً بیلوں کے سینے سوکھ جاتے ہیں۔ درجۂ اول کا بیل چار سال میں ناگرکشی کے قابل ہو جاتا ہے۔ دوم اور سوم درجہ کے بیل پانچ سال میں تیار ہوتے ہیں۔

درجۂ اول کا بیل نو سال کام دے سکتا ہے۔ درجہ دوم اور سوم کے بیل سات اور پانچ سال کام دیتے ہیں۔
درجہ اول کے بیلوں کی ایک جوڑ ایک دن میں ۲۰ گنٹے تری یا ۲۰ گنٹے خشکی کی ناگرکشی کر سکتے ہیں
درجہ دوم کے بیلوں کی ایک جوڑ روزانہ ۲۵ گنٹے تری یا ۱۰ گنٹے خشکی پر ناگرکشی کر سکتی ہے۔ درجہ سوم کے بیلوں کی ایک جوڑ پندرہ گنٹے تری یا ۱۰ گنٹے خشکی (فی یوم) سے زیادہ کی ناگرکشی نہیں کر سکتی۔

اگر کھلگہ (بھینسا) قوت دار ہے تو چار سال میں ناگرکشی کے قابل ہوتا ہے۔ ورنہ پانچ سال میں تیار ہوتا ہے
درجہ اول دوم اور سوم کے کھلگے (بھینسے) علی الترتیب ۹، ۷ اور ۵ سال تک کام دیتے ہیں۔
درجہ اول کے کھلگوں کی ایک جوڑ روزآنہ ۲۰ گنٹے تری یا ۲۰ گنٹے خشکی کی ناگرکشی کر سکتی ہے۔ درجۂ دوم کے کھلگے روزآنہ ۱۵ گنٹے تری یا پندرہ گنٹے خشکی کی ناگرکشی کر سکتے ہیں۔ درجہ سوم کے کھلگے (ایک جوڑ) روزانہ دس گنٹے تری یا دس گنٹے خشکی سے زاید کی ناگرکشی نہیں کر سکتے۔

ہمارے دیہات کی گائیں عموماً پست قامت اور دبلی ہوتی ہیں۔ عام طور پر ان کا دودھ نہیں دھویا جاتا بلکہ پاڑوں کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں کی درجہ اول کی گائے روزآنہ سوا سیر سے زاید دودھ نہیں دے سکتی۔ درجہ دوم کے گائیں صبح میں پاؤ سیر اور شام میں ڈیڑھ پاؤ دودھ دیتی ہیں۔ درجہ سوم کی گائے صرف شام میں پاؤ سیر دودھ دیتی ہے۔
درجہ اول کی گائے چار سال میں بچہ دینے کے قابل ہوتی ہے۔ درجہ دوم وسوم کی گائیں پانچ سال میں اس قابل ہوتی ہیں۔ ہمارے دیہات میں درجہ اول دوم اور سوم کی گائیں بالترتیب ۱۲۔ ۱۱۔ اور ۱۰ سال کی عمر تک بچے دیتی رہتی ہیں۔ اپنی زندگی میں علی الترتیب ۵۔ ۴ اور تین بچے دیتی ہیں۔

بھینسیں دودھ حاصل کرنے کی خاطر رکھی جاتی ہیں۔ ہمارے دیہات میں درجہ اول کی بھینسیں صبح ایک سیر اور شام ڈیڑھ سیر دودھ دیتی ہے۔ درجہ دوم کی بھینس صبح تین پاؤ اور شام میں ایک سیر دودھ دیتی ہے۔ درجہ سوم کی بھینس صبح آدھ سیر شام تین پاؤ دودھ دیتی ہے۔

درجہ اول کی بھینس چار سال میں بچہ دینے کے قابل ہوجاتی ہے۔ دوم اور سوم درجہ کی بھینس عموماً پانچ سال میں اس قابل ہوتی ہیں۔ اول دوم اور سوم درجہ کی بھینسیں علی الترتیب ۱۲-۱۲ اور ۱۰ سال کی عمر تک بچے دیتی رہتی ہیں نہ اپنی زندگی میں بالترتیب عموماً ۶-۵ اور تین بچے دیتی ہیں۔

ہماری دانست میں بیل جب کبھی از کار رفتہ ہوجاتے ہیں تو انکو قصاب کے ہاتھوں فروخت کر دیا جاتا برعکس اسکے دبلی اور ناکارہ گائیوں کو عموماً نہیں فروخت کیا جاتا۔ اس لئے کہ گائیں جنگل میں چر چگ کر اپنا پیٹ پال لیتی ہیں۔ جب تک زندہ رہتی ہیں کچھ نہیں تو کھیتوں کیلئے کھاد بہم پہنچاتی ہیں۔ گائے چونکہ ایک مذہبی جانور ہے اس لئے بھی اسکو قصاب وغیرہ کے ہاتھوں فروخت نہیں کیا جاتا بلکہ عمر طبعی کو پہنچکر مرنے کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔" فقط

دستخط سایا ریڈی (۲) ابہام نارائن ریڈی کلاں ۱- گواہ دستخط پولیس پٹیل
ابہام جکار یڈی (۴) ابہام لولی گار گنگا ریڈی ۲- گواہ دستخط مالی پٹیل

بیان نمبر (۴)

نہر نظام ساگر کی اجرائی سے متعلق چند تجربہ کار نامندہ کسانوں کا بیان۔

"اجرائی نہر کی وجہ سے ہمیں بجائے فائدے کے نقصان ہورہا ہے۔ تر زمینات کے مقابل خشک زمینات کی کاشت میں ہمیں زیادہ منافع ملتا ہے۔ خشک زمینات کے مقابل تر زمینات کی مالگذاری بہت زیادہ لہذا تر زمینات کی کاشت میں اسقدر گنجائش نہیں ہوتی کہ مصارف پیدائش اور مالگذاری کی منہائی کے بعد قابل لحاظ آمدنی ہوسکے۔ اکثر مرتبہ یہ آمدنی اسقدر قلیل ہوتی ہے کہ اس سے مصارف پیدائش اور مالگذاری بمشکل حاصل ہوتے ہیں بعض مرتبہ تو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ہمارے لئے بہتر یہی ہے کہ ہم زیادہ تر خشک اراضیات کی کاشت کریں اور اس کے ساتھ ساتھ تھوڑی بہت تر زمینات کی بھی کاشت کیجائے۔ تر زمینات جب کہ تھوڑی ہوں تو ہم کھاد بھی کافی مقدار میں دے سکینگے اور پیداوار بھی اچھی ہوگی۔ اگر ہمیں خشک زمینات ملجائیں تو ہم تر زمینات کی کاشت سے بڑی حد تک دست بردار ہوجائیں گے" فقط

۱- دستخط سایا ریڈی (۲) ابہام جکار یڈی ۱- گواہ دستخط پولیس پٹیل
۳- ابہام لنگار یڈی (۴) ابہام لولی گار گنگا ریڈی ۲- گواہ دستخط مالی پٹیل

بیان نمبر (۵)

مسمی چنا ریڈی صاحب ساہو کا بیان ان کے لین دین سے متعلق۔

"ساہوکاری میرا آبائی پیشہ ہے میں اس دیہات کے علاوہ دیگر دیہاتوں مثلاً سوسرا، تھانہ اور رنخیل وغیرہ میں بھی قرض دیتا ہوں۔ اس دیہات کے تقریباً تمام لوگ میرے مقروض ہیں۔ صرف اس دیہات میں میرا کھاتہ ۲ ہزار سے زاید ہے۔

میرے ہاں چار کھاتے ہیں نمبر (۱) کھاتہ قدیم قرضہ جات (۲) کھاتہ متعلق لاونی۔ (۳) کھاتہ متعلق خالص قرضہ جات تمی (۴) کھاتہ بچیل۔ ان چاروں کھاتوں کا حساب علیحدہ علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ میں نے لین دین کا باضابطہ حساب و کتاب رکھنے کے لئے دو ملازم رکھے ہیں۔

قدیم قرضہ جات سے متعلق میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ انکی قسط بندی کرکے وصول کروں۔ لاونی کھاتے میں ایک روپیہ فی صد سود لگاتا ہوں اور ۶۵ روپیہ سے لاونی لیتا ہوں۔ میرے ہاں خالص سودی شرح کم سے کم ایک اور زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ فی صد ماہانہ ہے۔ سود در سود کا حساب لگاتا ہوں۔ جنسی قرض کی صورت میں سود بشکل جنس لیا جاتا ہے اگر فصل سے قبل ایک من دھان دیئے جائیں تو اختتام فصل پر ڈیڑھ من وصول کرتا ہوں۔

وصول باقی کا اندراج صرف کھاتوں میں رہتا ہے۔ آسامیوں کو رسائد وغیرہ کچھ نہیں دیتا۔ آپکی تحقیقات سے قبل قانون قرضہ کا مجھے علم نہ تھا۔ تھوڑے دنوں میں ساہوکاری لائسنس حاصل کرونگا۔ اگر مصالحتی بورڈ کے ذریعہ میرے قدیم قرضہ جات کا تصفیہ ہوسکے تو میں بخوشی راضی ہوں۔ کیونکہ اس میں خود میرا فائدہ ہے۔ آپکی ایما کے مطابق میں اپنے جملہ کھاتہ جات کے نقول دیئے ہیں۔ ان کی صحت یا عدم صحت کے متعلق میرے باقی داروں سے بھی دریافت کیا جاسکتا ہے" فقط

دستخط چنہار یڈی ساہو۔ ۱۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل۔ ۲۔ دستخط مالی پٹیل۔

بیان نمبر (۶)

مسمی کومٹی نرسملو صاحب ساہوکا بیان ان کے لین دین سے متعلق۔

"موضع ہذا میں میں لین دین کا کاروبار کرتا ہوں۔ اس دیہات میں میرا کھاتہ دو ہزار سے زاید ہے۔ میرے ہاں باضابطہ کھاتہ وغیرہ نہیں ہے۔ صرف یادداشت لکھد یتا ہوں۔

شرح سود کم سے کم ایک روپیہ اور زیادہ سے زیادہ ڈھائی فیصد وصول کرتا ہوں۔ سود در سود کا حساب لگاتا ہوں۔ جملہ قرضوں پر جنسی سود وصول کرتا ہوں۔ اگر ابتدائے فصل پر ایک روپیہ قرض دوں تو اختتام فصل پر ایک تا دو پائیلی دھان بطور سود وصول کرتا ہوں۔

کفالتی قرضہ بہت کم لئے جاتے ہیں۔ چونکہ ہم آسامیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں لہذا کفالت کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔ ہمیں آسامیوں کی جائداد سے زیادہ انکی زبان کا لحاظ ہوتا ہے مجھے ابتک کسی آسامی نے دھوکہ نہیں دیا۔ میں نے آپ کو اپنے قرضداروں سے متعلق جو فہرست دی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ آپ آسامیوں سے تصدیق فرماسکتے ہیں" فقط

دستخط کومٹی نرسملو ۱۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل۔ ۲۔ گواہ دستخط مالی پٹیل۔

بیان نمبر (۷)

مسمی کوٹی گنپتی صاحب ساہو کا بیان ان کے لین دین وغیرہ سے متعلق۔

"میں نے آج سے تقریباً ۲۵ سال قبل لین دین کا کاروبار شروع کیا۔ ابتداً میری مالی حالت اسقدر مستحکم نہ تھی۔ ایک سفالی معمولی مکان میں رہتا تھا اسوقت میرے ہاں ذاتی زمین بھی نہ تھی ساہوکاری کے ساتھ ساتھ تجارت کا بھی آغاز کیا۔ ابتداً میرے ہاں صرف ایک ملازم تھا۔

لین دین اور تجارت کیوجہ سے میری مالی حالت بتدریج ٹھیک ہوتی گئی۔ چنانچہ اب میری جائداد ۲۰-۲۵ ہزار ہے۔ میں نے ڈیڑھ ایک ہزار روپیہ کے سرمایہ سے کاروبار شروع کیا۔ اس وقت میں دو منزلہ مکان میں رہتا ہوں مکان کی قیمت تقریباً ۴ ہزار ہے۔ اس وقت میرے ہاں تقریباً ایکسوپچیس روپیہ تحصیل کی زمین ہے۔ میرے ہاں اسوقت ۱۲ ملازم ہیں۔ انکو میں سالانہ ۵۰ روپیہ تنخواہ دیتا ہوں (فی ملازم) تمام ملازم میرے باقی دار ہیں۔

میں مختلف شرحات پر قرض دیتا ہوں۔ بعض آسامیوں کو نصف لاؤنی اور نصف سود کے حساب سے قرض دیتا ہوں۔ لاؤنی پچاس فیصد کمی سے لیتا ہوں۔ یعنی یہ کہ اگر ابتدائے فصل پر قرض دیا جائے تو اختتام فصل پر تقریباً نصف قیمت سے (دی ہوئی رقم کا) غلہ خریدتا ہوں باقی نصف رقم پر ایک روپیہ سے لیکر ڈیڑھ روپیہ فیصد تک سود لگاتا ہوں۔ علاوہ ازیں بجل کے حساب سے بھی قرض دیتا ہوں۔ اگر ابتدائے فصل پر ایک روپیہ قرض دوں تو فصل کے اختتام پر ایک پائیلی دھان بطور سود وصول کرتا ہوں۔ مزید براں خالص رقمی قرضہ بھی دیتا ہوں۔ رقمی شرح سود کم سے کم دو فیصد ماہانہ اور زیادہ سے زیادہ تین فیصد ماہانہ لیتا ہوں۔

اگر آسامی واجب الوصول قرض نہ دیں تو مقدمہ دائر کرکے ڈگری حاصل کرتا ہوں۔ جب سے کہ میں نے لین دین کا کاروبار شروع کیا ہے اب تک تقریباً تیس مقدمات دائر کئے ہیں۔ سال حال میرے چار مقدمے دائر ہیں ایک مقدمہ برید پور سے متعلق ہے۔ دوسرا مام دی سے اور دو رنجل سے متعلق ہیں۔ میرے ہاں کوئی وکیل ملازم نہیں ہے۔ ہر مقدمہ کی فیس علیحدہ دیتا ہوں۔

میں نے اپنے کھاتہ کی جو نقل (متعلق موضع دوپلی) آپکو دی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اس کی تصدیق آسامیوں سے دریافت کے بعد کیجا سکتی ہے" فقط

دستخط کوٹی گنپتی ساہو ۱۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل۔ ۲۔ گواہ دستخط مالی پٹیل۔

بیان نمبر (۸)

محمد صاحب ولد اسمٰعیل صاحب ساہو کا بیان ان کے لین سے متعلق۔

"میں عموماً چلر قرضے ــــــ مثلاً ۵ - ۱۰ - ۱۵ - ۲۰ اور ۲۵ دیتا ہوں۔ اگر میں آغاز فصل پر کسی آسامی کو دو روپیہ قرض دوں تو اختتام فصل پر ایک من دھان لیتا ہوں۔ ایک من دھان کی قیمت ساڑھے تین روپیہ

لیکن تین روپیہ بارہ آنہ تک رہا کرتی ہے۔

ہمارا جوان قرض داروں سے وصولات کے وقت بھتہ بھی وصول کرتا ہے۔ بھتہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ ملازم بھتہ اپنی جانب سے وصول کرتا ہے۔ بھتہ وصول کرنے کیلئے ہماری طرف سے کوئی ہدایت نہیں ہوتی۔

میں نے اپنے کھاتے (متعلق دو پلی) کی جو نقل دی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ آپ میرے غیاب میں آسامیوں سے اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ فقط

دستخط محمد اسمعیل ساہو ۱۔ گواہ دستخط مالی پٹیل ۲۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل

بیان نمبر (۹)

مسمی رحمت شاہ صاحب ساہو کے گماشتے مسمی ونکٹیش صاحب کا بیان ان کے مالک کے لین دین کے متعلق۔

"یہ بیان میں اپنے مالک کی اجازت سے دے رہا ہوں۔ چونکہ جملہ امور مجھ سے متعلق ہیں لہذا آپ مجھ سے ہر چیز دریافت فرما سکتے ہیں۔

ہم خالص رقمی قرضہ کم سے کم ایک روپیہ فیصد ماہانہ اور زیادہ سے زیادہ تین فیصد ماہانہ کے حساب سے دیتے ہیں۔ لاؤنی چالیس روپیہ کھنڈی کے حساب سے لیتے ہیں۔ فقط

دستخط ونکٹیش گماشتہ رحمت شاہ ساہو ۱۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل۔ ۲۔ گواہ دستخط مالی پٹیل

نوٹ:۔ مذکورہ ساہوکاروں کے علاوہ حسب ذیل ساہوکاروں کے بیانات بھی قلمبند کئے گئے۔ مزید برآں ان کے کھاتہ جات کے نقول بھی حاصل کئے گئے۔

۱۔ سالے آشینگا ولد دیوتا ۲۔ سالے راجیا ولد دیوتیا ۳۔ ترسما ولد بھیما۔ ۴۔ راج رام ولد چنیا ۵۔ راج رام ولد نگوجی ۶۔ سنار ٹھمائی ۷۔ سنار نرہری

واضح رہے کہ یہ تمام ساہوکار چلر قسم کے ہیں جو عموماً چھوٹی رقمیں قرض دیتے ہیں۔

بیان نمبر (۱۰)

حصول قرضہ کے ذرائع سے متعلق چند نمائندہ کسانوں کا بیان۔

"ہمارے دیہات میں حصول قرض کا سب سے بڑا ذریعہ ساہوکار ہیں۔ سرکاری انجمن کے ذریعہ بھی قرض ملتا ہے لیکن اس کی مقدار بہت ہی محدود ہے۔ انجمن کے قیام سے ہماری دقتوں میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوئی۔ ہمارے لئے انجمن کا وجود اور عدم وجود دونوں برابر ہیں۔ تقاوی پر بھی رقمیں بطور قرض ملتی ہیں۔ لیکن اس کی مقدار بھی بہت محدود ہوتی ہے۔ ساہوکار اس میں شک نہیں کہ ہم سے زیادہ شرح پر سود وصول کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں جب کبھی بھی قرض کی ضرورت پڑتی ہے تو دینے سے قطعی انکار نہیں کرتے۔ سو روپیہ طلب کئے جائیں تو پچاس ضرور دئیے جاتے ہیں۔ شادی بیاہ کیلئے ساہوکار ہی ہماری مدد کرتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو ہمارے معاملات ٹس سے مس

نہ ہوسکیں فقط ۱۔ ابہام گو گو صاحب ۲۔ ابہام لولی گار گنگا ریڈی ۳۔ ابہام کہیا
۴۔ ابہام پاین صاحب ۵۔ ابہام کونیر نرسملو ۶۔ ابہام کونیر راجیا

بیان نمبر (۱۱)

مانک گنگیا ولد جلیا کا بیان اس کے قرضے سے متعلق۔

"میں نے ساہوکار رحمت شاہ ساکن رنجل سے (امرداد ۱۳۴۷ف) بیس روپیہ قرض حاصل کئے ساہوکار سے وعدہ کیا کہ بیس روپیوں میں سے دس روپیوں کے دھان بحساب دو روپیہ من فروخت کرونگا جب کہ دھان کا بازاری نرخ تین روپیہ آٹھ آنہ من رہتا ہے۔ باقی دس روپیوں پر فی روپیہ ایک پائیلی دھان کے حساب سے ہر فصل ادا کرونگا۔" فقط

بیان نمبر (۱۲)

ڈبو پوجی کا بیان اس کے قرضے سے متعلق۔

"میں نے رحمت شاہ ساہو ساکن رنجل سے گذشتہ فصل تابی (۱۳۴۷ف) کی تحصیل پر چودہ روپیہ قرض حاصل کئے۔ قرض کی ادائی اس طور پر قرار پائی کہ چودہ روپیوں میں سے آٹھ روپیہ کے دھان چالیس روپیہ کھنڈی کے حساب سے فروخت کئے جائیں جب کہ ایک کھنڈی کا بازاری نرخ پچہتر روپیہ ہوتا ہے باقی چھ روپیوں پر فی روپیہ ایک پائیلی کے حساب سے چھ پائیلی دھان دیئے جائیں۔" فقط

ابہام ڈبو پوجی گواہ۔ دستخط پولیس پٹیل۔ گواہ۔ دستخط مالی پٹیل

بیان نمبر (۱۳)

بھنڈا ربوگا کا بیان اس کے قرضے سے متعلق۔

"میں نے گذشتہ فصل آبی (۱۳۴۶ف) پر محمد صاحب ساہو ساکن ڈبلی سے دس روپیہ قرض حاصل کئے وعدہ کیا کہ آئندہ فصل یعنی فصل تابی (۱۳۴۶ف) پر دس روپیہ کی ادائی میں پانچ من دھان فی من دو روپیہ کے حساب سے فروخت کرونگا جب کہ دھان کا بازاری نرخ تین روپیہ آٹھ آنہ رہتا ہے۔" فقط

ابہام بھنڈا ربوگا ۱۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل ۲۔ گواہ دستخط مالی پٹیل

بیان نمبر (۱۴)

سائبنگا بکوڑ کا بیان اسکے قرضہ سے متعلق۔

"میں نے کومٹی نرسملو ساہو ساکن دوپلی سے تین سال قبل پانچ روپیہ بطور قرض حاصل کئے۔ شرح سود فی روپیہ دو پائیلی دھان (ہر فصل پر) قرار پائی۔ اگر میں اس فصل آبی (۱۳۴۷ف) پر سود ادا کروں تو تین سال پورے ہوجاتے ہیں۔ قرض لینے کے بعد اب تک ہر فصل پر دس پائیلی بطور سود دیتا چلا آرہا ہوں۔ پانچ روپیوں کی

ادائی ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ سو کے دھان اپنی پائیلی سے ناپ کرلیتا ہے۔ یہ پائیلی نمبری پائیلی کے مقابل اوہ سیر زیادہ ہوتی ہے۔ مجھے مجبوراً اس پائیلی سے ناپ کر دینا پڑتا ہے" فقط

ابہام سائیگا بکوڑ ا۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل ۲۔ گواہ دستخط مالی پٹیل

بیان نمبر (۱۵)

پلا گنگیا ولد گنگیا کا بیان اس کے قرض سے متعلق

"میں آج سے تقریباً چار سال قبل کوٹمی نرسلو ساہو سے چھ روپیہ دھنمڑی کی اجکٹ بندی کیلئے حاصل کئے شرح سودنی روپیہ دو پائیلی دھان (ہر فصل پر) قرار پائی۔ میرے قرض کا سلسلہ ابتک جاری ہے۔ ہر سال مجھ سے جسقدر دھان ہوسکے سود میں ادا کرتا چلا آرہا ہوں۔ ابھی اصل کی ادائی نہیں ہوئی" فقط

ابہام پلا گنگیا ا۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل ۲۔ گواہ دستخط مالی پٹیل

بیان نمبر (۱۶)

نانیا ولد سائنا کا بیان اس کے قرضے سے متعلق۔

"میں نے آج سے آٹھ سال قبل نرسما سے دس روپیہ قرض حاصل کئے۔ تیس تولہ چاندی کی چیزیں بطور کفالت رکھوایا۔ شرح سود دس روپیہ کو چار آنہ ماہانہ قرار پائی۔ اس حساب سے برابر آٹھ سال سے سود ادا کرتا چلا آرہا ہوں۔ مجھے بہ یک وقت دس روپیہ نہیں ملتے تاکہ چیز چھڑا سکوں" فقط

ابہام نانیا ا۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل ۲۔ گواہ دستخط مالی پٹیل

بیان نمبر (۱۷)

"میں نے اپنی خواہش و رضامندی سے مولوی محمد ناصر علی صاحب کے ذریعہ اپنے حسب ذیل آسامیوں کے قدیم قرضوں کا تصفیہ کروالیا ہے۔

ا۔ لولی گار گنگا ریڈی ولد نرسیا ساکن دوپلی۔ ۲۔ پیاٹا سائیبو ولکنا ساکن دوپلی ۳۔ راماگوڑ ساکن دوپلی

مندرجہ بالا آسامیوں اور میرے مابین صاحب موصوف نے جو تصفیے کیا ہے ان میں کا کوئی تصفیہ نہ تو میرے حق میں کسی طرح نقصان دہ ہے اور نہ کسی آسامی کے حق میں۔ دیگر قدیم قرضہ جات کا تصفیہ بھی اگر اسی طور پر ہوسکے تو فریقین کیلئے باعث سہولت ہوگا۔ فقط

دستخط کوٹمی نرسلو ساہو ا۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل ۲۔ گواہ دستخط مالی پٹیل۔

بیان نمبر (۱۸)

"میں نے اپنے آسامی کمی بکیا کے قدیم قرضہ کا تصفیہ مولوی محمد ناصر علی صاحب کے ذریعہ اپنی خوشی و رضامندی سے کروالیا ہے" فقط

دستخط کوٹمی گنیتی ساہو ا۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل ۲۔ گواہ دستخط مالی پٹیل۔

بیان نمبر (۱۹)

"میں نے محمد ناصر علی صاحب سے اس امر کی خواہش کی کہ وہ میرے آسامی اوتم پر بھاکے قدیم قرضے کا بھی تصفیہ کردیں جسطرح کہ انہوں نے دیگر آسامیوں کے مابین کیا ہے۔" فقط

ابہام سنار جھمائی ساہو ۱۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل ۲۔ دستخط گواہ مالی پٹیل

بیان نمبر (۲۰)

"میں نے اپنے آسامی لنگاریڈی کے قدیم قرضہ کا تصفیہ مولوی محمد ناصر علی صاحب کے ذریعہ کروالیا ہے۔ صاحب موصوف نے جس طور پر تصفیہ کیا ہے اور جس قسم سے اقساط بندی کی ہے وہ فریقین کے منافی نہیں۔" فقط

دستخط سنار نرہری ساہو ۱۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل ۲۔ گواہ دستخط مالی پٹیل۔

بیان نمبر (۲۱)

"میں نے محمد ناصر علی صاحب کے ذریعہ اپنے آسامی مسمی پابن صاحب کی زمین کا تصفیہ کروالیا ہے۔ اگر اسی قسم کے تصفیے دیگر قدیم قرضہ جات سے متعلق بھی ہوسکیں تو یہ چیز نہ صرف ساہوکاروں بلکہ آسامیوں کے حق میں بھی باعث سہولت ہوگی۔" فقط دستخط چنا ریڈی ساہو گواہ دستخط پولیس پٹیل گواہ دستخط مالی پٹیل

بیان نمبر (۲۲)

"میں نے مولوی محمد ناصر علیصاحب کے ذریعہ اپنے آسامی نانیا کے قدیم قرضہ کا تصفیہ کروالیا ہے صاحب موصوف کے تصفیہ کے مطابق میں نے اپنی خوشی و رضامندی سے مسمی مذکور کی رہنی اشیا واپس کردیئے ہیں۔ اور اپنا قرضہ یکمشت بے باق کرلیا ہے۔" فقط

ابہام سالے نرسا ولد بھیمیا ساہو۔ ۱۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل ۲۔ گواہ دستخط مالی پٹیل

بیان نمبر (۲۳)

"میں نے اپنی خوشی و رضامندی سے اپنے آسامی پچھا ولد دیوگا کے قرض کا تصفیہ مولوی محمد ناصر علیصاحب کے کروالیا ہے۔" فقط ابہام سالے راجیا ساہو۔

بیان نمبر (۲۴)

"میں نے مولوی محمد ناصر علی صاحب کے ذریعہ اپنے حسب ذیل آسامیوں کے قدیم قرضوں کا تصفیہ کروالیا ہے۔" فقط

۱۔ مسمی سائی ۲ گیننے الوگا ۳۔ گنیگیا ۴۔ اندو رٹھی ۵۔ بیگاری پلیگا ۶۔ کنڈو۔ پوچینگا۔ ۷۔ کمار کا بیگا۔ دستخط راج رام ولد نگوجی ساہو۔ ۱۔ گواہ دستخط پولیس پٹیل ۲۔ دستخط مالی پٹیل

بیان نمبر (۲۵)

"میں نے اپنی خواہش سے اپنے دو آسامیوں یعنی سند رنڑلی اور ادب دیوی کے قدیم قرضوں کا تصفیہ مولوی

ناصر علی صاحب کے ذریعہ کروالیا ہے۔" فقط دستخط راج رام ولد چنیا ساہو۔ اگواہ دستخط پولیس پٹیل۔ اگواہ دستخط مالی پٹیل

نوٹ:۔ محقق نے اپنے قیام (۱۰ یوم) کے دوران میں حسب صراحت ذیل ۸ ساہوکاروں اور ۱۸ آسامیوں کے مابین قدیم قرضہ جات کا تصفیہ کیا ہے۔

نام ساہوکار	نام باقی دار	نام ساہوکار	نام باقی دار
۱۔ چنا ریڈی	۱۔ بابن صاحب	۸۔ راج رام ولد نگوجی	۱۰۔ سائی
۲۔ سائے راجیا	۲۔ یرا لچھمیا	" "	۱۱۔ گینے ابوگا
۳۔ سائے نرسا	۳۔ نانیا	" "	۱۲۔ گینے گنگیا
۴۔ سنہار لچھمائی	۴۔ اوشم پربھا	" "	۱۳۔ اندور لچھمی
۵۔ سنار نرہری	۵۔ لنگاریڈی	" "	۱۴۔ بیگاری یلیگا
۶۔ کومٹی نرسلو	۶۔ لولی گار گنگاریڈی	" "	۱۵۔ کنڈور پوچیگا
" "	۷۔ بیاٹا سائلو منع مگا	" "	۱۶۔ کمار کاسیگا
" "	۸۔ راما گوڑ	۹۔ راج رام ولد چنیا	۱۷۔ سندر نرلی سائب
۷۔ کومٹی گنپتی	۹۔ بکیا	" "	۱۸۔ ادب دیوی

مندرجۂ صدر تمام تصفیہ فریقین کی خواہش کی بناء پر کئے گئے ہیں۔ تصفیہ کے وقت پولیس پٹیل اور مالی پٹیل کو ساتھ رکھا جاتا تھا۔ مزید برآں بعض معتبر آسامیوں سے بھی رائے لی جاتی تھی۔

تصفیہ سے قبل آسامی سے یہ دریافت کیا جاتا تھا کہ اُس نے کب اور کسقدر قرض کس شرح پر حاصل کیا۔ حصول قرض کے بعد اصل یا سود کی ادائی کیونکر اور کسقدر عمل میں آئی۔ مقروض کے بیان کی تصدیق ساہوکار سے کیجاتی تھی۔ اختلاف بیان کی صورت میں ان افراد سے مدد لیجاتی تھی جو فریقین کے حالات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ بعد ازاں فریقین کو تصفیہ کی شکل بتائی جاتی تھی۔ جب کہ طرفین کی رضامندی سے تصفیہ قطعی قرار پاتا تو مقروض کی جانب سے ایک کاغذ ساہوکار کو لکھوا دیا جاتا اور ساہوکار کی جانب سے مقروض کو لکھوا دیا جاتا۔ اس کاغذ میں اور ضروری امور کی صراحت کے علاوہ اس امر کی بھی وضاحت کی جاتی تھی کہ طرفین سختی کے ساتھ اس تصفیہ کی پابندی کرینگے۔

محقق نے جس طور پر تصفیہ کئے وہ اسقدر پسند کئے گئے کہ تقریباً ہر قدیم مقروض نے اس امر کی خواہش شروع کر دی کہ اسکے قرض کا کوئی مناسب تصفیہ کر دیا جائے۔ خود ساہوکار بھی اس تحریک سے متفق تھے۔

محقق کے پاس نہ تو اسقدر وقت تھا اور نہ وہ تصفیوں کی خاطر دیہات میں مقیم تھا۔ لہٰذا اس کام کو مجبوراً بند کر دینا پڑا۔

فہرست ساہوکاران جو موضع ڈوپلی میں قرض دیتے ہیں۔

سلسلہ نشان	نام ساہوکار	ذات	مقام سکونت
۱	چنا ریڈی	موٹرواڑ	ڈوپلی
۲	نرسملو	کومٹی	″
۳	سالے راجیا	جلاہا	″
۴	سالے نرسما	″	″
۵	سالے آشنا	″	″
۶	سنار چھمائی	سنار	″
۷	سنار نرہری	″	″
۸	گنپتی	کومٹی	رنجل
۹	رحمت شاہ	مسلمان	″
۱۰	محمد صاحب	″	یڑپلی
۱۱	خانصاحب	″	نظام آباد
۱۲	میگسو	لمباڑا	سدمل
۱۳	یرکل	یرکل	خانہ بدوش
۱۴	گنگا بالیا	کومٹی	نظام آباد
۱۵	راج رام ولد نگوجی	-	دھرگل
۱۶	راج رام ولد جنیا	-	″
۱۷	گوملر لنگا	-	الکنڈہ
۱۸	گنڈلہ ترسیا	-	″
۱۹	سندر شیوا	کومٹی	نظام آباد
۲۰	سوما لنگم	-	-
۲۱	لکارم لنگیا	-	-
۲۲	ابو	جلاہا	منگل پہاڑ

دیہاتی اور ان کی شیطان پرستی

بیان نمبر (۲۶)

راجیا کا بیان۔

"میرے لڑکے پوتیا کو آٹھ یوم سے بخار آرہا تھا۔ میں نے اپنے ہمسایوں کے کہنے پر "جیٹا میدا آلو" ——— ایک قسم کا فال دیکھا ——— الو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ میرے لڑکے پر شیطان کا اثر ہے اور بخار اسی وجہ سے آرہا ہے۔ لہذا شیطان کو دور کرنے کی خاطر میں نے ایک بکرا اسکے نام ذبح کیا جیٹا میڈ الو دیکھنے کا یہ طریقہ ہے تھوڑی سی جگہ کو صاف کر کے گوبر سے تین مرتبہ لیپا جاتا ہے۔ لیپی ہوئی جگہ کے وسط میں ایک سیر دھان ڈالے جاتے ہیں۔ ایک لوٹے میں باؤلی کا تازہ پانی بھر کر اس کو دھان پر رکھ دیا جاتا ہے۔ لوٹے۔ سوپ۔ اور آدمی کو ٹیکا لگانے کے بعد سوپ کے سامنے چراغ روشن کیا جاتا ہے اور گگل ایک خوشبو دار چیز کی دھونی دیجاتی ہے۔ دوسرا شخص سوپ کے سامنے بیٹھکر اس شخص کے پاؤں پڑتے ہوئے یہ کہتا ہے ——— اگر شیطان کا اثر ہے تو تو دائیں جانب پھر اگر شیطان نہیں ہے تو سیدھی جانب پلٹ۔

اس کے بعد وہ شخص غیر ارادی طور پر پلٹ جاتا ہے۔ اگر دائیں جانب اسکا رُخ ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ شیطان کا اثر ہے اور اگر سیدھی جانب پلٹ گیا ہے تو جاننا چاہیئے کہ شیطان کا اثر نہیں ہے"۔ فقط

ابہام راجیا

نوٹ:۔ تلنگی میں جیٹا سوپ کو کہتے ہیں۔ میدا کے معنی اوپر کے ہیں۔ الو یعنی فال جیٹا میدا الو سے مراد وہ فال ہے جو سوپ کے اوپر دیکھا جائے۔

بیان نمبر (۲۷)

کنڈو۔ پوچیگا کا بیان۔

"میری لڑکی کو بخار آرہا تھا۔ میں نے پوت راج سے فال دیکھنے کیلئے کہا۔ پوت راج نے کہا کہ میری والدہ (جو فوت ہوگئی تھی) شیطان بن کر میری لڑکی کو لپٹ گئی ہے۔ جب تک اس کے نام پر بکرا نہ ذبح کیا جائے بچی کا بخار کم نہ ہوگا۔ لہذا میں بکرا ذبح کرنے پر مجبور ہوگیا۔ پوت راج فال دیکھنے کیلئے کچھ معاوضہ نہیں لیتا

نوٹ:۔ دیہات میں فال دیکھنے والے دو اشخاص ہیں۔ ایک شخص ہاتھ پر کنکریں ڈالکر فال دیکھتا ہے۔ دوسرا شخص فال دیکھنے کے لئے ہاتھ کو بالشت سے ناپتا ہے۔

بیان نمبر (۲۸)

آلور گنگاریڈی کا بیان۔

"میرے بیل کو گالی کی بیماری ہوگئی تھی۔ میں نے پرکل (ایک فال دیکھنے والی) سے اسکا سبب دریافت کیا۔ اس نے فال دیکھکر کہا کہ میرے بیل پر شیطان کا اثر ہے۔ اسکو دور کرنے کیلئے شیطان کے نام پر بکرا ذبح کیا جانا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے ایک بکرا ذبح بھی کیا۔ لیکن اس کے باوجود بیماری کم نہ ہوئی۔" فقط

ابہام آلور گنگا ریڈی گواہ دستخط راج ریڈی پولس پٹیل۔ گواہ دستخط ہنمان لو مالی پٹیل

بیان نمبر (۲۹)

پلے پوچیگا کا بیان۔

"میرے بیل کو یکایک پائخانے شروع ہوگئے تھے۔ میرے پڑوسیوں نے کہا کہ اسکو شیطان کا اثر ہوگیا ہے میں نے شیطان کے اثرات کو دور کرنے کی خاطر ایک بکرا ذبح کیا۔ چار دن بعد میرا بیل ٹھیک ہوگیا۔" فقط

ابہام بدی گا کلاں۔ گواہ دستخط راج ریڈی پولس پٹیل گواہ دستخط ہنمان لو مالی پٹیل

بیان نمبر (۳۰)

پلے پوچیگا کا بیان۔

"میرے کھلگے (بھینسے) کو پائخانے ہونے لگے۔ پوت راج سے فال دیکھنے کے لئے کہا۔ فال دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ شیطان کا اثر ہے۔ پوت راج کی رائے کے مطابق میں نے ایک بکرا شیطان کے نام ذبح کیا۔ پانچ چھ یوم بعد میرا کھلگا (بھینسا) ٹھیک ہوگیا۔" فقط ابہام پلے پوچیگا گواہ دستخط راج ریڈی پولس پٹیل گواہ دستخط ہنمان لو مالی پٹیل

بیان نمبر (۳۱)

مسمی سائیگا کا بیان۔

"سال حال میرے کھیت کی فصل بہت خراب ہے۔ اس لئے میں میشما (ایک دیوی) کے نام بکرا ذبح کر رہا ہوں تاکہ کھیت سے حسب معمول غلہ حاصل ہو۔" فقط ابہام سائیگا

نوٹ:۔ یہ بیان اسوقت لیا گیا تھا جبکہ مسمی مذکور میشما کو بکرے کی نظر دے رہا تھا۔

بیان نمبر (۳۲)

راج ریڈی پولس پٹیل کا بیان۔

"میری بیوی کو دس بارہ یوم سے بخار آرہا تھا۔ میں نے منے بیوی (یہ ایک عورت ہے۔ اسکو مہینے میں دو مرتبہ حال چڑھتا ہے جب کہ یہ عالم حال میں رہتی ہے تو اوسوقت اس سے غیب کی باتیں دریافت کیجاسکتی ہیں) سے اس کا سبب دریافت کیا۔

منے بیوی نے کہا کہ میری بیوی کو لنگا ریڈی مہاراج (لنگا ریڈی دوپلی کے وطن دار تھے۔ انکو فوت ہوکر (۲۰) سال کا عرصہ ہوتا ہے) کا اثر ہے۔ اس اثر کو دور کرنے سے بخار کم ہوجائیگا۔ یہ اثر لنگا ریڈی کے نام پر

بکرا ذبح کرنے سے دور ہو سکتا ہے۔ لہٰذا میں نے لنگا ریڈی کے نام پر ایک بکرا ذبح کیا۔ اس کے بعد سے بخار میں تخفیف شروع ہوئی اور اب میری بیوی با صحت ہے۔" فقط دستخط راج ریڈی پولس پٹیل۔

بیان نمبر (۳۲)

ہن مان لو مالی پٹیل کا بیان۔

"میرے شیر خوار بچے کو یکایک اجابتیں اور قے شروع ہوگئیں۔ دوا کروائی گئی لیکن کمی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ میرے پڑوسیوں نے کہا کہ چونکہ علاج کے باوجود مرض میں کمی نہیں ہو رہی ہے لہٰذا شیطان کا اثر ہونا چاہیئے۔ شیطان کے اثر سے نجات پانے کیلئے میں نے ایک بکرا اپنے مکان کے سامنے ذبح کیا۔ اس کے باوجود مرض میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

دوسرے دن تمام ہمسائیوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ بکرا مکان کے سامنے ذبح کرنے سے مکان کا شیطان مکان ہی میں رہتا ہے۔ اسکو مکان سے نکالنے کے لئے بکرا جنگل میں ذبح کیا جانا چاہیئے۔ لہٰذا میں نے جنگل میں دوسرا بکرا ذبح کیا۔ پھر بھی مرض میں کوئی افاقہ نہ ہوا۔

بعد ازآں میں نظام آباد کے دواخانہ سے دوا لائی شروع کی پانچ چھ دن دوا استعمال کروائی گئی بتدریج کامل صحت حاصل ہوگئی۔

دیہات میں شیطانوں کے نام پر بکرا ذبح کرنے کا مرض بہت عام ہے۔ گو کہ میں پڑھا لکھا ہوں اور مجھ کو شیطانوں پر اعتقاد نہیں لیکن اس کے باوجود بکرے ذبح کرنے کیلئے مجبور تھا کیونکہ میرے مکان کی عورتوں نے مجھے مجبور کر دیا۔" فقط دستخط ہن مان لو مالی پٹیل

نوٹ:۔ ہماری تحقیق کے مطابق سال حال ۲۴۸ مکانوں میں سے ۴۳ یعنی تقریباً ۱۹ فیصد مکانوں میں ایک نہ ایک وجہ سے شیاطین کے نام پر بکرے ذبح کئے گئے۔ بکرے ذبح کرنیوالوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سالے راجیا	۷۔ بھوئی لچھما	۱۳۔ گلا نرسیا	۱۹۔ منی کرپوڑ
۲۔ سالے پونیا	۸۔ بھوئی پیرا لچھما	۱۴۔ چنا ریڈی پٹیل	۲۰۔ آکل نرسا
۳۔ دھوبی لچھا	۹۔ بھوئی بندی گا	۱۵۔ لنگا ریڈی	۲۱۔ آکل ابوگا
۴۔ دھوبی بوڑگاؤں	۱۰۔ گلے وار گنگیا	۱۶۔ گوگو سائنا	۲۲۔ کملہ سائنا
۵۔ سالے دیونا	۱۱۔ منور گنگیا۔	۱۷۔ پوٹیوڑ گا لچھما	۲۳۔ بلے سائیگا
۶۔ بھوئی ابوگا	۱۲۔ کمار کا سینگا	۱۸۔ نرسی	۲۴۔ بلے ملوگا وغیرہ وغیرہ

فہرست افراد جنہوں نے ۱۳۴۷ف مطابق ۱۹۳۸ء کے دوران میں شادیاں کیں۔

۱۔ بو یشر لنگا ریڈی	۴۔ گوگو سائنا	۷۔ بوتا لچھما بھوئی	۱۰۔ پڈمٹ پوچیگا

۲۔ امبیگار نارُنا ۵۔ سندر برو ڈو ۸۔ بوتلا بندی گا ۱۱۔ کو تگر بھوما
۳۔ دھنگر لنگا ۶۔ بھوئی بندی گا ۹۔ کمار سائیگا ۱۲۔ اکول پلیا
۱۳۔ بڑھئی سائنا

موضع ہٰذا میں چند اہم فرقوں کے اخراجات شادی حسب ذیل ہیں۔

نام فرقہ	نوعیت شادی	مقدار رقم جو صرف کیجاتی ہے۔
موٹر واڑ	لڑکے کی شادی کے لئے	۵۰۰ تا ۱۰۰۰ روپیہ
	لڑکی کی شادی کے لئے	۱۰۰ تا ۲۰۰ "
دیمر واڑ	لڑکے کی شادی کے لئے	۲۰۰ تا ۵۰۰ "
	لڑکی کی شادی کے لئے	۵۰ تا ۱۰۰ "
منور واڑ	لڑکے کی شادی کے لئے	۳۰۰ تا ۵۰۰ "
	لڑکی کی شادی کے لئے	۵۰ تا ۱۰۰ "
کولی	لڑکے کی شادی کے لئے	۱۰۰ تا ۲۰۰ "
	لڑکی کی شادی کے لئے	۲۵ تا ۵۰ "
دھنگر	لڑکے کی شادی کے لئے	۱۵۰ تا ۲۵۰ "
	لڑکی کی شادی کے لئے	۵۰ تا ۱۰۰ "
مانگ	لڑکے کی شادی کے لئے	۱۰۰ تا ۲۰۰ "
	لڑکی کی شادی کے لئے	۲۵ تا ۵۰ "
دھیڑ	لڑکے کی شادی کے لئے	۱۰۰ تا ۲۰۰ "
	لڑکی کی شادی کے لئے	۲۵ تا ۵۰ "

وہ کاغذ جو مسمی کومٹی نرسلو ساہو نے تصفیہ کے بعد اپنے آسامی مسمی للیگار گنگا ریڈی کو لکھدیا۔

"منکہ کومٹی نرسلو ساہو ولد گنگا رام ساکن دوپلی لکھدیتا ہوں اس بات پر کہ میں نے اپنی خوشی و رضا مندی حسب تصفیہ مولوی محمد ناصر علی صاحب اپنے آسامی مسمی للیگار گنگا ریڈی ولد نرسا ریڈی کے یں واجب الوصول قرض مبلغ ایکصد روپیہ میں سے دس روپیہ معاف کردیئے ہیں۔ باقی ۹۰ روپیہ کی وصولی چار اقساط ہوگی۔ پہلی قسط مبلغ ۳۰ روپیہ آبی ۱۳۴۶ف کو وصول کی جائے گی۔ دوسری قسط مبلغ ۲۰ روپیہ تابی ۱۳۴۷ف کو تیسری قسط مبلغ ۳۰ روپیہ آبی ۱۳۴۹ف کو۔ چوتھی قسط مبلغ دس روپیہ تابی ۱۳۴۹ف کو اس طرح متذکرہ چار قصول میں میرا جملہ واجب الوصول اصل مبلغ ۹۰ روپیہ وصول ہوجائے گا جسکے بعد مسمی مذکور پر میرا کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔

ادائی اصل کے بعد میں نہ صرف وہ دستاویز واپس کرونگا جو اب مجھے لکھدیا گیا ہے بلکہ وہ رقعہ بھی واپس دونگا جو میرے ہاں سابق سے موجود ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس تصفیہ کی سختی کیساتھ پابندی کرونگا۔" فقط

دستخط کومٹی ساہو نرسملو

وہ کاغذ جو مسمی للیگار گنگا ریڈی ولد نرسا ریڈی نے تصفیہ کے بعد اپنے ساہو مسمی کومٹی نرسملو کو لکھدیا۔

"منکہ للیگار گنگا ریڈی ولد نرسا ریڈی ساکن دوپلی لکھدیتا ہوں اس بات پر کہ حسب تصفیہ مولوی محمد ناصر علی صاحب مسمی کومٹی نرسملو ساہو کی ۹۰ روپیہ رقم میرے ذمہ واجب الدین ہے۔ حسب تصفیہ صاحب موصوف میں اس رقم کو چار اقساط میں ادا کرونگا۔ پہلی قسط مبلغ ۲۰ روپیہ فصل آبی سنہ ۱۳۴۸ف کو دوسری مبلغ ۲۰ روپیہ فصل تابی سنہ ۱۳۴۸ف کو تیسری مبلغ ۳۰ روپیہ فصل آبی سنہ ۱۳۴۹ف کو اور چوتھی مبلغ ۱۰ روپیہ فصل تابی سنہ ۱۳۴۹ف کو دونگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس تصفیہ کی سختی کیساتھ پابندی کرونگا۔ اگر حسب تصفیہ آبی سنہ ۱۳۴۹ف تک جملہ رقم یعنی ۹۰ روپیہ ادا نہ کردوں تو جسقدر رقم اسوقت باقی رہے گی اس پر تا ادائی ایک روپیہ فی صد ماہانہ کے حساب سے سود ادا کرونگا۔

دستخط ابہام للیگار گنگا ریڈی ولد نرسا ریڈی

آلات زراعت

اردو نام	انگریزی نام
ہل	PLOUGH
بکھر	HARROW
داتری	DANTAL
دوشیا	SEED-DRILL
پتّھن	SEED-DRILL
بنڈی	CART
کولہو	SUGAR CANE CRUSHER
درانتی	SICKLE
سبل	GROWBAR
پھاوڑا	SPADE
کلہاڑی	AXE

کونکی یا کدالی	A KIND OF HOE
کھرپی	HOE
تپائی	STOOL
سوپ	WINNOWING BASKET
چھبی	BASKET

جانورونکی بیماریوں کے نام

۱ - گالی کی بیماری - اس بیماری میں جانوروں کے پاوں میں کیڑے پڑتے ہیں اور وہ لنگڑنے لگتے ہیں ۲ - گلا پکڑو - اس بیماری میں جانوروں کا گلا اکڑ جاتا ہے - ۳ - نیالکا شیرو - اس بیماری میں جانوروں کی زبان پر کانٹے وغیرہ آجاتے ہیں اور وہ چارہ نہیں کھا سکتے - ۴ - پدا روگم - اس بیماری میں جانوروں کو گلٹی نکل آتی ہے - اور یہ بہت مہلک بیماری ہوتی ہے - ۵ - مزید برآں جانورونکو پائخانے لگتے ہیں -